کہ اس کی حکومت ۱۷۔۱۱۰ ق۔م میں پورے عروج پر تھی۔ اُس کے جانشینوں کے بارے میں ہماری معلومات بہت ناکافی ہے۔

چہارم

مہاراشٹر کے کشہ رات

مغربی ہندوستان کا سب سے پہلا کشترپ جس کے بارے میں ہم کچھ جانتے ہیں بھومک تھا جو کشہ رات خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔[1] اور سوراشٹر میں حکومت کرتا تھا۔ اُس کے سکوں کی وضع قطع اور ساخت نیز اُن پر کندہ سجعوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بھومک نہپان سے پہلے بادشاہ ہوا۔ اُن کا نشان شاہی یعنی بھالہ اور بجلی "اسپلیر سیز اور ایزیس کے متحدہ طور پر چلائے ہوئے اُن سکوں سے ملتا جلتا ہے جن پر "بالہ اور تیر کمان" کندہ ہے[2]

نہپان

اگلا کشہ رات حکمراں نہپان تھا جس کا بھومک سے صحیح صحیح تعلق ایک غیر یقینی بات ہے۔ لیکن اس کے شک ہونے میں بہر حال کوئی شک نہیں ہے، کیونکہ اس کی ہندو نام کی لڑکی دکش متر اُشو ددت (رشبھ دت)، کو بیاہی گئی تھی، جسے ایک کتبے میں

(بقیہ حاشیہ صہ) بعض عالموں نے ۴۲ کی بجائے ۲، پڑھا ہے، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ شوداش کی تاریخ ۱۵ء میں جا پڑے گی۔ اسٹن کونو نے اس سن کو وکرمی مانا ہے۔ (ایپی گرافیہ انڈکا، صہ ۱۳۹۔ صہ ۱۴۱) دیگر عالم اس کے قائل ہیں کہ شوداش نے اس پر شک سن ڈلوایا ہے۔۔۔ سب سے پہلے بیولر نے اٹوہنی کی شہادت پر ۴۲ ہی تجویز کیا ہے (ایپی گرافیہ انڈکا ۲، صہ ۱۹۹) لیکن بعد میں تصحیح کر کے ۲، بنا دیا (ایضاً، چار صہ ۵۵، حاشیہ دو) ریپسن نے اول الذکر خیال کو ترجیح دی ہے۔ (کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، اول، صہ ۵۷۵، حاشیہ ایک) [1] کیا کشہ رات نام ٹالمی کے کرتائی کے مماثل ہے؟ کیا یہ ضلع چھہر سے مشتق ہے [2] ڈبرو ئل، اینشینٹ ہسٹری آف دکن، صہ ۱۷۔

واضح طور پر شک کہا گیا ہے۔ آخر الذکر کی تمام دستاویزی شہادتیں جو پانڈولینا (ناسک کے قریب)، جنار اور کارلے (ضلع پونا) میں دریافت ہوئی ہیں ظاہر کرتی ہیں کہ نہپان مہاراشٹر کے ایک بڑے حصہ پر قابض تھا۔ یہ علاقہ اس نے یقیناً ساتواہنوں سے حاصل کیا۔ جب مالیہ یا مالو قبیلوں نے حملہ کیا تو اُتم بھدروں کی امداد کی غرض سے اس نے اپنے داماد کو ان کے مقابلہ لیے بھیجا۔ فتح یاب ہونے کے بعد اُشودت نے پشکر تیرتھ (پوکھر) کے لیے دان پُن کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہپان کا اثر اجمیر تک پایا جاتا تھا۔ اُس کے عہد کے کتبوں پر سن ۴۱ تا ۴۶ پڑا ہوا ہے لیکن ان کا نظام سنوات واضح نہیں ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ شک سنین ہیں، حالانکہ ڈبرنوٹل نے وکرمی [1] تجویز کیے ہیں، تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ نہپان ۱۱۹ - ۱۲۴ء میں حکومت کر رہا تھا۔ لیکن اگر وہ پیری پلس [2] والے ممبروس یا ممبنوس کے مماثل ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا جیسا کہ بعض عالموں نے قیاس کیا ہے، کہ پہلی صدی عیسوی کے ربع سوم میں اس کی حکومت پورے عروج پر تھی۔ کتبہ ناسک، نیز جوگل تھمبی کے بے شمار سکوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ نہپان، یا شاید اس کے جانشینوں میں سے کسی کی حکومت کو گوتمی پتر شات کرنی نے تباہ کیا۔ [3]

پنجم

اُجین کے شترپ۔ چشٹن

اس سلسلہ کا بانی یسا موتک کا بیٹا چشٹن تھا جس کی حکومت کئی صدیوں تک مغربی ہندوستان پر رہی۔ بعض عالم اُسے شک سمبت کا بانی قرار دیتے ہیں، جس کی

---

[1] ایضاً، ص۲۲ [2] دار السلطنت مین نگر کو مختلف لوگوں نے مختلف شہروں کے مماثل بتایا ہے۔ بی۔ اندرجی نے جونا گڈھ کے، ڈاکٹر بھنڈارکر نے مندسور یا موجودہ دسور کے، اور فلیٹ نے جنتا یا ودھ کے مماثل بتایا ہے لیکن جیسوال اس کے قائل ہیں کہ نہپان بڑودچ میں حکومت کرتا تھا [3] دیکھیں گزشتہ صفحات۔ کیا نہپان سے گوتمی پتر کی بذات خود جنگ ہوئی یا ان کے زمانوں میں "طویل مدت" کا فصل تھا؟

(باقی اگلے صفحہ پر)

ابتدا ۷۸ء سے ہوئی۔ دیگر عالم اس رائے سے متفق نہیں ہیں، لیکن وہ اس بات کو ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ سن ۵۲ جو اَندھو (کچھ) کے کتبوں پر پڑا ہوا ہے، وہ اسی سمبت سے متعلق ہے۔ یہ وہ نظریہ ہے جس سے چشٹن کے عہد کی تاریخ ۱۳۰ء متعین ہو جاتی ہے۔ اسے اوزین کے ساکن ٹیاسٹینیز کے مماثل بتایا گیا ہے جس کا ذکر ٹالمی نے کیا ہے۔ اُس نے نہپان کے سکوں کی نقل کی۔ چشٹن نے شروع میں شترپ کی حیثیت سے حکومت کی اور بعد ازاں وہ مہاکشترپ ہو گیا۔ کیا وہ کشنوں کا باجگزار تھا، یا پھر "گوتمی پتر کا باجگزار" تھا، جیسا کہ جی۔ جوویوڈبرؤیل نے لکھا ہے؟

رودُردامن

چشٹن کا لڑکا جےدامن، صرف شترپ تھا اور کوئی ممتاز مقام حاصل کیے بغیر فوت ہو گیا۔ جےدامن کا لڑکا رودردامن، بہرحال، ایک عظیم شخصیت کا مالک تھا۔ اس کے کارناموں کی تفصیل جوناگڑھ کے چٹانی کتبہ میں موجود ہے جو مورخہ ۷۲، یا ۱۵۰ء ہے۔ اس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اس نے مہاکشترپ کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ اس نے "مغرور" یودھیاؤں کو بھی فتح کر لیا تھا اور دوبار دکشناپتھ کے حکمراں شاٹ کرنی کو زیر کیا جس سے اس کا رشتہ زیادہ دور کا نہیں تھا۔ یہ خواہ مخواہ کی شیخیاں نہیں تھیں بلکہ ان دعوؤں کی تصدیق اُن ملکوں کے ناموں سے ہوتی ہے جنھوں نے اس کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ ان میں شمالی گجرات، سوراشٹر، کچھ، وادیٔ سندھ کا جنوبی علاقہ، شمالی کونکن، مان دھاتا پردیش، مشرقی اور

(بقیہ پچھلے صفحہ کا حاشیہ)
(نیز ملاحظہ ہو اینشنٹ ہسٹری آف دکن صفحہ ۲۴، صفحہ ۲۵)

ڈوبریل 'اینشنٹ ہسٹری آف دکن، صفحہ ۳۶

اندھو کے کتبوں کی روشنی میں قیاس کیا گیا ہے کہ چشٹن اور رودردامن نے باہم حکومت کی (ڈاکٹر ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر، انڈین اینٹی کوئیریز سینتالیس ۱۹۱۸، صفحہ ۱۵۴) ڈوبریل اس رائے سے متفق نہیں ہے اس کا خیال ہے کہ اندھو (کچھ) کا کتبہ رودردامن کے عہد سے متعلق ہے (اینشنٹ ہسٹری آف دکن صفحہ ۲۷

ایضاً، صفحہ ۳۷ ایپی گرافیہ انڈیکا، آٹھ، صفحہ ۴۲، صفحہ ۴۹

دیکھیے گزشتہ صفحات،

مغربی مالوہ، گکرّ اور مارو یعنی راجپوتانہ کے حصے، وغیرہ شامل تھے[1]۔ ان میں سے بعض علاقے گوتمی پتر شات کرنی کے تصرف میں تھے، جس کی طرف ہم کسی دوسرے مقام پر اشارہ کر چکے ہیں۔ چنانچہ سات واہن سلطنت کے زوال کے بعد رودردامن کی طاقت کو عروج ہوا۔ رودردامن کے عہد کا ایک اور اہم واقعہ یہ تھا کہ سُدرشن جھیل کا بند ٹوٹ گیا۔ لیکن تگنی مضبوطی کے ساتھ اسے دوبارہ بنوا دیا گیا۔ اس کی تعمیر رودردامن کے پہلوی گورنر، سوئی شاکھ، پسر کلیپ[2] کی کوششوں کا نتیجہ تھی جو "تمام آنرت اور سوراشٹر" کا حاکم تھا۔ ہمیں مزید معلوم ہوتا ہے کہ بند کی مرمت کے تمام تر اخراجات رودردامن نے خود برداشت کیے اور عام شاہی دستور کے مطابق رعایا سے کوئی اضافی محصول وغیرہ وصول نہیں کیا۔ وہ اپنی رعایا کی بھلائی کا واقعی کتنا خواہش مند تھا۔

رودردامن کے جانشین

رودردامن کے بعد خاندان کے کئی افراد برسرِ حکومت آئے، لیکن ان کے بارے میں کوئی اہم بات ہمیں نہیں معلوم۔ تیسری صدی عیسوی کے تقریباً چوتھے دہے میں شترپوں کا ستارہ کچھ دنوں کے لیے گردش میں آ گیا جس کا سبب یہ ہوا کہ ایشوردت کے عہد میں ابھیرؤں نے اُن پر حملہ کر دیا اور ان کی سلطنت کے کچھ حصے پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ بہرحال اس خاندان نے اپنی کھوئی ہوئی طاقت کو بہت جلد مجتمع کر لیا اور کافی نشیب و فراز کے باوجود سن ۳۱۰ الف "شکی دِ عیسوی ۳۱۰ الف" ۳۸۰) [3] تک اپنے وجود کو باقی رکھا، یہ وہ تاریخ ہے جو رودر

---

[1] اس سے مقابلہ کریں۔ पूर्वापराकरावन्त्यनूपनीवृदानर्तसुराष्ट्रश्वभ्र
(म) मरुकच्छसिन्धु "सौवीरकुकुरापरान्तनिषादादीन
समग्राणां तत्प्रभावाद्"

[2] ملاحظہ ہو ریپسن کیٹلاگ آف دی کوائنس آف دا آندھرا ڈائنیسٹی، دا ویسٹرن شترپ وغیرہ صفحہ ۱۹۰۸ء [3] "الف" کی علامت تیسرے عدد کو ظاہر کرتی ہے جو سکوں پر واضح نہیں ہے۔

گونڈو فرنیز

اس سے اگلا اور سب سے بڑا ہند پارتھی بادشاہ گونڈہ و فرنیز (ویڈفرن) تھا۔[1] تخت باہی کتبہ کی مدد سے جس پر سن ۱۰۳ پڑا ہوا ہے[2]، اُس کے عہد کا تعین قطعی طور پر کرلیا گیا ہے۔ فلیٹ نے اس سن کو وکرمی قرار دیتے ہوئے[3] اسے ۴۵ سے منسوب کیا ہے۔ یہ تاریخ مہارائے گوندو وَھر د ؟) کے عہد حکومت کا چھبیواں سال ظاہر کرتی ہے۔ اس جہت سے وہ ۱۹ء میں تخت نشین ہوا۔ کتبہ سے مزید ثابت ہوتا ہے کہ پشاور کا ضلع اس کی قلمرو میں شامل تھا، اس کے سکوں کی وضع قطع ظاہر کرتی ہے کہ وہ مشرقی ایران اور شمالی مغربی ہندوستان کے شک پہلو علاقوں پر قابض و متصرف ہوگیا تھا۔ ایزیلیس دوم کے بعض علاقوں پر اس کا قابض و متصرف ہونا اشپ ورمن کے سکوں سے ثابت ہے جو پہلے ایزیلیس کا سپہ سالار تھا۔ لیکن بعد میں اس نے گونڈو فرنیز کو اپنا فرماں روا تسلیم کرلیا۔ عیسائی روایات میں اُسے بادشاہِ ہندوستان کہا گیا ہے اور سینٹ ٹامس سے ربط دیا گیا ہے۔ اس قسم کی داستانوں پر مشکل ہی سے اعتماد کیا جا سکتا ہے، لیکن اس حد تک بات حقیقت پر مبنی ہوسکتی ہے کہ کوئی عیسائی مبلغ گونڈو فرنیز یا گونڈو فرنیز کے دربار میں ضرور پہنچا اور وہاں اُسے اپنے تبلیغی کام میں تھوڑی بہت کامیابی بھی نصیب ہوئی[4] جب پہلو شہنشاہ کا انتقال ہوا تو اس کی سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا اور شہزادوں نے اُسے آپس میں تقسیم

---

[1] اس نام کی دوسری بدلی ہوئی شکلیں یہ ہیں۔ گوڈو فر، یا گدڈودھر، گونڈوفارنیز، گُرفَن (دیکھئے) وغیرہ

[2] ملاحظہ ہو ایس کونو، کارپس انسکرپشنم انڈکارم، (د) نمبر بیس، ص۵۷۔ ص۶۲ [3] اس نسبت پر بعض عالموں نے شبہ کیا ہے۔ سورگیہ آر۔ ڈی۔ بنرجی تخت باہی کتبہ کے سن ۱۰۳ کو شک سمبت سمجھتے ہیں (انڈین اینٹی کویریز، ۱۹۰۸، ص۴۷، ص۶۲) ڈاکٹر ونسنٹ اسمتھ گونڈو فرنیز کی تاریخ اپنے بعد کے زمانے میں متعین کرنے کے حق میں نہیں ہیں وہ اس کے قائل ہیں کہ " ٹکسلا کے طبقاتی اجزائے ترکیبی ظاہر کرتے ہیں کہ گونڈو فرنیز " کو فیس اول سے پہلے ہوا " ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا ایڈیشن ص۲۴۵، نوٹ ۱)، سینٹ ٹامس کی روایت کے لیے ملاحظہ ہو اسمتھ ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، ص۲۴۵۔ ص۲۵

سنہا سوم کے سکّوں پر پڑی ہوئی ہے۔ یہ دورستہا شک شہنشاہ کے مماثل ہے اور ہرشں چرت میں چندر گپت وکرمادتیہ کے ہاتھوں اسی کے قتل کا ذکر کیا گیا ہے۔ گپت راجاؤں نے اس کے بعد شک مقبوضات کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا اور شترپوں کے نمونے کے چاندی کے سکے جاری کیے۔ لیکن اُن کی پشت پر شترپ علامات کی بجائے گروڑا علامات کندہ کروائیں۔

ششم

پہلوے ــ وونونیز

ہندی پارتھیوں یا پہلوؤں کی تاریخ ابھی تک تاریکی میں ہے، البتہ سکّوں اور کتبوں سے جستہ جستہ واقعات کہیں کہیں معلوم ہوجاتے ہیں۔ اس خاندان کا سب سے پہلا بادشاہ جس کے متعلق ہم کچھ جانتے ہیں وونونیز تھا، جس نے اراکوشیا اور سیستان میں حکومت قائم کی تھی اور شہنشاہِ اعظم کا لقب اختیار کرلیا تھا[1] اس کے سکّوں میں جن کی ہیئت یوکر یٹائڈیز کے سکّوں جیسی تھی، وونونیز کے ساتھ اس کے بھائی اسپیلرائیسیز اور اسپیلا ہوریز اور بھتیجا اسپلیگا ڈمیز شریک نظر آتے ہیں۔ غالباً مفتوحہ علاقوں میں یہ سب اس کے نائب السلطنت تھے۔

اسپیلرائیسیز

وونونیز کے بعد اسپیلرائیسیز تخت نشین ہوا۔ معلوم ہوتا ہے آیزیس دوم اس کے ماتحت تھا، کیونکہ بعض سکوں پر سیدھی طرف یونانی زبان میں اسپیلرائیسیز کا نام ہے اور اُلٹے رُخ پر کھروشٹھی رسم خط میں ایزیس کا۔

---

[1] ملاحظہ ہو ایس کونو کارپس انسکرپشنم انڈکارم، دوسرا، تمہید، سینتیس، ۳، صفحہ ۴۹

[2] ریپسن کہتا ہے وونونیز کو "مشرقی ایران کی ریاستیں شہنشاہ مانتی تھیں"۔ اس کی حکومت متھر اڈیٹیز دوم کے عہد کے بعد عروج پر پہنچی (کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد ایک صفحہ ۵۶۷)

کرلیا۔ اُن میں سے ایک پاکوا پنز نامی مغربی پنجاب اور جنوبی افغانستان پر قابض تھا لیکن کشنوں کے حملے نے اس خاندان کی رہی سہی طاقت کا خاتمہ کر دیا۔

فصل (۳)

کُشن [1]

یوچی نقل و حرکت

دوسری صدی ق۔م کے چوتھے دہے کے قریب (عام طور پر اس کا سن ۱۶۵ ق۔م تسلیم کرلیا گیا ہے)، ایک ترکی خانہ بدوش قبیلہ ہیونگ نُو نے اپنے پڑوسی قبیلہ یوچی پر جو شمالی مغربی چین کے کنسو کے علاقہ میں آباد تھا فیصلہ کُن فتح حاصل کی اور انھیں اُن کے سبزہ زاروں سے نکال باہر کیا، یوچیوں نے جب مغرب کی جانب ہجرت کی تو اثنائے راہ میں دریائے اِلی کی وادی میں پہنچ کر اُن کا مقابلہ ایک قبیلہ وُوسُن سے ہوا جس میں آخرالذکر قبیلہ کا سردار نَین ٹیا وُمی اپنے ملک کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا۔ یہاں یوچی دو گرہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروہ جس نے جنوب کا رُخ کیا۔ تبت کی سرحد پر جا کر

---

[1] ملاحظہ ہو ونسنٹ اسمتھ "ہندوستانی تاریخ کا کشن یا ہندی سیتھی عہد" (جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۹۰۳ء، ص۱، ص۶۴)؛ آر۔ ڈی۔ بنرجی، انڈین اینٹی کویٹیری، سینتیس۳۷ (۱۹۰۸)، ص۳۵ حاشیہ ۱۶ اسٹن کونو، کارپس انسکرپشنم انڈیکارم دوم، تمہید، اڑتیس، صـ بیاسی۔ نام کی عام شکل تو کُشن ہے لیکن کہیں کہیں کشان بھی کہا گیا ہے۔ ڈاکٹر ایف۔ ڈبلو۔ ٹامس نے کشن کے لفظ کو "خاندانی لقب" سے تعبیر کیا ہے (جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۰۶ء، ص۲۰۳) سن ۱۲۲ کے پنج تر کے کتبے میں گُشن ایک مہارائے کے نام کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ (کارپس انسکرپشنم انڈیکارم، دو نمبر چھبیس۲۶، ص۷) اسی طرح ٹکسیلا کے چاندی والے کتبہ میں جس پر سن ۱۳۶ پڑا ہے۔ (ایضاً، نمبر ستائیس۲۷، ص۷۷) کشن ایک شہنشاہ کے نام کے لیے غالباً کدفیسس اول یا دیما کدفیس کے لیے استعمال ہوا ہے (مقابلہ کریں "عظیم بادشاہ، شہنشاہ خدا کا بیٹا کشان" وغیرہ اصطلاحوں سے)

آباد ہو گیا اور "چھوٹا یوہچی" (سیاؤ یوہچی) کہلایا۔ بڑا گروہ (ٹا یوہچی) اور آگے بڑھا یہاں تک کہ اس کی مڈبھیڑ شکوں سے ہوئی جنھیں اس نے، جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں دیکھ آئے ہیں، جیکسا رٹیز کے شمالی علاقے سے نکال دیا۔ لیکن یوہچی اپنے اس چھینے ہوئے علاقہ میں زیادہ دنوں نہ رہ سکے کیوں کہ ووسُن قبیلہ کے مقتول سردار کے لڑکے کو ین مُو نے ۱۴۰ ق۔م کے قریب ہونگ نو، قبیلہ کی مدد سے انھیں وہاں سے بے دخل کر دیا، اس کے بعد یوہچی ایک خوشحال اور پُر امن قبیلہ کو شکست دے کر جسے چینی تا ہیا (باختری) کہتے تھے، وادیٔ سیحون کی طرف بڑھے اور رفتہ رفتہ باختر اور سوگ ڈآنا میں آباد ہو گئے۔ پہلی صدی ق۔م کے آغاز تک وہ اپنی خانہ بدوش زندگی کی تمام عادات ترک کر چکے تھے۔

پانچ ریاستیں

اس کے بعد یوہچی پانچ ریاستوں میں تقسیم ہو گئے۔ ہیومی، چُوانگ مؤ، کوِی چو آنگ، ہی تُھن اور کاؤفو۔ اس تقسیم کے لگ بھگ سو سال بعد ان میں سے کوِی چوآنگ (کشن) کے یبٔ گھو یا یؤگ (جبگو) قبیلے نے باقی چار قبیلوں کو شکست دے دی اور سب کے سب اسی قبیلے کے ماتحت متحد ہو گئے اور کیوٌتُ سیوکیو نام کی بادشاہت قائم کی۔

کجُول کدفسیز

اس کے بادشاہ (وانگ) کو سکوّں والے کجُول کدفسیز کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ سکوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وادیٔ کابل میں یونانی طاقت رفتہ رفتہ بالکل معدوم ہو گئی، کیوں کہ بعض سکوّں پر کھروشٹھی میں کجُول کس نام مندرج ہے اور بعض پر یونانی میں ہرمیس کے ساتھ کوزو، کدفیسُ کا نام بھی آتا ہے۔ بعض ایسے سکّے ہیں جن پر یونانی نام سرے سے ہے ہی نہیں۔ اس لیے یہ بات بالکل قرین عقل ہے کہ شروع میں دونوں بادشاہ غالباً بڑھتی ہوئی پہلو طاقت کا مقابلہ کرنے کی غرض سے متحدہ حکومت کرتے رہے اور بعدازاں وادیٔ کابل میں یونانی اثر بالکل زائل

ہوگیا اور کشنوں کی حکومت قائم ہوگئی۔ کجول کدفیسز نے پارتھیا پر حملہ کیا، کپین (غالباً گندھار) اور جنوبی افغانستان فتح کرلیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے یہ فتوحات اپنے عہدِ حکومت کے آخری زمانے میں گونڈوفرنیز کے انتقال کے بعد حاصل کیں جو تخت باہی کتبہ کے مطابق ۴۵ء میں پشاور میں حکومت کررہا تھا۔ چینی مصنفین لکھتے ہیں کہ کجول کدفیسس نے اسّی سال کی عمر پائی۔ اس جہت سے اس کا سالِ وفات ہم پہلی صدی عیسوی کے ربع سوم میں قائم کرسکتے ہیں۔

ویم کدفیسز

چینی مورخین سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کجول کدفیسز کے بعد اس کا لڑکا ین کاؤ چنؑ تخت نشین ہوا جسے سکوں والے "اُومی اَم کوبھِس شاہ اعظم" یا اُویمؤ یا ویمؑ یا ویم کدفیز کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔[۱] ہندوستان فتح کرنے کا سہرا اسی کے سر ہے (ٹی انٹ چو)۔ ہوسکتا ہے یہ بات حرف بہ حرف درست نہ ہو، لیکن اس کے دور دراز علاقوں میں بکھرے ہوئے سکّے، نیز پُرشکوہ القاب جیسے "شاہ اعظم، شہنشاہ مخدوم عوام..." ظاہر کرتے ہیں کہ اس کی حکومت سندھ کے مشرق میں پنجاب تک پھیلی ہوئی تھی اور ہوسکتا ہے اس میں اُترپردیش بھی شامل ہو۔ ہندوستانی مقبوضات پر وہ ایک نائب السلطنت کے ذریعہ حکومت کرتا تھا۔ تانبے کے بے شمار سکّے جو کسی گمنام بادشاہ کے جاری کردہ کہے جاتے ہیں اسی سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ یہ سکّے شمالی ہندوستان کے مختلف حصوں میں عمومیت کے ساتھ پائے گئے ہیں۔ آخری بات یہ ہے کہ ماہیشور کے لقب سے، نیز سکّوں پر نندی اور اُلٹے رُخ پر شیو کی مورتی

---

[۱] اسے مہارائے کشن کے مماثل بھی بتایا گیا ہے، جیسا کہ سن ۱۲۲ کے پنج تر کتبے میں مندرج ہے (کارپس انسکرپشنم انڈکارم، دو، نمبر چوبیس[۱]، صفحہ ۶۷، ۷۰)۔ اس کے برخلاف سر جان مارشل نے اسے ذرا تعصب کے ساتھ کدفیس اول کے مماثل بتایا ہے (جرنیل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۹۱۴، صفحہ ۹۷۷)۔ اُدم کوتھس یا ویم کدفیس، بشرطیکہ ہم نے ٹھیک ٹھیک پڑھا ہو، بہرحال خلت سے کے سن ۱۸۴ (؟)، یا ۱۸۷ (؟)، کے کتبہ میں بھی آتا ہے (کارپس انسکرپشنم انڈکارم، دو، نمبر انتیس[۲]، صفحہ ۸۱)

سے ظاہر ہوتا ہے کہ ویمؔ کدفیسز غالباً ہندو دیوتا شیو کا معتقد تھا۔ اس پر تبصرہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ کشن کتنے جلد ہندو سماج میں ضم ہو گئے۔

کنشک۔ اُس کی تاریخ

ہندوستان کے کشن بادشاہوں میں سب سے زیادہ نمایاں شخصیت کنشکؔ کی ہے۔ وہ ایک عظیم فاتح اور بدھ مت کا سرپرست تھا۔ اس میں چندر گپت موریہ کی فوجی صلاحیت اور اشوک کے مذہبی جوش کا امتزاج پایا جاتا تھا۔ کنشک کے بارے میں ہماری معلومات بہرحال بہت ناقص ہے اور اس کے عہد کی ترتیب وار تاریخ بدقسمتی سے اب تک ہمارے لیے ایک معمہ بنی ہوئی ہے یہ ٹھیک نہیں کہا جا سکتا کہ ویمؔ کدفیسز سے اس کا کیا رشتہ تھا اور حالانکہ دونوں فرماں رواؤں کے درمیان مختصر سے تفاوت کو قطعاً نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، پھر بھی ان کا تاریخی تسلسل یقینی امر ہے[1] کنشکؔ اور ویم کدفیسز دونوں کے سکے کئی جگہ ایک ساتھ پائے گئے ہیں (مثلاً بنارس میں، گوپال پور ضلع گورکھپور کے استوپ میں اور کابل کے قریب بیگ رام میں۔ اُن میں سے اکثر میں دونوں پر وہی چوشاخہ نشان کندہ ہے، وزن اور نفاست میں دونوں بالکل یکساں ہیں، اس کے علاوہ دونوں کے اُلٹے رُخ کی وضع قطع میں بڑی قریبی مماثلت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ مسکوکاتی شہادت نیز ٹکسیلا کے طبقاتی باقیات ظاہر کرتے ہیں کہ کنشک اور ویم کدفیسز کے زمانوں میں زیادہ فرق نہیں تھا اور یہ واقعہ ہے کہ ویم کدفیسز کے بعد کنشکؔ ہی تخت نشین ہوا، کنشک کی تاجپوشی کا واقعہ کس سن میں پیش آیا اس سلسلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے پاس ۲ دو سن ہیں ۔ ۷۸ء اور ۱۲۵ء ۔ ان ۲ دو میں سے ہمیں ایک کا انتخاب کرنا ہے۔ اگرچہ اِن دو کے علاوہ اور خلاف قیاس سنین مثلاً فلیٹؔ نے ۵۸ ق ۔م ۔ آر ۔ سی ۔ مجمدار نے ۲۴۸ء، اور آر ۔ جی

---

[1] بہرحال فلیٹؔ کی رائے ہے کہ دونوں کدفیس، کنشک اور اس کے فوراً بعد کے جانشینوں کے بعد ہوئے (جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۰۳ء، ۱۹۰۵ء، ۱۹۱۳ء)۔ یہی رائے کینیڈی اور آٹو فرینکے نے ظاہر کی ہے۔

بھنڈارکر نے ۷۸ء تجویز کیے ہیں لیکن بجائے اس کہ ہم اس مقام پر ان پیچیدہ اور طویل مباحث کی تفصیلات میں الجھیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس نظریے کو تسلیم کرلیں کہ کنشک اس سمبت کا بانی تھا جو ۷۸ء سے شروع ہوا۔[1] اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس نے ایک سمبت کی ابتدا کی، کیونکہ اس کے جانشینوں نے بھی اسی سمبت کو جاری رکھا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ شمالی ہند میں ہم کسی ایسے سمبت کا علم نہیں رکھتے جس کی ابتدا دوسری صدی عیسوی کے ربع اول کے آخر میں ہوئی ہو، یعنی وہ تاریخ جو کنشک کی تاجپوشی کے سال کی عام طور پر تجویز کی گئی ہے۔[2] اس کے علاوہ اگر کجول کدفیز کا انتقال پہلی صدی عیسوی کے ربع سوم کے درمیان میں ہوا تو کنشک کو رس تاریخ سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ویم کدفیز نے جو اسی سال بعد برسر اقتدار آیا ضرور بہت تھوڑے عرصے حکومت کی۔

فتوحات

کنشک ایک بڑا رعب و دبدبہ والا جنگ آزمودہ سپاہی تھا اور میدان جنگ میں اُسے بہت سی کامیابیاں نصیب ہوئی تھیں۔ اس نے کشمیر کشن سلطنت میں شامل کرلیا۔ یہ دلفریب وادی اسے بے حد پسند تھی۔ چینی اور تبتی کتابوں میں جو روایات آج تک محفوظ ہیں اگر اُن کا ذرا بھی اعتبار کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ کنشک کی فوجیں ساکیت اور مگدھ تک پہنچ گئی تھیں جہاں سے وہ اپنے ساتھ مشہور و معروف بدھ بھکشو کو لایا جس کا نام آشو گھوش تھا۔ کنشک نے پارتھی بادشاہ کے حملہ کو بڑی کامیابی کے ساتھ دفع کیا۔ لیکن چینیوں سے اس کی زبردست ٹکریں ہوئیں۔ جن کے نتیجہ میں کاشغر، یارقند اور ختن اس کے ہاتھ آئے۔ سن ۲۳ء میں پہلے ہانُ خاندان

---

[1] ”چونکہ مغربی ہندوستان کے شک راجاؤں نے ایک طویل عرصے تک اس سمبت کو استعمال کیا“ اس لیے بعد میں اس نظام سنوات کو شک سمبت سے تعبیر کیا گیا۔

[2] کنشک کے سن پر بحث کے لیے ملاحظہ ہو جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۹۱۲، ۱۹۱۴ء، نیز انڈین ہسٹری کوارٹرلی، جلد پانچ (۱۹۲۹)۔ صفحہ ۹۔ صفحہ ۸

کے زوال کے وقت تک چینی طاقت وسط ایشیا میں بالکل ختم ہو چکی تھی لیکن نصف صدی بعد چینیوں نے اپنا کھویا ہوا اقتدار پھر سے حاصل کرنے کی کوشش کی اور پان چاؤ نامی سپہ سالار کی ماتحتی میں استقلال کے ساتھ مغرب کی جانب بڑھنا شروع کیا، کشن بادشاہ کے لیے یہ بات تشویشناک تھی۔ چنانچہ چینی شہنشاہ سے برابری جتانے کے لیے اس نے ایک چینی شہزادی کو شادی کا پیغام دیا اور دیوپتر (خدا کا بیٹا) لقب اختیار کرلیا۔ پان چاؤ نے شادی کے اس پیغام کو اپنے بادشاہ کے لیے باعث ہتک سمجھا اور کشن سفیر کو قید کرلیا۔ اس کے بعد کنشک نے اس کا مقابلہ کرنے کی غرض سے پامیر کو پار کیا۔ اس مقابلہ میں اُسے شکست ہوگئی، اس لیے اس نے چینی شہنشاہ کو خراج دینے کا وعدہ کرکے صلح کرلی۔ لیکن چند سال بعد ہی کنشک نے پامیر کے اُس پار ایک اور مہم کی قیادت کی۔ اس بار پان ینگ کے مقابلہ میں جو پان چاؤ کا بیٹا تھا اُسے فتح نصیب ہوئی۔ کشن حکمراں نے اس طرح اپنی سابقہ شکست کی تلافی کرلی اور چین کی ایک باجگذار ریاست کو یرغمال دینے پر مجبور کر دیا۔

یرغمال

یہ خیال بے بنیاد معلوم ہوتا ہے کہ ہان شہنشاہ نے یرغمال کے طور پر اپنے بیٹے کو بھیجا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اُن لوگوں کی جو بطور یرغمال یہاں آئے تھے کافی خاطر مدارات کی گئی اور ان کے قیام و طعام کے لیے معقول انتظامات کیے گئے تھے ان کی جائے قیام موسموں کے لحاظ سے بدلتی رہتی تھی۔ کچھ عرصے انھیں کپشا (کافرستان) کی شی لوک خانقاہ میں رکھا جاتا تھا، کبھی گندھار میں اور کبھی مشرقی پنجاب میں چین بھکتی کے مقام پر۔ کہتے ہیں کہ آڑو اور ناسپاتی کو یہاں انھوں نے ہی رواج دیا۔ کپشا کی خانقاہ میں ان کی یادگار کو یوان چوانگ کے وقت تک برقرار رکھا گیا۔ یوان چوانگ کا سوانح نگار ہوئی لی کہتا ہے کہ انھوں نے شی لوک خانقاہ کی مرمت اور کفالت کے لیے زر کثیر دیا تھا۔ یہ خزانہ ویش رون "عالی حوصلہ بادشاہ" کی مورتی کے قدموں کے نیچے دفن کر دیا گیا تھا۔ ایک مرتبہ کسی مریض بادشاہ نے اس خزانے کو نکالنے کی کوشش کی، لیکن بدشگونی کے خوف سے وہ اپنا ارادہ پورا نہ کر سکا۔ بعض کا دعویٰ ہے کہ یوآن چوانگ بہرحال "محافظ روح" کو راضی کرنے کے بعد اس ارادہ میں کامیاب ہوگیا، اور جواہرات کا کچھ حصہ اور سونا

وِہار کی مرمت پر صَرف کر دیا گیا۔ باقی ماندہ خزانہ آئندہ اخراجات کے لیے وہیں چھوڑ دیا گیا[1]

کنشک کے حدودِ سلطنت

کنشک نے ایک وسیع و عریض سلطنت پر حکمرانی کی۔ ہندوستان سے باہر اس کی سلطنت میں افغانستان، باختر، کاشغر، ختن اور یارقند شامل تھے۔ ہندوستان سے باہر اس کی سلطنت کے حدود کا قطعیت کے ساتھ تعین کرنا ذرا مشکل ہے۔ کنشک کے عہدِ حکومت کے کتبے پشاور، مانک یال (راولپنڈی کے قریب[2])، سوئی وہار (ریاست بھاولپور[3])، زیدا (اٹک کے قریب) متھرا سراوستی کوسمبی، اور سارناتھ میں دستیاب ہوئے ہیں؛ اور اس کے سکے بہار اور بنگال کو شامل کر کے تمام شمالی ہندوستان میں پائے گئے ہیں چنانچہ ان تمام مقاماتِ دریافت سے، نیز فتوحات کی روایات سے، ظاہر ہوتا ہے کہ کنشک کے ہندوستانی مقبوضات میں پنجاب، کشمیر، سندھ، اتر پردیش، اور شاید اس سے بھی آگے مشرق اور جنوب کے علاقے شامل تھے۔

اس کا دارالسلطنت

ان تمام دور و دراز مقبوضات کا دارالسلطنت پُروش پور یا پشاور تھا۔ یہاں سے اُس شاہراہ پر اس کا قابو تھا جو افغانستان سے سندھ کے میدانوں تک جاتی تھی اور اور اس وجہ سے اس کی اہمیت فوجی نقطۂ نظر سے بھی بہت زیادہ تھی

اُس کے سَتْرپ

کنشک کے انتظام حکومت کے بارے میں ہماری معلومات بہت کم ہے۔ البتہ کتبہ

---

[1] لائف، ص۵۶۔ ص۵۸؛ ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، ص۲۸۰۔ [2] موازنہ کریں مہاراجہ کیشک (کنشک) کے دورِ حکومت کے مانک یال کتبے مورخہ سن ۱۸ سے کارپس انسکرپشنم انڈ کارم، ج۲، حصہ اول نمبر چھتر ۷۶، ص۱۴۵ ۱۵۰ سے موازنہ کریں۔ [3] مہاراجہ راجہ دیوپتر کنشک کے دورِ حکومت کے سوئی وہار کتبے مورخہ سن ۱۱ سے، (ایضاً، نمبر چھتر ۷۶، ص۱۳۸ ص۱۴۱)

سارناتھ مورخہ سن ۳ یا ۱۸۱ ۶ [1] سے ہمیں اس کے صوبائی انتظام کی ایک جھلک ضرور دکھائی دیتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کھار پلاّن غالباً متھرا کا مہاکشترپ تھا اور وَنَسپَر بنارس میں شترپ کی حیثیت سے مشرقی علاقے کا حاکم تھا۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ مملکت کے دوسرے علاقوں میں بھی حکومت کا نظام اسی نمونہ کا تھا اور اس قیاس میں کافی معقولیت معلوم ہوتی ہے۔

کنشک کے رفاہ عام کے کام

اشوک کی طرح کنشک بھی فن معماری کا عظیم سرپرست تھا اور کئی استوپوں اور شہروں کی تعمیر اس سے منسوب ہے۔ اس نے اپنے دارالسلطنت میں بُدھا کے تبرکات محفوظ کرنے کے لیے ایک خانقاہ اور لکڑی کا ایک مینار تعمیر کرایا۔ [2] کچھ سال ہوئے پشاور میں زمین کے اندر سے ہڈیوں کے کچھ باقیات ایک صندوقچی میں رکھے ہوئے برآمد ہوئے ہیں اس پر جو کتبہ [3] ہے اس سے یہ دلچسپ معلومات فراہم ہوئی ہے کہ استوپ ایک یونانی معمار اَگیشَل یا اگیسیَ لاؤسُ کی نگرانی میں تعمیر ہوا تھا۔ کنشک نے ٹکسیلا کے قریب ایک شہر بھی آباد کیا تھا [4] کانِس پور (کنشکپور) کی بنیاد بھی اسی کی مرہون منت ہے جس کا ذکر راج ترنگنی میں آیا ہے [5]

---

[1] کچھ عرصے پہلے خیال تھا کہ یہ کنشک کا سب سے پہلا کتبہ ہے۔ لیکن چند سال ہوئے ایک اور کتبہ، جو اس کے عہد حکومت کے دوسرے سال کا ہے، غالباً کوسمبی سے دریافت ہوا ہے۔ اب اسے الہ آباد کے میوزیم میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ [2] چینی زائر سنگ یُن نے "کانی شی کا" یعنی کنشک کے پگوڈا (مخروطی شکل کا معبد) (چیتیہ) کا ذکر کیا ہے۔ (بیل، صفحہ ایک سو تین۔ ایک سو چار، نیز دیکھیں فاہیان کی خو کوڈ کی" باب بارہ، بیل، تبیس اور یوان چوانگ کی سی یو کی، کتاب دوسری، بیل، پہلا، صفحہ ۹۹، ویٹرس، پہلا، صفحہ ۲۰۴ برائے استوپ مد کی۔ پی۔ کیا" یا "کیا۔ نی۔ سی۔ کیا (کنشک) البیرونی نے بھی لکھا ہے کہ پُروشاور کا وہار کنشک نے بنوایا تھا۔ اسی کے نام پر وہ کنِک چیتیہ کہلایا (ذخاؤ" مترجمہ، جلد ۲، صفحہ ۱۱) [3] ملاحظہ ہو اسٹن کونو کا پرس انسکرپشنم انڈ کارم، دوسرا، حصہ اول، نمبر بہتر ۲، صفحہ ۱۳۷ [4] اس کے کھنڈر سیر سکھ میں ملے ہیں۔ [5] بعض عالموں کا خیال ہے کہ اس کی بنیاد ایک دوسرے کنشک نے رکھی جس کا ذکر آرا کے کتبہ میں آیا ہے (دیکھیں آئندہ سطور)

کنشک کا مذہب

سکوں سے کنشک کے مذہبی عقائد کے بارے میں کوئی واضح شہادت دستیاب نہیں ہوتی۔ اگر کوئی بات ثابت ہوتی ہے تو یہ کہ اُس کے عقائد میں رواداری[1] اور خیالات میں ایرانی متھرائی[2] زرتشتی اور ہندو دیوتاؤں کے احترام کا خوشگوار امتزاج پایا جاتا تھا۔ اتفاق سے یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اُن تمام سکوں پر سیجے حروف یونانی حروف میں کندہ ہیں اور ہیراکلیز، سیرآپس، سورج اور چاند کے یونانی نام۔ ہیلیوز اور سلینی، میائرو (سورج)، اتھرو (آگ) ننائید، شیو وغیرہ کی شبیہیں نقش ہیں۔ بعض سکوں پر جن کی تعداد بہت کم ہے، بُدھا (بوڈو) کی شبیہ ملتی ہے جس میں انہیں ہندوستانی انداز میں بیٹھے ہوئے یا یونانی لباس میں کھڑے ہوئے پیش کیا گیا ہے۔ اس کے برخلاف، بدھ مصنفین کا دعویٰ ہے کہ کنشک بدھ مذہب کا پیرو تھا۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ دور گمراہی میں کنشک بھی اشوک کی طرح ظالم و بداعمال تھا اور تعیش کی زندگی گزارتا تھا نیز یہ کہ اس نے اپنے سابقہ گناہوں سے توبہ کی غرض سے شاکیہ مُنی کا مذہب قبول کیا تھا۔ ان کہانیوں کا اصل مقصد ظاہر ہے بدھ مذہب کے لطیف اثرات کو اجاگر کرنا تھا جس میں ادنیٰ دھات کو چمکتے ہوئے سونے میں تبدیل کرنے کی صلاحیت پائی جاتی تھی۔ لیکن یہ دلیل اس حقیقت سے انکار کے لیے کافی نہیں ہے کہ کنشک نے بدھ مذہب اختیار کرلیا تھا۔ بُدھا کے تبرکات کو محفوظ کرنے کے لیے استوپ تعمیر کرنا اور بدھ مذہب کا ایک عظیم الشان اجتماع منعقد کرنا بہرحال ہماری اسی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

بدھ مذہب کا اجتماع

کنشک کا دَورِ حکومت بدھ مذہب کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیوں کہ ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کنشک دینی مسائل میں الجھا تو اس نے اپنے گرد

---

[1] یا، کیا ہم یہ نتیجہ نکالیں کہ سکوں پر ان دیوتاؤں کے نام یہ ظاہر کرتے ہیں کہ کنشک کی وسیع سلطنت میں مختلف مذہبوں کے ماننے والے پائے جاتے تھے۔

[2] آفتاب پرست۔ قدیم یونانی فرقہ جس کے پیرو سورج کے دیوتا کی پرستش کرتے تھے (مترجم)

پارشں وک یا پارشو کی اجازت سے ایک اجتماع (مہاسنگھ) اختلافی مسائل طے کرنے کے لیے منعقد کیا۔ جس میں سروستی وادن مدرسۂ فکر کے ۵۰۰ بھکشوؤں کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ یہ اجتماع کشمیر کی دلفریب وادی میں کنڈل بن کے مقام پر منعقد ہوا[1]۔ اس جلسہ کی تمام کارروائی اور بحث و استدلال واسومتر کی رہنمائی میں ہوا۔ ان کی عدم موجودگی میں صدارت کے فرائض آشوگھوش نے انجام دیئے۔ ان کی کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ وبھاشا شاستر اور بدھ شریعت کی دوسری جامع تفسیریں مرتب ہوگئیں جنھیں "تانبے کی سرخ چادروں" پر کندہ کرایا گیا اور اس کے بعد انھیں سربمہر کرکے ایک استوپ میں محفوظ کر دیا گیا۔ کون جانتا ہے کہ یہ بیش بہا دستاویزات اب بھی وہاں دفن ہوں اور ایک دن آئے کہ کسی خوش نصیب مزدور کا کدال انھیں تاریکی سے روشنی میں لے آئے؟

مہایان کا عروج

کنشک کے سکوں پر دوسرے دیوتاؤں کی طرح بدھا کی شبیہہ کا آنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ بدھ مت اپنے ابتدائی موقف سے دور ہٹ گیا تھا۔ ابتدائی دور کے بدھ مذہب والے اپنے پیشوائے دین کو محض ایک بشر اور زندگی کے سفر میں ایک رہبر سمجھتے تھے۔ اب بدھا نے دیوتا کا بلند و بالا مقام حاصل کرلیا۔ عقیدت مند اپنے عجز و نیاز کے ذریعہ انہیں بہ آسانی حاصل کرسکتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بدھا سے عقیدت ذریعۂ نجات بن گئی۔ یہ واقعہ ہے کہ لوگ تناسخ کے جنجال سے چھٹکارا پانے کے پرانے عقیدے پر بھی قائم رہے لیکن اسی کے ساتھ یہ تصور بھی ابھرنے لگا کہ دنیا کو مصائب سے نجات دلانے کے نئے انسان کو بدھا بننے یا کم از کم بدھا کے درجہ تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ مذہبی رسوم میں طوالت آگئی کیونکہ اس سے عوامی ذوق کی تسکین ہوتی تھی۔ یہ بدلا ہوا مذہب مہایان "بڑی سواری" کہلایا اس کے برخلاف پرانی تعلیمات کا نام ہینَ یانَ یا "چھوٹی سواری" پڑ گیا۔ یہ بات قرین عقل ہے حالانکہ کوئی محکم شہادت ہمارے پاس نہیں ہے کہ مہایان

[1] موازنہ کریں۔ یوآن چوانگ کی "سی۔یو۔کی" سے (بیل پہلا، صفحہ ۱۵۱۔۱۵۶)؛ واٹرس، پہلا صفحہ ۲۷۰۔۲۷۸)۔
ایک دوسرے چینی بیان کے مطابق یہ اجتماع گندھار میں منعقد ہوا۔ اور ایک عالم نے جالندھر تجویز کیا ہے۔ بہیتر اس اجتماع کا حال صرف شمالی ہند کی روایات سے معلوم ہوا ہے۔ لنکا کی تاریخیں اس کا کوئی ذکر نہیں کرتیں۔

فرقہ کنشک کے وقت سے بہت پہلے وجود میں آگیا تھا۔ اس کے وجود میں آنے کا سبب ہوسکتا ہے یہ ہو کہ "بدھ مذہب میں بھکتی کے اثرات سرایت کرنے لگے" یا یہ ہو کہ بدھ مذہب عوام میں زیادہ مقبول ہوا اور عوام ہینَ یان کی خشک مثالیت کے مقابلہ میں مذہبی آزاد خیالی کو ترجیح دیتے تھے نیز یہ کہ ہینَ یان اُن کے اندر عقیدت کا شعلہ بھڑکانے کے لیے ناکافی تھا۔ اس کے علاوہ عین ممکن ہے کہ ہندوستان کے سماج میں غیر ملکی نسلی عناصر کے شامل ہونے اور اُن کی تہذیبوں کے ایک دوسرے پر اثر انداز ہونے کے عمل نے اس نئے فرقہ کی رفتارِ ترقی کو تیز کر دیا ہو۔

گندھارفن

اس نئے مدرسۂ فکر نے فن کے ایک خاص اُسلوب کو جنم دیا۔ بدھ سنگتراشی کے قدیم ترین نمونوں میں، جیسا کہ سانچی اور بھاروت کے باقیات سے ظاہر ہوتا ہے، بدھا کی زندگی سے تعلق رکھنے والی جاتک اور دوسری کہانیوں کے مناظر پیش کیے گئے ہیں لیکن بدھا کا مجسمہ کبھی نہیں بنایا گیا، اُن کی موجودگی کو صرف علامات و نشانات سے ظاہر کیا جاتا تھا۔ جیسے نشانات قدم، بودھی درخت، بیٹھنے کی خالی جگہ، یا چھتری۔ لیکن اس کے بعد سنگتراش کی چہیتی کا محبوب موضوع خود بُدھا بن گئے۔ چونکہ یہ نمونے زیادہ تر گندھارا میں پائے گئے ہیں جس کا صدر مقام پُرش پور تھا اس لیے اس علاقہ کے نام پر یہ "گندھار مکتبۂ فن" کہلایا اور چونکہ جدید بدھ مت سے متعلق موضوعات میں یونانی روش اور ٹکنیک سے کام لیا گیا ہے اس لیے بعض اوقات اس پر یونانی بدھی یا "ہندیونانی" کی چھاپ بھی لگائی گئی ہے۔ چنانچہ لباس میں خاص طور پر یونانی طرز کی تقلید کی گئی ہے اور بدھا کو پیش کرنے میں فن کاروں نے اس قدر آزادی دکھائی ہے کہ اُن کی مورتیاں بہت کچھ اپالو سے مشابہ ہوگئی ہیں۔ بعد ازاں اس عظیم معلم کے چہرہ کا ایک معیار قائم کر لیا گیا اور پھر ہر جگہ اسی کی تقلید ہونے لگی، گندھار سنگتراشی میں گپت عہد والی نفاست اور شان تو نہیں ہے، لیکن وہ کیف و جذب سے یکسر خالی نہیں ہے۔ یہ بات بہرحال بحث طلب ہے کہ متھرا اور امراوتی کا فن گندھار مکتبۂ فن سے کس حد تک متاثر ہوا۔

کنشک کا دربار

روایات بتاتی ہیں کہ بڑے بڑے عالم، دانش ور اور بدھ رہنما مثلاً پارشو، واسومتر

آشوگھوش، ناگارجن، چرک، ماٹری چیٹ وغیرہ کنشک کے دربار کی رونق تھے۔ یہ سب قصے اسی قسم کے ہیں جیسے وکرمادیتہ کے بارے میں بیان کیے جاتے ہیں ان ناموں میں سے پہلے تین ناموں کا ذکر ضرور کنشک کے بدھ اجتماع کے سلسلہ میں آتا ہے، لیکن باقی لوگوں کا کنشک کا معاصر ہونا مشتبہ ہے۔

کنشک کی موت

کنشک کی موت شمالی ہند کے کسی مقام پر اپنی ہی رعایا کے ہاتھوں جو اس کی مسلسل اور پیہم مہموں سے تنگ آگئی تھی، بڑے تشدد آمیز حالات میں واقع ہوئی[1] اس نے ۲۳ سال حکومت کی، لیکن اگر وہ آرا کے کتبہ والے کنشک کے مماثل ہے[2] تو آخری تاریخ جو ہمیں اس کے بارے میں معلوم ہے وہ سن ۴۱ ہے۔ کنشک کی ایک بے سر کی مورتی جو متھرا کے ضلع میں ماٹ نامی مقام سے دریافت ہوئی ہے، ایک غیر فانی یادگار ہے۔

واسشک

کنشک کے جانشینوں کے بارے میں ہماری معلومات بہت ناکافی ہے ــ دو کتبوں سے جو متھرا اور سانچی سے ملے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ واسشک بہرحال انھیں علاقوں پر سن ۲۴ اور ۲۸ میں حکومت کرتا تھا۔ اب تک اس کا کوئی سکہ دستیاب نہیں ہوا اور شاید اس نے کوئی سکہ جاری بھی نہیں کیا۔

ہوشک

اُس سن کے حساب سے جس کا بانی کنشک تھا ہوشک کے عہد کا سلسلہ، سن ۳۱ سے ۶۰

---

[1] انڈین اینٹی کویئریز، جلد بتیس[32]، ۱۹۰۳؛ ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، صفحہ ۲۸۵ ـ صفحہ ۲۸۶،

[2] ملاحظہ ہو اسٹن کونو، کارپس انسکرپشنم انڈیکارم، دوسرا، حصہ اول، نمبر پچاسی[85]، صفحہ ۱۲۶ ـ صفحہ ۱۶۵۔ اس سے موازنہ کریں "مہاراجس راج تراجس دیوپترس رکا، ای (سا) رس وجیشک پترس کنشکس سمبت سرے (ائی) (شا) ای سم ۱۲۰۲۰۔۔۔۔۔" یعنی مہاراجہ تراجہ، دیوپتر کیسر کنشک ولد واجیشک کے عہد حکومت کے اکتالیسویں سال میں"

تک پھیلا ہوا ہے۔ بعض عالموں کی رائے کہ کنشک راج گدی پر واسشک اور ہوشک کے بعد بیٹھا، لیکن یہ رائے مشتبہ ہے، کیونکہ ایک کتبہ میں جو آرا (ضلع پشاور) سے دستیاب ہوا ہے[1] ایک کنشک ابن واجھیشک کا ذکر ہے جس کی حکومت سن ۴۱ میں پورے عروج پر تھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ کون شخصیت ہے؟ یہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو وہ کنشک سے مختلف تھا، یا مماثل، اگر اول الذکر مفروضہ کو صحیح مانا جائے تو وہ یقیناً ہوشک کا معاصر خود مختار راجہ تھا، یا اغلب یہ ہے کہ اس کا نائب السلطنت تھا۔ اس کے برخلاف اگر دونوں کنشک مماثل تھے تو ہمیں یہ فرض کرنا پڑے گا کہ واسشک اور ہوشک دونوں شروع میں کنشک اعظم کے نائب السلطنت تھے، دوسرے یہ کہ واسشک اُس سے پہلے فوت ہوا، تیسرے یہ کہ ہوشک باقاعدہ راجہ سن ۴۱ کے بعد ہوا۔ ان میں جو نظریہ بھی درست ہو ایک بات طے ہے کہ سکے اور کتبے اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ہوشک ایک طاقتور راجہ تھا اور اس نے سلطنت کو بجنسہٖ باقی رکھا۔ اُسے کابل[2]، کشمیر، پنجاب، متھرا اور غالباً مشرقی اُتر پردیش کا فرماں روا تسلیم کیا جاتا تھا، لیکن یہ ثابت کرنے کے لیے کوئی شہادت ہمارے پاس موجود نہیں ہے کہ وادیٔ سندھ کا جنوبی علاقہ اور مشرقی مالوہ بھی کشن سلطنت میں شامل تھے۔
ہوشک کے سکے بہت خوبصورت ہیں۔ راجہ کی شبیہیں اُن پر بہترین بنی ہوئی ہیں اور وہ بڑی کثیر تعداد میں جا بجا پائے گئے ہیں۔ اُن کے نمونے متنوع ہیں اور اُن پر ہراکلیز، سراپس (سراپو) متھرا اور ماؤ، فرو، اسکندھ اور وشاکھ اور دوسرے دیوتاؤں کی نمائندگی کی گئی ہے۔ لیکن بدھا کا نام اور ان کی شبیہیں غائب ہیں۔ ہوشک بہرحال، بدھ مت سے بالکل بے تعلق نہیں تھا، کہتے ہیں کہ اس نے متھرا میں ایک خانقاہ اور مندر تعمیر کرایا۔ اس نے کشمیر میں ایک شہر کی بنیاد رکھی جسے جشک پور، یا ہوشک پور یا موجودہ ہشک پور یا اُسکور (زکور[3]) کہتے ہیں۔

---

[1] اسٹن کونو۔ کارپس انسکرپشنم انڈکارم، دوسرا، ص ۱۶۲ ۔ ص ۱۶۵ نمبر پچاسی ۸۵۔ ایپی گرافیہ انڈکا، سولہ ۱۶، ص ۱۳۰۔ ص ۱۴۵

[2] موازنہ کریں۔ وارڈک (خوات استوپ) کا پیتل کا ظرفی کتبہ جس پر سن ۵۱ مندرج ہے، ایضاً، نمبر چھیاسی ۸۶ ص ۱۶۵ ۔ ص ۱۷۰، ایپی گرافیہ انڈکا، گیارہ، ص ۲۰۲ ۔ ص ۲۱۹

[3] موازنہ کریں۔ راج ترنگنی، کتاب اول، پانچواں، ۱۶۹، ہیوئی لی نے بھی اس سے کیا لو (ہشک پور) کا حوالہ دیا ہے۔ لائف، ص ۶۸

واسودیو

ہوشک کی موت کی بالکل ٹھیک تاریخ غیر یقینی ہے، لیکن ایک کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کنشک کے جاری کردہ سمبت کے مطابق سن ۷۴ میں واسودیو (سکوں والا بازودیو) برسراقتدار تھا۔ ایک دوسری لوحی شہادت کے مطابق اس کے عہد کا آخری سن جس سے ہم واقف ہیں ۹۸ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے ۲۵ سے ۳۰ سال تک حکومت کرنے کا موقع ملا۔ اس کے کتبے صرف متھرا کے علاقے میں پائے گئے ہیں اور سکے پنجاب اور اتر پردیش میں۔ اس لیے ہم بڑی آسانی سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ شمالی مغربی صوبے اور اُن کے ماورا علاقے جو پہلے کشن خاندان کے قبضہ میں تھے، واسودیو کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ اس کے سکوں کی قسموں اور تعداد میں کمی نشاندہی کرتی ہے کہ جس ریاست پر وہ حکومت کرتا تھا وہ کٹ چھٹ کر بہت چھوٹی سی رہ گئی تھی۔ نانیا دیوی کی شبیہہ والے سکے بہت کمیاب ہیں، اس کے برخلاف بہت سے ایسے ہیں جن کے الٹے رُخ پر نندی (بیل) کے ساتھ شیو کی شبیہہ بنی ہوئی ہے۔ ان آخرالذکر قسم کے سکوں سے ثابت ہوتا ہے کہ واسودیو شیومت کا پیرو تھا بہرنہج، اُس کا سنسکرت کا ہندو نام جو وشنو کے ہم معنی ہے ظاہر کرتا ہے کہ کشن خاندان برہمن اثرات سے مبرا و معرا نہیں تھا۔

کشن سلطنت کا زوال

کُشن خاندان کا زوال واسودیو ہی کے زمانے میں شروع ہو گیا۔ جس سلطنت کو کنشک نے اپنی قابلیت سے پرورش کیا تھا اس کا شیرازہ بہت جلد بکھر گیا۔ اس کے حصے بکھرے ہو گئے اور چھوٹے چھوٹے راجاؤں کے ماتحت چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو گئیں۔ ان میں سے بعض راجاؤں کا نام واسودیو تھا، یہ نام ہمیں سکوں سے معلوم ہوئے ہیں جن پر عمودی شکل میں اُن کے ابتدائی حروف یا طغرے کندہ ہیں۔ ڈاکٹر ونسنٹ اسمتھ کی رائے ہے کہ تیسری صدی عیسوی کے اوائل میں "شمالی ہند کے کُشن سکوں کا فارسی روپ" ظاہر کرتا ہے کہ فارسی حملوں کے باعث کشن سلطنت کے زوال کی رفتار تیز تر ہو گئی۔ اُن میں سے ایک حملہ کا ذکر جو ساسانی بادشاہ نے کیا تھا۔ فرشتہ نے بھی کیا ہے [1] کشن سرداُں

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی تباہی کا ایک خاص سبب یہ بھی ہوا کہ ناگ اور دوسرے دیسی خاندان اُبھرنے لگے جنھیں زیر کر کے نتیجہ میں گپت راجاؤں نے شمالی ہندوستان میں ایک زبردست سلطنت کی بنیاد رکھی۔ لیکن کُشن خاندان کی کیدار نامی شاخ نے جو ریاست دادئ کابل اور اس کے ملحقہ علاقہ میں قائم کر لی تھی اس کے نشانات ہونوں کے پانچویں صدی عیسوی میں شدید حملوں کے باوجود نویں صدی عیسوی تک باقی رہے

(۲) "تاریک" وقفہ

کُشن سلطنت کے منتشر ہونے کے بعد ہندوستان کی بیشتر تاریخ پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس تاریکی نے تاریخی واقعات کو ہماری نگاہوں سے اوجھل کر دیا لیکن گپت عہد میں پہنچ کر ہمیں روشنی پھر دکھائی دینے لگتی ہے۔ البتہ تیسری صدی عیسوی میں اور چوتھی صدی کے اوائل میں خاص خاص مناظر اور کرداروں کی جھلک ضرور دکھائی دیتی ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں ناگ قبیلہ یا اس کی بھارشیو نامی شاخ شمالی ہند پر اقتدار رکھتی تھی[۱] پرانوں کی شہادت کے مطابق اُن کی طاقت کے مرکز ودِشا، پدماوتی (پدم پوایا)، کانتی پری (کنتت، ضلع مرزا پور) اور متھرا وغیرہ تھے۔ قدیم ترین ناگ حکمراں ویرسین تھا جسنے متھرا میں ہندو راج از سرنو قائم کیا؛ وہی متھرا جو کبھی پہلے کشن خاندان کا ایک مضبوط مرکز تھا۔ ناگ قبیلہ کی بھارشیو شاخ کی طاقت اور اثرات کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب بھارشیو راجہ بھوناگ کی بیٹی کی شادی پرورسین واکاٹک کے بیٹے کے ساتھ ہوئی تو اس واقعہ کو اتنی اہمیت

پچھلے صفحہ ۲۶۹ کا بقیہ حاشیہ (۱) ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، صفحہ ۲۸۸، ۲۸۹۔ اردشیر بابگان (تقریباً ۲۲۵۔۲۴۱ء) کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ سرہند تک پہنچ گیا تھا، جہاں جونہ پر بھاری خراج لگا کر وہ واپس لوٹ گیا (ایلیٹ د، صفحہ ۲۸۹، حاشیہ ۳)

[۱] ملاحظہ ہو۔ کے۔ پی جیسوال، جرنل آف بنگال اینڈ اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی، مارچ۔ جون، ۱۹۳۳، صفحہ ۳ حاشیہ۔

دی گئی کہ واکاٹکوں کی تمام سرکاری دستاویزات میں اسے دوہرایا گیا، ان دستاویزات سے ہمیں مزید معلوم ہوتا ہے کہ اس ازدواجی رشتہ سے پہلے بھارشیوں نے "اپنی رسم تاجپوشی کے موقع پر اُس بھاگیرتھی (گنگا) کا متبرک پانی استعمال کیا تھا جسے انھوں نے اپنے زور بازو سے حاصل کیا تھا" اور انھوں نے کم سے کم دس آشومیدھ یگیہ کیے تھے[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ طاقت ور حکمراں تھے، اُن کا عروج کشنوں کے بعد ہوا اور ایک طویل عرصے تک اُن کے اثرات باقی رہے ہرناگ حکومت کے آخری دور کی نشاندہی الہ آباد کے ستونی کتبہ سے ہوتی ہے جس میں سمدرگپت کے ہاتھوں گن پتی ناگ کی شکست کا ذکر ہے[2] اس کتبہ سے ہمیں چوتھی صدی عیسوی کے وسط میں ہندوستان کے سیاسی ماحول کا اندازہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ آئندہ صفحات میں ہم دیکھیں گے۔ اس لیے یہ بات قرین قیاس ہے کہ جن شاہی خاندانوں اور خود مختار قبیلوں کا اس میں ذکر ہے وہ ضرور کافی پہلے اقتدار حاصل کر چکے تھے۔ حقیقتاً انھوں نے کشن طاقت کے کھنڈر پر اپنی حکومت کی عمارت تعمیر کی تھی۔

---

[1] فلیٹ، کارپس انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا، ص۲۳۷۔ ص۲۴۱۔ ص۲۴۵، ص۲۴۸۔ موازنہ کریں

"पराक्रमाधिगत भागीथ्यमलजल मुर्द्धाभिषिक्ताना दशाश्वमेधाव भृथस्नाना भारशिवानाम

[2] کارپس انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا، نمبر ایک، ص۱۔ ص۱۷

حصہ سوم

بارھواں باب

گپت خاندان کے شہنشاہ

گپت خاندان کی اصل

جب ہم گپت عہد میں داخل ہوتے ہیں تو ہم عصر کتبوں کی دریافت کے باعث ہماری معلومات کی بنیادیں مضبوط ہو جاتی ہیں اور ہندوستان کی تاریخ میں بڑی حد تک دلچسپی اور تسلسل پیدا ہو جاتا ہے۔ گپت خاندان کی اصل اب تک سربستہ راز بنی رہی ہے لیکن اُن کے ناموں کے آخری کلمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ویشیہ ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ [1] بہرحال اس دلیل کو زیادہ اہمیت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس دلیل کو رد کرنے کے لیے بس ایک مثال کافی ہے کہ ایک مشہور و معروف برہمن منجم کا نام برہم گپت تھا۔ اس کے برخلاف ڈاکٹر جیسوال کی رائے ہے کہ گپت خاندان کے راجہ اصلاً پنجاب سے آئے ہوئے کارسکر جاٹ تھے [2] لیکن ڈاکٹر جیسوال نے جس شہادت پر اعتماد کیا ہے وہ فیصلہ کن نہیں ہے کیونکہ اس کی جو بنیاد ہے یعنی یہ کہ چندر گپت اول کو مدی مہوتسو والے چنڈسین کے مماثل ہے، وہی سرے سے مشتبہ ہے۔

---

[1] موازنہ کریں۔

शर्मादेवश्च विप्रस्य वर्मा त्राता च भूमजः ।
भूतिगुप्तश्च वैश्यस्य दासः शूद्रस्य कारयेत ॥

[2] جرنل آف بہار اینڈ اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی (مارچ۔ جون، ۱۹۳۲ء، ص۱۱۵۔ ص۱۱۶)۔ جیسوال کا کہنا ہے کہ ککر جاٹ "قدیم گپت خاندان کے جدید نمائندہ ہیں"

گپت طاقت کی ابتدا

خاندانی شجروں کی رو سے خاندان کا بانی ایک شخص تھا جس کا نام گپت تھا اُسے مہاراجہ کے سیدھے سادے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک معمولی سردار تھا اور مگدھ میں ایک چھوٹی سی ریاست پر حکومت کرتا تھا۔ اُسے مہاراجہ چے لی کی ٹو (شری گپت) کے مماثل بتایا گیا ہے۔ جس نے آئی سنگ کے بیان کے مطابق چین کے بعض نیک زائرین کے لیے مرگ شکھاؤں کے قریب ایک مندر تعمیر کرایا تھا اور اس کے اخراجات کے لیے معقول وقف بھی کیا تھا۔ آئی سنگ کے دورے کے وقت تک اُس کے آثار باقیہ کو "چین کا مندر" کہا جاتا تھا، گپت کے عہد کا تعین ۲۷۵ سے ۳۰۰ء تک کیا گیا ہے۔ بہرحال آئی سنگ نے لکھا ہے کہ مندر کی عمارت اس کے سفر سے ۵۰۰ سال پہلے تعمیر ہوئی تھی[1] اس بیان سے ان تاریخوں کی تردید ہوتی ہے جو گپت کے عہد کے لیے مندرجہ بالا سطور میں تجویز کی گئی ہیں۔ لیکن آئی سنگ کے بیان کو حرف بحرف تسلیم کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس نے محض وہ قدیم روایات نقل کردی ہیں جو اس نے بزرگوں سے سُنی تھیں[2]

گپت کے بعد تخت و تاج کا مالک اس کا لڑکا گھٹوت کچ ہوا۔ اسے بھی مہاراجہ کے لقب سے یاد کیا گیا ہے حالانکہ یہ نام غریب ہے، لیکن اس خاندان کے جانشینوں میں کئی افراد کا یہی نام تھا[3] اُن کے متعلق ہم تقریباً کچھ بھی نہیں جانتے۔

---

[1] ایلن، کیٹلاگ آف دا کوائینس آف دی گپت ڈائنسٹیز، تمہید پندرہ؛ بیل، جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۸۱، صفحہ ۵۰۵ ، صفحہ ۵۰۷۔ انڈین اینٹی کویریز، دس، صفحہ ۱۱۰ [2] فلیٹ۔ گپت کے ساتھ آئی سنگ کی تجویز کردہ چے لی کی ٹو سے مماثلت کو تسلیم نہیں کرتا۔ (کارپس انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا صفحہ ۸ حاشیہ ۳)۔ ملاحظہ ہو ایلن کیٹلاگ اینڈ کوائینس آف دی گپت ڈائی نیسٹیز، تمہید، صفحہ پندرہ۔ شری گپت نام کتبوں میں آیا ہے۔ لیکن شری نام کا جزو نہیں ہے بلکہ صرف احتراماً استعمال کیا گیا ہے

[3] موازنہ کریں مثلاً ایک ویشالی کی مہر میں آیا ہے۔

"श्रीघटोत्कचगुप्तस्य" (بلاک، آرکیلاجیکل سروے آف انڈیا رپورٹ ۱۹۰۳-۱۹۰۴، صفحہ ۱۰۲)

چندر گپت اول

گھٹوت کچ کے بعد اسکا فرزند چندر گپت اول تخت نشین ہوا۔ اپنے باپ دادا کے برعکس اُس نے ''مہاراجا دِھراج'' کا بلند آہنگ لقب اختیار کیا اور اس جہت سے وہ پہلا بادشاہ تھا جس نے خاندان کی طاقت اور عظمت کو دو بالا کر دیا۔ اُس نے لچھوی راجکماری کمار دیوی سے شادی کی جیسا کہ ''لچھوی دوہتر'' کے لقب سے ثابت ہے جو کتبوں میں سمدر گپت کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اس شادی کی تائید بعض سونے کے سکوں سے بھی ہوتی ہے جن کے سیدھے رُخ پر راجا کی استادہ شبیہہ بنی ہوئی ہے جس میں وہ اپنی رانی کو انگوٹھی یا کنگن پیش کر رہا ہے۔ شبیہہ کے داہنی جانب چندر گپت اور بائیں جانب کمار دیوی یا شری کمار دیوی کے الفاظ کندہ ہیں۔ الٹے رُخ پر لچھویہ کندہ ہے اور دیوی (غالباً سنگھ واہنی دیوی) کو شیر پر بیٹھے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ ایلن کی رائے ہے کہ یہ سکے تمغوں کی قسم کے تھے جو سمدر گپت نے والدین کی یادگار کے طور پر جاری کیے تھے۔[1] لیکن بہت ممکن ہے یہ سکے چندر گپت اول ہی کے جاری کردہ ہوں[2]۔ لچھویوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات کا قیام جو کئی صدیوں تک پردۂ گمنامی میں رہ کر اب یک لخت منصۂ شہود پر آئے تھے، گپت خاندان کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ونسنٹ اسمتھ کی رائے ہے کہ اس ازدواجی رشتے کے نتیجہ میں چندر گپت اول کو وہ تمام مقبوضات ورثہ میں ملے جن پر پہلے اس کی بیوی کے اعزا قابض و متصرف تھے[3] اور اسی سلسلہ میں پاٹلی پتر اس کے قبضہ میں آگیا لیکن یہ رائے قابل قیاس نہیں ہے کیونکہ آئی سنگ کی شہادت کے مطابق یہ شہر مہاراجہ گپت کے مقبوضات میں پہلے سے شامل تھا۔ یہ بات بھی کافی مشتبہ ہے کہ اس شادی کے نتیجہ میں چندر گپت اول کے قبضہ میں ویشالی آیا جو لچھویوں کی راجدھانی تھا۔ بہرصورت پرانوں کی ایک مشہور عبارت ثابت کرتی ہے کہ چندر گپت کی

---

[1] کیٹلاگ اینڈ کوائینس آف دی گپت ڈائنیسٹی، تمہید، صہ ابتدا
[2] جرنل آف ایشاٹک سوسائٹی آف بنگال، مسکوکاتی ضمیمہ نمبر سرشتہ، جلد تیسری (۱۹۱۷)، صہ ۱۰۵
[3] ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن صہ ۲۹۵۔ صہ ۲۹۶

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حکومت میں جنوبی بہار، پریاگ، ساکیت، اور ملحقہ اضلاع شامل تھے ؎۱

چندر گپت اول نے ۳۲۰ء سے تقریباً ۳۳۵ء تک حکومت کی ؎۲ اس کی تاجپوشی سے جس سمبت کی ابتدا ہوئی اس کا سلسلہ اس کے جانشینوں نے بھی جاری رکھا اس سمبت کا پہلا سال ۲۶ ر فروری سن ۳۲۰ء سے شروع ہوا اور ۱۵ مارچ سن ۳۲۱ء کو ختم ہوا۔

سمدر گپت

چندر گپت اول کے بعد اس کا لڑکا سمدر گپت سریر آرائے سلطنت ہوا۔ چوں کہ سمدر گپت کو باپ نے اپنی زندگی ہی میں نامزد کر دیا تھا، اس لیے ہو سکتا ہے وہ اس کا سب سے بڑا لڑکا نہ ہو۔ لیکن جو کچھ بھی ہو سمدر گپت گپت راجاؤں میں سب سے قابل حکمراں ثابت ہوا اور اپنی فتوحات سے اس نے اپنے باپ کے انتخاب کو حق بجانب ثابت کر دیا۔ ؎۳ اشوک کے برعکس جو امن وصلح کا حامی تھا، سمدر گپت نے جنگ اور فتوحات کی پالیسی اختیار کی۔ اس طرح سمدر گپت اشوک کی ضد تھا۔

الہ آباد کا ستونی کتبہ

سمدر گپت کے کارناموں کو درباری شاعر ہری سین نے اپنے ایک باقاعدہ

(حاشیہ بقایا صفحہ گذشتہ) ؎۱ موازنہ کریں۔ अनुगङ्ग प्रयाग च साकेत मगधांस्तथा । एतान जनपदान सर्वान भोक्ष्यन्ते गुप्तवंशजा ॥

؎۲ بہر حال۔ اگر نالندا کی تختیاں (ایپی گرافیہ انڈکا، پچیسواں ص ۵۔ ص ۵۲) اور سمدر گپت کی گیا والی تختی جن پر علی الترتیب سن ۵ اور ۹ پڑھے ہوئے ہیں، اصلی ہیں اور اگر ان سے گپت سن مراد ہے تو چندر گپت اول کا دور حکومت اس سے بھی مختصر ہو جائے گا۔ ؎۳ کاچ کے کچھ سونے کے سکے دستیاب ہوئے ہیں جو سمدر گپت کے جاری کردہ سکوں سے بہت مشابہ ہیں۔ ونسنٹ اسمتھ کا خیال ہے کہ کاچ، سمدر گپت کا حریف بھائی تھا۔ (ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، ص ۲۹۷، حاشیہ ۱) لیکن ہماری رائے میں "سرو راجوچ چھیتر" کے الفاظ جو سکوں کے الٹے رخ پر کندہ ہیں وہ مماثلت کے حق میں ثبوت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کاچ اصلی شخصی نام تھا اور سمدر گپت کا لقب اس کی فتوحات کی طرف کنایہ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ اس کے برخلاف ڈاکٹر بھنڈارکر کی رائے ہے کہ کاچ (رام) کے سکے رام گپت کے جاری کردہ تھے (مالویہ جی کمیوریشن والیوم ۱۹۳۲ء ص ۲۰۲ الف)

قصیدہ کا موضوع قرار دیا ہے۔ لیکن عجیب تر بات یہ ہے خود سمدر گپت نے اپنی خون آشام فتوحات کی لافانی یادگار قائم کرنے کی غرض سے اس مقام کا انتخاب کیا جس کے قریب اشوک کا ستون اپنے تمام تر اخلاقی پند و نصائح کے ساتھ الہ آباد کے قلعہ میں آج تک موجود ہے۔ بدقسمتی سے اس کتبہ پر تاریخ نہیں ہے لیکن وہ یقیناً کوئی بعد مرگ دستاویز نہیں ہے جیسا کہ فلیٹ نے قیاس کیا ہے[1]۔ ۳۶۰ء کے قرب وجوار میں وہ ضرور کندہ ہو چکا تھا گویا سمدر گپت کی دگ وجے" کے بعد لیکن آشو میدھ یگیہ سے پہلے جس کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

سمدر گپت کی فتوحات

سمدر گپت کے متعلق جتنا مواد ہمارے پاس موجود ہے اس میں جغرافیائی ترتیب تو ہے لیکن تاریخی تسلسل کا فقدان ہے۔[2] پھر بھی ہمارے اس قیاس میں کافی معقولیت ہے کہ سمدر گپت نے پہلے اپنے پڑوسیوں یعنی آریہ ورت کے راجاؤں سے زور آزمائی کی۔ اس معاملہ میں اس نے بڑی بے دردی کے ساتھ توسیع سلطنت کی پالیسی پر عمل کیا۔ کہتے ہیں کہ اُس نے حسب ذیل نو راجاؤں کا "بڑے جبر و تشدد کے ساتھ استیصال کیا"[3]:

(۱) رودر دیو (رودر سین اول واکاٹک؟)

(۲) متل، جسے بلند شہر کی مہر والے متل کے مماثل بتایا گیا ہے

(۳) ناگ دت، غالباً کوئی ناگ راجہ

(۴) چندر ورمن: اس کی مماثلت غیر یقینی ہے۔ بعض نے اسے سوسونیا کے

---

[1] ایضاً، صہ۲، صہ۱۰ اور حاشیہ نمبر ۲۔ اس عبارت (سطر ۲۹-۳۰) میں صرف اتنا ذکر ہے کہ سمدر گپت کی شہرت دیوتاؤں کے مالک (اندر) کے مسکن تک پہنچ گئی تھی، [2] ان ناموں کی مماثلت کے لیے ملاحظہ ہو فلیٹ، ایضاً، حاشیے؛ ایلن، کیٹلاگ اینڈ کوائینس آف گپت ڈائینیٹیز تمہید صہ۲۱، صہ۳۰؛ اسمتھ، جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۸۹۷ء، صہ۸۵۹-۸۰، صہ۱۹ ڈبرویل، اینشنٹ ہسٹری آف دکن صہ۸۵، صہ۹۱۔ رائے چودھری، پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا، چوتھا اڈیشن، صہ۴۴۲، صہ۴۲۶۔ ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر انڈین ہسٹری کوارٹرلی، پہلا۔ دوسرا صہ۲۵۰، صہ۲۶۰؛ جی رام داس، ایضاً، پہلا۔ چوتھا صہ۶۷۹ حاشیہ؛ کے این ڈکشٹ، پروسی ڈنگس آف گزٹ اورنیٹل کانفرنس پہلا صہ۱۲۴، جیسوال، جرنل آف بہار اینڈ اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی مارچ۔ جون ۱۹۳۳ صہ۱۴۳ حاشیہ۔

چٹانی کتبہ والے پوکھرن کا ہمنام بتایا ہے[1] بعض اس کے قائل ہیں کہ چندر ورمن مہرولی کے آہنی ستون والے کتبہ کے راجہ چندر کے مماثل ہے (فلیٹ کا نمبر ۳۲)۔ لیکن اس رائے کو مشتبہ اور خلاف قیاس قرار دیا گیا ہے۔

(۵) گن پتی ناگ، پدماوتی (ریاست گوالیار میں نَترور کے قریب موجودہ پدم پَویا) کا ناگ حکمراں۔

(۶) ناگ سین }
(۷) نندن } غالباً یہ دونوں بھی نسباً ناگ تھے۔

(۸) اَچ یُوتَ: اسے اُن سکّوں والے "اَچ یُو" کے مماثل بتایا گیا ہے جو ضلع بریلی میں اہچ چھتر (رام نگر) سے دستیاب ہوئے ہیں۔

(۹) بلَ ورمن: جسے اب تک شناخت نہیں کیا جا سکا ہے۔[2]

اس کے بعد سمدرگپت نے اپنی فوجوں کا رُخ "دو جنگلی ملکوں کے راجاؤں" کی طرف موڑ دیا جنھیں اس نے اپنی اطاعت قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ ان کے مقبوضات وسط ہندوستان میں واقع تھے۔

سمدرگپت نے پھر دکشناپتھ کے راجاؤں کو زیر کرنے کی مشکل مہم کا بیڑا اٹھایا۔ اُن سب کو اس نے شکست دی اور قید کر لیا۔ لیکن فاتح نے انھیں رہا کر دیا اور اُن کے علاقوں میں انھیں بحال رکھا۔ اس طرح اس نے اپنی اُولوالعزمی کے ذریعہ ان سے اطاعت قبول کروالی۔ یہ حکمراں حسب ذیل تھے۔

---

[1] ایپی گرافیہ انڈکا، بارھواں، ص۳۱۸، پروسی ڈنگس آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۸۹۵ء، ص۱۷۷ حاشیہ۔

[2] ڈاکٹر جیسوال کے خیال میں "کلیان ورمن۔ حاکم پاٹلی پتر کا دوسرا یا اُبھی شیک رتا جیوشی کا) نام بل ورمن تھا جس کا ذکر کومدی مہوتسو میں آیا ہے (لیکن الہ آباد کے ستونی کتبہ کے "ساتویں شلوک میں اسے بغیر نام کے چھوڑ دیا گیا ہے۔ (جرنل آف بہار اینڈ بنگال ریسرچ سوسائٹی، مارچ جون ۱۹۳۳، ص۱۲۲) مسٹر کے این ڈکشت (رپورٹ وسیڈنگس آف فرسٹ اورینٹل کانفرنس، ۱۹۲۰، جلد ایک، ص۱۲۴) بہرحال، بل ورمن کو آسام کے بھاسکر ورمن کے مورث کے مماثل قرار دیتے ہیں جس کا ذکر ندھن پور کے کتبہ میں آیا ہے (ایپی گرافیہ انڈکا، بارھواں، ص۶۳، ص۶۶)

(۱) کوشل کا مہیندر (مہا کوشل یا بلاس پور کے اضلاع، رائے پور اور سنبھل پور)
(۲) مہا کانتار کا ویاگھر راج (غالباً گونڈوانا کا جنگلی خطہ ؎۱)
(۳) کورال کا منت راج (جنوبی ہندوستان میں کوراڈ، یا سون پور کا علاقہ، جس کی راجدھانی مہاندی پر بیاتی نگری تھی)
(۴) پشٹ پور کا مہیندر (گوداوری کے ضلع میں موجودہ پٹھا پورم)
(۵) پہاڑی پر کوٹ تورڑ کا سوامی دت (ضلع گنجم میں کوٹھور)۔ ایک دوسری تشریح کے مطابق یہ عبارت "پشٹ پورک مہیندر گری کوٹ ٹورک سوامی دتہ" ظاہر کرتی ہے کہ "سوامی دت کا صدر مقام مہیندر گری کے قریب پشت پور اور کوٹ ٹور میں تھا
(۶) ارنڈ پل کا ڈمن (ضلع گنجم میں چکاکول کے قریب ارنڈ پلی)
(۷) کانچی کا وشنو گوپ (مدراس کے قریب کن جی ورم)
(۸) اومکت کا نیل راج: ہاتھی گپھا کا کتبہ ظاہر کرتا ہے کہ گوداوری کے قریب پتھونڈ او قبیلہ کی راجدھانی تھا۔
(۹) وینگی (ایلورا میں پیڈ ویگی) کا ہستی ورمن
(۱۰) پالک (ضلع نیلور کا اگر سین
(۱۱) دیوراشٹر (ضلع وزاگا پٹم میں یلّ ما نچلی) کا کبیر
(۱۲) کستھل پور (شمالی ارکاٹ میں کٹالور) کا دھنان جیہ۔

مندرجہ بالا شناختوں کے مطابق معلوم ہوتا ہے سمدر گپت کی مہمیں دکن کے مشرقی ساحل تک محدود رہیں۔ بہرحال، پروفیسر جو وپوڈ بریوئل کی اس رائے کی تائید میں ایک شہادت بھی نہیں ہے کہ حملہ آور نے کانچی کے وشنو گوپ کی قیادت میں جنوبی ہند کے راجاؤں کی متحدہ فوج سے شکست کھائی اور ایک دم بڑی تیزی کے ساتھ وطن لوٹنے پر مجبور ہوگیا ؎۲

؎۱ ڈاکٹر رائے چودھری کا خیال ہے کہ مہا کان تارا "وسط ہند کے ایک جنگلی خطے کے مماثل ہے جس میں غالباً جاسو ریاست، شامل تھی، (پولیٹیکل ہسٹری آف انشینٹ انڈیا، چوتھا اڈیشن، صفحہ ۴۵۲) جی۔ رام داس بہرحال، اس کی مماثلت گنجم اور وزاگا پٹم کے خطوں سے قائم کرتے ہیں (انڈین ہسٹری کوارٹرلی پہلا حصہ، صفحہ ۶۷۹)

؎۲ اینشنٹ ہسٹری آف دی دکن (۱۹۲۰ء)، صفحہ ۱۱

اس کے برخلاف اگر ہم اُن توجیہات کو تسلیم کریں جو فلیٹ اور اسمتھ نے پیش کی ہیں یعنی یہ کہ کوُرَل اِرنڈپلّ، پالک، اور دیو راشٹر، علی الترتیب، کیرَلَ (ساحل مالا بار)، خاندیش میں ایرَن ڈوَلّ، پال گھاٹ یا پالک کاڈو، اور مہاراشٹر کے مماثل ہیں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ سمدر گپت انتہائی جنوب میں چیرا ریاست تک پہنچ گیا اور وہاں سے مہاراشٹر اور خاندیش کے راستہ سے اپنی راجدھانی کو واپس لوٹا۔

سمدر گپت کی فوجی سرگرمیوں نے سرحدی قبیلوں اور اُن کے راجاؤں کو خوف زدہ کر دیا۔" انھوں نے ہر قسم کے محصول اُسے ادا کیے، عہد وفاداری کیا اور جبراً و قہراً اس کے احکامات کی تعمیل کی"۔ وہ سرحدی ریاستیں (پرت یَنت) یہ تھیں:۔

(۱) سَم تَٹ (جنوب مشرقی بنگال اس کی راجدھانی کومِلا کے قریب کرَمانتَ یا بڑکمت تھا)

(۲) دَواک (ڈھاکہ، یا چٹاگانگ اور تِپرّا کے پہاڑی خطے۔ ونسنٹ اسمتھ نے، بہرحال، اسے موجودہ ضلع بوگرا، دنیاج پور اور راج شاہی کے مماثل قرار دیا ہے اور مسٹر کے۔ ایل۔ بیروا نے آسام میں وادیٔ کوپلیٔ کے مماثل قرار دیا ہے

(۳) کام روپ (آسام)

(۴) نیپالَ (نیپال)

(۵) کرتر پور (موازنہ کریں کتور یا راج کمایوں گڑھوال اور ضلع روہیلکھنڈ[1] سے یا جالندھر کے ضلع میں کرتر پور سے جیسا کہ فلیٹ اور ایلن نے تجویز کیا ہے۔)

وہ قبیلے جنھوں نے ازخود سمدر گپت کی اطاعت قبول کی حسب ذیل تھے:۔

(۱) مالو: یہ کلاسکی مصنفین والے ملّوئی قبیلہ کے مماثل ہیں۔ پہلی صدی عیسوی کے آخر تک وہ پنجاب سے ہجرت کر کے راجپوتانہ آگئے اور نتیجہ میں اُس علاقہ میں آباد ہو گئے جو انھیں کے نام پر آج مالوہ کہلاتا ہے۔

(۲) آرجونا ین: یہ قبیلہ غالباً جے پور کے مشرقی حصہ اور ریاست الور میں آباد ہو گیا۔

(۳) یودھیۓ: یہ لوگ شمالی راجپوتانہ میں بس گئے تھے۔ اُن کا نام جوہیاوار کی صورت میں آج تک باقی ہے۔ یعنی وہ خطہ جو ریاست بھاولپور کی سرحد پر واقع تھا۔

---

[1] جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۸۹۸ء، ص ۱۹۵۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۴) مدرک: یہ قبیلہ یودھیاؤں کے شمال میں آباد تھا اور سائل یا سیالکوٹ ان کی راجدھانی تھا۔

(۵) ابھیر: ان کا علاقہ وسط ہند میں دریائے پاروتی اور بیتوا کے مابین واقع تھا[۱]۔

(۶) پرآرجن: اُن کی حکومت کا مرکز مدھیہ پردیش میں نرسنگ پور یا نرسنگرھ تھا۔

(۷) سنکانیک: یہ بھیلسہ کے قریب آباد تھے۔ اُدے گری کے ایک کتبہ میں (فلیٹ کا نمبر ۳) سنکانیک قبیلہ کی ایک ریاست کا ذکر ہے جو چندر گپت دوم کے جاگیردار کی حیثیت رکھتی تھی۔

(۸) کاک: یہ لوگ سنکانیکوں کے پڑوسی تھے۔

(۹) کھرپرک: غالباً یہ قبیلہ مدھیہ پردیش کے ضلع دموہ میں سکونت رکھتا تھا۔ اور جیسا کہ ڈاکٹر ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر نے لکھا ہے[۲] تیہنہ گڑھ کے کتبہ والے کھرپروں کے مماثل تھا[۳]۔

فتوحات کی قسمیں

مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سمدر گپت کی فتوحات کی کئی قسمیں تھیں۔ پہلی قسم وہ تھی جس میں اس نے ریاستوں کی بالکل جڑیں اکھاڑ دیں اور انھیں اپنی سلطنت میں باقاعدہ شامل کرلیا۔ دوسری قسم میں وہ راجا تھے جنھیں اس نے تسخیر کیا، قید کرلیا اور بعد میں جب انھوں نے اس کی اطاعت قبول کرلی تو انھیں آزاد کردیا۔ تیسری قسم ان سرحدی راجاؤں اور قبیلوں کی تھی جو اس کی فتوحات سے مرعوب ہوگئے اور برضا و رغبت اطاعت

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) ریاست بھرت پور میں بیانہ کے قریب بجے گڑھ کے مقام پر جو کتبہ دریافت ہوا ہے اس میں یودھیاؤں کا ذکر موجود ہے۔ برہت سلحصتا مصنف آر جا مٹینوں اور یودھیاؤں دونوں کو شمالی ہند کا باشندہ قرار دیتا ہے) [۱] بعض عالم بہر حال، سوراشٹرا اور گجرات کو ابھیروں کا مسکن قرار دیتے ہیں، کیونکہ ان کا ذکر کشترپ کتبوں میں اکثر آیا ہے [۲] انڈین ہسٹری کوارٹرلی، پہلا (۱۹۲۵) ص ۲۵۸ [۳] ایپی گرافیہ انڈیکا، بارھواں، ص ۴۶، ص ۴۷، پانچواں، ۵

قبول کی۔

غیر ملکی حکومتوں سے تعلقات

چنانچہ سمدر گپت ایک وسیع و عریض سلطنت کا مالک بن گیا، لیکن حدودِ سلطنت کے ماورا غیر ملکی فرماں روا بھی تھے جو اس سے خوشگوار تعلقات قائم کرنے کے آرزو مند تھے۔ ایک چینی ماخذ سے[1] ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سیلونی معاصر میگھ ورن یا میگھ وآن (۳۵۲ء۔ ۳۷۹ء) نے دو بھکشوؤں کو دھرم یاترا کے لیے بودھ گیا بھیجا۔ یہ بھکشو جب وہاں پہنچے تو اُن کے ساتھ کچھ بے توجہی برتی گئی۔ واپسی پر انھوں نے اپنے راجا سے شکایت کی کہ وہاں انھیں رہنے کے لیے جگہ تک نہ مل سکی۔ اس کے بعد میگھ وآن نے ایک باقاعدہ سفارت قیمتی تحفوں کے ساتھ سمدر گپت کے دربار میں بھیجی اور اس متبرک سرزمین پر سیلونی زائرین کے لیے ایک خانقاہ تعمیر کرنے کی اجازت طلب کی۔ واقعہ یہ ہے کہ مطلوبہ اجازت مل گئی اور بہت جلد وہاں ایک عظیم الشان عمارت کھڑی ہو گئی، جو یوان چوانگ کے وقت تک مہا بودھی سنگھا رام کہلاتی تھی۔

الہ آباد کے ستونی فرمان سے مزید معلوم ہوتا ہے کہ دیو تیر شاہی شاہا نو شاہی شک مرنڈوں، نیز سنہل اور دوسرے جزیروں[2] کے باشندوں نے ہتھیار ڈال دیے اور دوشیزائیں تحفہ میں بھیج کر صلح خریدی اور فرمان حاصل کیے جن پر گرڈ مہر لگی ہوئی تھی۔ ان فرامین کے ذریعہ اپنے اپنے علاقہ میں انھیں بحال رکھا گیا تھا، اگرچہ اس قسم کے دعوؤں میں مبالغہ کی رنگ آمیزی پائی جاتی ہے پھر بھی اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ مندرجہ بالا حکومتیں سمدر گپت کی روزافزوں شہرت اور اثرات سے حد درجہ مرعوب تھیں اور اس لیے انھوں نے اس کی دوستی اور

---

[1] موازنہ کریں۔

"देवपत्रशाहिशाहनुशीदृशकमुरुण्डैः सैंहलकादिभिश्च सर्वद्वीपवासिभिरात्म निवेदनकन्योपाजनदानगरुत्मदङ्क स्वविषय भुक्तिशासना चनाद्योपाय सेवाकृतबाहुवीर्य प्रसरधरणि बन्धस्य..."

[2] کیا دوسرے جزیروں کے باشندوں سے مراد ملایا آرچیلاگو کے لوگوں سے ہے؟

ہمدردی حاصل کرنے ہی میں عقلمندی سمجھی۔ ظاہر ہے یہ سب کشنوں اور شکوں کے ورثا تھے جو کبھی پہلے ہندوستان کے بڑے حصہ پر قابض و متصرف تھے۔ بہرحال انھیں قطعی طور پر یہ کہنا کہ وہ کون تھے یا اُن کے سنسکرت کے مرکب الفاظ کا تجزیہ کرنا ایک انتہائی مشکل کام ہے۔ "دیوپتر شاہی شاہانو شاہی" کا لقب اصلاً کشن خاندان کے عظیم شہنشاہ اپنے لیے استعمال کیا کرتے تھے لیکن زوال کے بعد سلطنت کے جب حصے بکھرے ہوئے تو چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے راجاؤں نے اس لقب کو بھی حسب حیثیت آپس میں تقسیم کر لیا۔ چنانچہ دیوپتر کا مسکن غالباً پنجاب تھا اور شاہی یا شاہی شاہانو شاہی افغانستان اور ملحقہ علاقوں میں حکومت کر رہا تھا۔ اسی طرح شک مُرُنڈ کی اصطلاح [1] یا تو یہ ظاہر کرتی ہے کہ یہ دو علیحدہ نسلیں تھیں یا اگر انھیں ایک لفظ مانا جائے تو اس کے معنی محض "شاہان شک" کے ہو جاتے ہیں۔

آشو میدھ یگیہ

سمدر گپت کے جانشینوں کے کتبوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے گھوڑے کی قربانی کا احیا کیا جو ایک عرصے سے متروک ہو گئی تھی (چِرُوت مَن آشو میدھا ھَرتوھُ) [2] چونکہ الہ آباد کے ستونی کتبہ میں اس قربانی کا کوئی ذکر نہیں ہے اس لیے یہ قربانی ظاہر ہے ایام جنگ کے اختتام اور اس کتبہ کے کندہ ہونے کے بعد انجام دی گئی [3] اس رسم کے دوران سمدر گپت نے زر کثیر خیرات میں تقسیم کیا اور اس کی یادگار قائم کرنے کے لیے سونے کے سکے جاری کیے جن کے سیدھے رُخ پر قربانی کے ستون (یُوپ) کے آگے ایک گھوڑا کھڑا ہوا ہے اور الٹے رُخ پر رانی کی شبیہ اور یہ سجع کندہ ہے "آشو میدھ پراکرمہ"۔

---

[1] مرنڈ خاندان کے بارے میں ملاحظہ ہو کیٹلاگ آف دی کوائنیں آف گپت ڈائنیسٹیز تمہید، ص ۲۹، ۳۰، جیسوال "مرنڈ خاندان"، مالویہ جی کمیموریشن والیوم، ص ۱۸۵، ۱۸۷۔ [2] اس مقام پر بہرحال ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ بھارشیو، بہ ورسین اول واکاٹک اور دوسرے راجاؤں نے سمدر گپت سے تھوڑے عرصے پہلے ہی آشو میدھ یگیہ کیا تھا۔ کیا اس فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ سمدر گپت نے اس رسم کو باقاعدہ شاہی رسم کے طور پر ایک بار پھر زندہ کیا؟ (ملاحظہ ہو ڈاکٹر ایس۔ کے۔ آئینگر اسٹڈیز ان گپت ہسٹری ص ۴۲، ص ۴۳) [3] ملاحظہ ہو ایچ۔ آر۔ دیوکر، انیلس آف دی بھنڈارکر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ جلد سات (۱۹۲۶) ص ۱۶۲ تا ۱۶۵

سمدر گپت کے ذاتی کمالات

سمدر گپت ہمہ داں قسم کا نابغہ تھا۔ وہ صرف فنون جنگ ہی میں نہیں بلکہ مقدس علوم (شاستروں) میں بھی مہارت تامّہ رکھتا تھا۔ وہ خود بھی عالم و فاضل تھا اور علما۔ اور فضلا کی صحبت پسند کرتا تھا۔ اسے "کوی راج" کہا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کا شاعر بھی تھا۔ اس کے علاوہ اس نے ایک دوسرے فن یعنی موسیقی کی بھی ترقی اور پرورش کی۔ اس میدان میں اس کی صلاحیتوں کی تصدیق اُس کے بعض سکوں سے ہوتی ہے جن میں اسے ایک اونچے تکیہ والے تخت پر بین (وین) بجاتے ہوئے پیش کیا گیا ہے۔ الہ آباد کے ستونی کتبہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ایک مرتبہ اپنی غیر معمولی ذہانت اور فہم و فراست سے سے دیوتاؤں کے استاد (یعنی برہسپتی) کو اور اپنے دلکش گانے سے تمبرؤ اور نارد کو نیچا دکھا دیا تھا۔[1]

سمدر گپت کا مذہب

الہ آباد کے ستونی کتبہ سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شمال و مغرب کے راجاؤں نے سمدر گپت سے درخواست کی تھی کہ فرامین پر گروڑ کی مہر لگا کر ان کے پاس بھیج دے چونکہ گروڑ وشنو کا خدمت گار (واہن) ہے اس لیے ظاہر ہے کہ سمدر گپت وشنو سے خاص عقیدت رکھتا تھا۔ لیکن وشنو مت میں اس کا عقیدہ اس کی سپاہیانہ روش کے جو ایک سچے کشتری کا نصب العین ہوتا ہے کسی طرح منافی نہیں تھا۔

اُس کی موت کی تاریخ

سمدر گپت کی موت کی ٹھیک ٹھیک تاریخ کا کوئی دستاویزی ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا دور حکومت کافی طویل ہوا۔ متھرا میں ایک کتبہ کی تازہ تر

---

[1] موازنہ کریں نिशित विदग्ध मति गान्धर्व ललितैर् व्रीडित त्रिदशपति गुरु तुम्बुरु नारदादे

دریافت کے مطابق [1] چندر گپت دوم کی سب سے پہلی تاریخ جو ہمیں معلوم ہے وہ ۳۸۰ء ہے اس لیے فی الحال یہ تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ سمدر گپت نے ۳۷۵ء تک حکومت کی۔

رام گپت

سمدر گپت کے کئی لڑکے تھے (موازنہ کریں "بہوچتر پوتر" کارپس انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا نمبر ۲، ص۲۱)۔ ان میں سے ایک جس کا نام رام (سرم؟) گپت تھا اس کے بعد تخت نشین ہوا۔ رام گپت کا نام وساکھ دت کے ایک ڈرامے میں آتا ہے جو دیوی چندر گپتم کے نام سے موسوم ہے۔ یہ اب بالکل معدوم ہو گیا ہے لیکن اس کے جستہ جستہ اجزا ناٹیہ درپن میں محفوظ ہیں جو ڈرامے کے فن پر رام چندر اور گن چندر کی لکھی ہوئی ایک مستقل تصنیف ہے۔ رام گپت ایک بزدل حکمراں تھا۔ کہتے ہیں کہ شک راجہ کے مطالبہ پر وہ اپنی بیوی دھروو دیوی کو بھی اس کے حوالے کرنے پر تیار ہو گیا لیکن دیور یعنی چندر گپت دوم کی مداخلت سے اس کی آبرو رہ گئی جس نے عورت کا بھیس بدل کر شک حکمراں کو مار ڈالا۔ اس کے بعد چندر گپت نے رام گپت کا بھی کام تمام کر دیا۔ اس نے دھرو دیوی سے شادی کر کے اُسے اپنی رانی بنا لیا اور رعایا کے تحسین و آفریں کے نعروں کے درمیان پاٹلی پتر کی گدی پر خود بیٹھ گیا۔ اس کہانی کی طرف اشارے ہمیں بان کی ہرش چرت میں: سنکر آریہ کی ہرش چرت کی شرح میں نیز بعض بعد کے مصنفین کے یہاں ملتے ہیں، مثلاً بھوج کی سرنگار پرکاش، آموگھ ورش کی سنجن کی تختیاں [2] اور مجمل التواریخ [3]۔ ان شواہد کے باوجود رام گپت کی تاریخیت عالموں کے درمیان اب تک ایک نزاعی مسئلہ بنی ہوئی ہے ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ مندرجہ بالا روایات سب بعد کی ہیں اور انھیں اصلیت کی ہوا نہیں لگی ہے۔ ہمارا شبہ اس لیے اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے کہ رام گپت کا جاری کردہ ایک سکہ بھی دستیاب نہیں ہوا ہے۔ [4]

[1] دیکھیں آئندہ صفحات

विद्धुजननापजीमानेक काव्य ... : प्रविष्ठततविय२८६५

[2] ایپی گرافیہ انڈکا، اٹھارواں ص۲۴۸، ص۲۵۵۔ اشلوک ۴۸ [3] ایلیٹ اینڈ ڈوسن، ہسٹری آف انڈیا، پہلا ص۱۱۰، ص۱۱۲

[4] ڈاکٹر ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر کی کانچ کے سکوں کو رام گپت سے منسوب کرنے کی کوشش ہرگز اطمینان بخش نہیں رہا لویا جی کیمور یشن والیوم، ۱۹۳۲، ص۲۰۳، ص۲۰۶ اور ریجنل عبارتوں کے لیے ملاحظہ ہو ایضاً ص۲۰۶ ص۲۱۱۔ نیز رام گپت پر ملاحظہ ہو۔ جرنل آف بہار اینڈ اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی، جون ۱۹۲۸، ص۲۲۳، ص۲۵۳ مارچ، جون ۱۹۲۹، ص۱۳۴، ص۱۴۱، مارچ ۱۹۲۲، ص۱۷، ص۳۶، وغیرہ

دوسرے یہ کہ گپت عہد کی تمام دستاویزات اس سلسلہ میں بالکل خاموش ہیں

چندرگپت دوم وکرمادتیہ (۳۷۵-۴۱۴ء)

تخت نشینی

چندرگپت جسے باپ کے نام سے ممیز کرنے کے لیے عام طور پر چندرگپت دوم وکرمادتیہ کہا جاتا ہے سمدرگپت کا لڑکا اور دتا دیوی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ اپنے بزدل بھائی کے بعد راجا ہوا یا اپنے باپ کے بعد جیسا کہ "مَتْ پَرِی ہِتہ" کے الفاظ سے مترشح ہے [1]، لیکن یہ بات طے ہے کہ جب ۳۷۵ء اور ۳۸۰ء کے درمیان وہ گدی پر بیٹھا تو اس کی کافی عمر تھی [2]

سلطنت کی کیفیت

سلطنت کی تعمیر کا مشکل کام چندرگپت دوم کے ذمہ باقی رہا۔ اس کے باپ سمدرگپت کی فوجی قابلیت سے یہ کام ایک بڑی حد تک پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ سمدرگپت نے آریہ ورت کے بہت سے علاقوں کو گپت سلطنت میں شامل کر لیا تھا، سرحدی راجاؤں اور قبیلوں سے اطاعت قبول کروائی تھی اور شمالی مغربی خودمختار حکومتوں کو اپنے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ لیکن مغربی شترپ ابھی تک سرکشی پر آمادہ تھے۔ اگرچہ واکاٹکوں نے عارضی طور پر ان کو نقصان پہنچایا تھا، لیکن ہم عصر سیاسیات میں وہ اب بھی اہم مقام رکھتے تھے۔

واکاٹکوں سے دوستی

شکوں کے خلاف اپنے منصوبوں کو سختی کے ساتھ عملی جامہ پہنانے کی غرض سے چندرگپت

---

[1] کارپس انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا، نمبر ۱۲، صفحہ ۵، سطر ۱۹ [2] چندرگپت دوم کی سب سے پہلی تاریخ جو ہمیں معلوم ہے وہ گپت سمبت کے مطابق ۶۱-۳۸۰-۳۸۱ء ہے (موازنہ کریں۔ متھرا والے کتبہ سے ' ایپی گرافیہ انڈکا، اکیسواں، صفحہ ۱ حاشیہ)

نے اپنی لڑکی پربھاوتی کی شادی جو ناگ راجکماری کبیرناگا کے بطن سے تھی، ردرسین دوم واکاٹک کے ساتھ کردی۔ یہ ازدواجی تعلق سیاسی حکمت عملی کا زبردست شاہکار تھا، کیونکہ واکاٹک مہاراجہ کی ریاست، جغرافیائی اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتی تھی۔ اگر شمال کی طرف سے شک شترپ کسی وقت بھی حملہ آور ہوتے تو یہ واکاٹک ریاست انہیں فائدہ پہنچا سکتی تھی اور نقصان بھی۔

شکوں کے خلاف مہم

چندرگپت دوم نے ایک بڑی فوج جمع کی اور مغربی ہندوستان کے شک حکمراں پر خود حملہ آور ہوا۔ اس مہم میں چندرگپت کا وزیر جنگ وامن، شاب ویرسین راجہ کے ساتھ تھا۔ کہتے ہیں کہ راجہ تمام دنیا کو فتح کرنے کی آرزو رکھتا تھا۔[1] اس مہم میں چندرگپت نے جو راستہ اختیار کیا اس کی طرف اشارہ بھیلسہ کے قریب ادے گری کے مقام پر ایک کتبہ میں ملتا ہے اس کتبہ میں اس غار کا ذکر ہے جسے چندرگپت کے وزیر جنگ شاب ویرسین نے مشمبھو (شیو) سے منسوب کیا تھا۔ بدقسمتی سے کتبہ پر تاریخ پڑی ہوئی نہیں ہے، ورنہ ہمیں بڑی آسانی سے چندرگپت کی شکوں سے جنگ کی تاریخ معلوم ہو گئی ہوتی۔ لیکن سکوں کی مدد سے ہم اس کی تاریخ کا تعین کرسکتے ہیں۔ مغربی کشترپوں کے آخری دور کے جاری کیے ہوئے سکے رودر۔ سامہ کے ہیں۔ جن پر ۳۱۰ الف" ۲۸۸-۲۹۷ء، تاریخ پڑی ہوئی ہے چندرگپت دوم نے کشترپ علاقوں کو فتح کرنے کے بعد چاندی کے جو سکے جاری کیے وہ کشترپوں کے سکوں کی ہو بہو نقل تھے۔ ان سکوں پر جو سب سے پہلی تاریخ پڑی ہوئی ہے وہ ۹۰ "الف" = ۴۰۹-۴۱۳ء ہے[2] اس لیے ہم بجا طور پر قیاس کرسکتے ہیں کہ چندرگپت دوم کو یہ فتح ۳۹۵ اور ۴۰۰ء کے درمیان میں نصیب ہوئی[3] اس واقعہ کا حوالہ بان کی ہرش چرت میں بھی آتا ہے، لیکن اس میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ چندرگپت

---

[1] کارپس انسکرپشنم انڈکارم، جلد تیسری، صفحہ ۳۵ - ۳۶، موازنہ کریں
"कृत्स्नपृथ्वीजयार्थेन राज्ञैवेह सहागत"

[2] چندرگپت دوم نے اس سال کے قرب و جوار میں وفات پائی[3] نیز ملاحظہ ہو جے۔ ایلن، کیمبرج شارٹ ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۹۳

نے حریف کو دھوکے سے قتل کیا، نہ کہ میدان جنگ میں۔ اس حوالہ نے اس شرمناک روایت کو رواج دے دیا کہ شک راجہ دشمن کے شہر میں جب شخص غیر کی بیوی کے ساتھ عشق بازی میں مصروف تھا تو چندر گپت نے شک راجہ کی محبوبہ کا بھیس بدل کر بڑی شقاوت سے اُسے ذبح کر ڈالا۔ [1]

جنگ کے نتائج

رودر سنہا کی اس شکست کا نتیجہ یہ نکلا کہ صرف مالوہ، گجرات اور سوراشٹر کے زرخیز و مال دار علاقے ہی گپت سلطنت میں شامل نہیں ہو گئے بلکہ مغربی ساحل کے بندرگاہوں سے گپت سلطنت کا براہ راست رابطہ قائم ہو گیا۔ اس سے غیر ملکی تجارت کا زور بڑھ گیا۔ اور اسی کے ساتھ بیرونی ممالک سے خیالات کی آمد ورفت کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ شمالی ہند کے بڑے حصے پر ایک مرکزی اقتدار اعلیٰ کے قیام سے اندرونی تجارت کو بھی فروغ ہوا۔ اب بیوپاریوں کو ہر ریاست کی سرحد پر محصول ادا کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی اور وہ بے تکلفی سے ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سامانِ تجارت لا اور لیجا سکتے تھے۔ اس سے پہلے یہ ریاستی محصول تجارت میں کافی رُکاوٹ ڈالتے تھے۔ اُن کے باعث چیزوں کی قیمت چڑھ جاتی تھی اور سامان بنانے والوں اور بیچنے والوں کو نفع بہت کم ملتا تھا۔ اُس زمانے کا سب سے اہم تجارتی مرکز اُجین تھا جہاں مختلف سمتوں سے تجارتی شاہراہیں آ کر ملتی تھیں۔ اُجین کو مذہبی اور سیاسی مرکز ہونے کا بھی اختیار حاصل تھا۔ مغربی ممالک کی فتح کے بعد چندر گپت نے اجین کو اپنی دوسری راجدھانی بھی بنا دیا تھا۔

راجہ چندر کون تھا؟

مہرولی گاؤں میں قطب مینار (دہلی) کے آہنی ستون پر جو کتبہ ہے اس میں ایک چندر نامی راجہ کی مہموں کا ذکر موجود ہے۔ راجہ کے متعلق اس میں کہا گیا ہے کہ اس نے دشمنوں کی متحدہ افواج کو ونگا (بنگال) میں شکست دی، اپنے زور بازو کی ہوا سے تمام جنوبی سمندروں

---

[1] ہرش چرت ترجمہ کاول اور تھامس، ۱۹۴، موازنہ کریں اس عبارت سے۔
श्रीसुर च परक लत्रकामुक कामिनीवेशश्चन्द्रगुप्त शकनातिमशातयत ॥

کو ہلا دیا" اور سات دہانوں یعنی دریائے سندھ کے معاون دریاؤں کو عبور کر کے واہلکوں[1] پر قابو پالیا (یعنی پنجاب پر[2])، چنانچہ تمام دنیا پر اقتدار اعلیٰ حاصل کرنے کے بعد (ایکا دھراجیہ) "اس نے طویل عرصہ تک" (سوچرن) حکومت کی۔ بدقسمتی سے اس چندر کی شناخت کے مسئلہ پر عالموں کے درمیان سخت اختلاف پایا جاتا ہے[3] لیکن اگرچہ "چندر" چندر گپت دوم ہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے پاس ایک قطعی سند اس بات کی موجود ہے کہ گپت شہنشاہ نے بنگال تسخیر کر لیا اور شک اور کشن طاقتوں کے جو باقیات شمال و مغرب میں رہ گئے تھے۔ انھیں نیست و نابود کر دیا، یعنی وہ کام انجام دیا جسے سمدرگپت ادھورا چھوڑ گیا تھا۔

فاہیان کا سفرنامہ (۳۹۹-۴۱۴ء)

چندر گپت دوم کے عہد میں مشہور و معروف چینی یاتری فاہیان خشکی کے راستہ سے ہندوستان آیا۔ اس نے سفر کی صعوبتیں برداشت کیں اور ریگستان گوبی، یرخطن، پامیر، سوات اور

---

[1] ورآہ مہر کے نزدیک وزہ لِک شمالی ہند کے لوگ تھے۔ بعض عالم انھیں پنجاب کے بایکوں کے مماثل قرار دیتے ہیں (باسک، ہسٹری آف نارتھ ایسٹرن انڈیا، ص۱۷، حاشیہ نمبر ۱۲) دوسرے عالموں نے انھیں اہل بلخ سے تعبیر کیا ہے۔ بعض جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ وزہ لِک کا لفظ عام معنوں میں غیر ملکی حملہ آوروں کے لیے استعمال ہوا ہے، جیسے پہلو، یون، وغیرہ (ملاحظہ ہو ایلن، کیٹلاگ اینڈ کوائینس آف گپت ڈائنسٹیز، تمہید، ص ۳۶)

[2] حسب ذیل عبارت سے موازنہ کریں۔ "मस्योद्वर्तयतः प्रतीपमरसा शत्रन्समेत्यागत न्वङ्गेष्वाहववर्तें नोडी भतिरवता खड्गेन कीर्ति र्भुजे। तीर्त्वा सप्तमखानि येन समरे सिन्धोजित वाल्हिका यस्याद्याप्यधिवास्यते जलनिधिर्वीर्यानिलै र्दक्षिण:" (کارپس انسکرپشنم انڈکارم تیسرا نمبر ۳۲، ص۱۴۱، ۱۵)

[3] آر۔ جی۔ باسک (ہسٹری آف نارتھ ایسٹرن انڈیا، ص۱۳۔ ص۱۴) اور فلیٹ (کارپس انسکرپشنم انڈکارم۔ تمہید ص۱۲) چندر کو چندر گپت دوم کے مماثل بتاتے ہیں۔ ونسنٹ اسمتھ اس کے قائل ہیں کہ چندر وہی ہے جو چندر گپت دوم ہے (جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۸۹۷ء ص۱۔ ص۱۹)؛ آر۔ ڈی۔ بنرجی (ایپی گرافیہ انڈکا، چودھواں ص۳۶۷) چندر کو چندر ورمن کے مساوی قرار دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف ڈاکٹر رائے چودھری نے چندر کو یا تو سدا چندر کے، یا چندر انش کے، مماثل قرار دیا ہے" بلکہ آخرالذکر کو ترجیح دی ہے" (پولیٹیکل ہسٹری آف انیشینٹ انڈیا چوتھا اڈیشن، ص۴۴۹ حاشیہ ۱)

گندھار کے پہاڑی خطوں کے خطرات کا مقابلہ کرتا ہوا وہ پیشاور پہنچ گیا۔ پھر اس نے راستہ سے ذرا ہٹ کر شمال اور مغرب کی پہاڑیوں کو پار کیا اور پنجاب میں داخل ہوگیا۔ اس کے بعد وہ متھرا، سن کاشیہ، قنوج، سراوستی، کپل وستو، کشی نگر، ویشالی، پاٹلی پتر اور کاشی وغیرہ مقامات سے گذرتا ہوا تامر لپتی (تملوک، ضلع مدناپور) کی طرف نکل گیا اور وہاں پہنچ کر اس نے وطن واپس لوٹنے کے لیے لنکا اور جاوا کا سفر جہاز میں کیا۔ [1] فاہیان حقیقتاً بدھ مذہب کی مقدس کتابوں اور تبرکات کی تلاش میں اس قدر منہمک رہا کہ اسے یہ لکھنے کا بھی خیال نہ رہا کہ اس نے سکون و اطمینان کے یہ چند سال کس راجہ کی قلمرو میں گذارے لیکن کہیں کہیں اس نے یہاں کے لوگوں کی زندگی اور ملک کے عام حالات کے بارے میں تھوڑا بہت لکھنے کی طرف ضرور توجہ کی۔ آیئے دیکھیں کہ اس کے اس ضمنی بیانات سے ہمیں کیا معلومات بہم پہنچتی ہے۔

پاٹلی پتر

فاہیان نے پاٹلی پتر کی راجدھانی میں تین برس قیام کیا اور سنسکرت سیکھی۔ اس نے لکھا ہے کہ پاٹلی پتر میں اس وقت دو دیدہ زیب اور خوشنما خانقاہیں موجود تھیں۔ ایک ہین یان فرقہ کی اور دوسری مہایان فرقہ کی۔ جن پر چھ سو یا سات سو سادھو قبضہ کیے ہوئے تھے۔ اُن کے تبحر علمی اور منظم زندگی سے متاثر ہو کر ہزاروں تشنگانِ علم ہندوستان کے ہر حصہ سے اُن کے پاس آکر اپنی پیاس بجھاتے تھے۔ اشوک کا محل فاہیان کے وقت تک باقی رہ گیا تھا۔ اُس کی شان و شوکت دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ اس کے بارے میں شہرت تھی کہ اس کی تعمیر فوق
طاقتوں کے ذریعہ ہوئی ہے۔ چینی یاتری مگدھ کی دولت و خوشحالی دیکھ کر بھی متاثر ہوا اور تعجب سے سے کہہ اٹھا کہ یہاں کے باشندے فیاضی اور راست بازی میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کی کوشش کرتے ہیں، ہر سال دوسرے مہینہ کے آٹھویں دن بدھا اور بدھ ستوؤں کا ایک عظیم الشان جلوس نکلتا تھا جس میں مورتیوں کو بیش قیمت اشیاء سے آراستہ کیا جاتا تھا۔ یہ مورتیاں ۲۰ غالباً بیس رتھوں پر، رکھی ہوتی تھیں۔ اُن کی تیاری ایک خاص نمونے کے مطابق ہوتی

---

[1] ملاحظہ ہو خوئکو، (دی فاہیان کا سفرنامہ)، بیل، بدھسٹ ریکارڈس آف دا ویسٹرن ورلڈ ص تیئس ۲۳ - چالیس ۴۰

تھی لیکن ان پر نقش و نگار بنانے میں رنگ مختلف استعمال کیے جاتے تھے۔ فاہیان کہتا ہے کہ "ویش گھرانوں کے بڑے بوڑھوں نے خیرات خانے اور شفا خانے قائم کر رکھے ہیں۔" راجدھانی میں ایک بہت عمدہ قسم کا ہسپتال موجود تھا جس کے اخراجات کے لیے امرا اور دیگر صاحب حیثیت لوگ عطیات دیتے تھے، اس میں غریب اور محتاج مریضوں کو حسب ضرورت دوا اور غذا مفت دی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ بڑے بڑے شہروں میں نیز شاہراہوں پر مسافروں کے آرام و آسائش کے لیے قیام گاہیں بھی پائی جاتی تھیں [1]

سماجی حالت

چینی زائر کے بیان سے ہمیں مدھیہ پردیش کے سماجی حالات کی بھی ایک جھلک دکھائی دیتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی اکثریت دال بھات کھانے کی عادی تھی اور اہنسا کے اصول کی پابند تھی۔ ان کے بازاروں میں "نہ مذبحے ہوتے تھے اور نہ شراب خانے۔" وہ سور اور مرغیاں نہیں پالتے تھے، نہ پیاز کھاتے تھے اور نہ لہسن کھاتے تھے اور نہ شراب پیتے تھے [2] یہ وہ خصوصیت ہے جو آجکل کے اعتدال پسندوں کے لیے بڑی دل خوش کن ہے چنڈالوں کو سب سے حقیر و ذلیل اور سماج باہر سمجھا جاتا تھا۔ صرف یہ وہ لوگ تھے جو شکار کھیلتے اور گوشت کا کاروبار کرسکتے تھے۔ وہ لوگوں سے الگ تھلگ شہر کے باہر رہتے تھے اور جب شہر میں یا بازار میں داخل ہوتے تو انھیں ڈنکا بجانا پڑتا تھا تاکہ لوگ راستہ سے ہٹ جائیں اور ان سے مس ہونے کا امکان ہی نہ رہے [3] سچ تو یہ ہے کہ اس طریقۂ کار میں چھوت چھات کا رنگ جھلک رہا ہے جو ہندو دھرم پر آج تک ایک بدنما داغ ہے۔

مذہبی حالت

فاہیان محض بدھ مذہب کی مقدس کتابیں جمع کرنے اور ان مقامات کی زیارت کرنے کی

---

[1] ایضاً، باب ستائیس[۲۷]، ص ۵۶۔۵۴۔

[2] اس بیان کو بہرحال ذرا تکلف ہی سے تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

[3] ایضاً، باب سولہ[۱۶]، ص اڑتیس[۳۸]۔

غرض سے ہندوستان آیا تھا جو بدھا سے منسوب ہونے کے باعث متبرک مانے جاتے تھے۔ اس لیے فطری طور پر وہ بدھ مت اور بدھ سنگھ کی شاخوں کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کرتا ہے۔ اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب اور بنگال میں بدھ مذہب "پورے عروج" پر تھا، نیز یہ کہ متھرا میں جہاں اس نے بیس خانقاہیں دیکھیں، اس کے لیے رفتہ رفتہ زمین ہموار ہو رہی تھی۔ لیکن مدھیہ دیش میں وہ زیادہ مقبول نہیں تھا، مدھیہ دیش کے خاص خاص شہروں میں چینی زائر کو صرف ایک ایک دو دو خانقاہیں ملیں اور بعض مقامات پر کوئی خانقاہ سرے سے تھی ہی نہیں۔ یہاں برہمن مت کا زیادہ زور تھا اور راجہ خود ایک وشنو (پرم بھاگوت) تھا۔ "بدعقیدہ برہمنوں" اور بودھوں کے درمیان تعلقات عام طور پر خوشگوار تھے اور کسی مذہب پر ظلم و جبر کا کہیں شائبہ نہیں تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ کتبوں سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ چندر گپت کے بعض بلند مرتبہ افسر جیسے شاب ویرسین اور آمر کاردو شیو اور بودھ معتقدات رکھتے تھے۔[1]

انتظام حکومت

فاہیان نے مدھیہ دیش، یعنی چندر گپت دوم کے مقبوضہ علاقوں کی معتدل آب و ہوا اور انتظام حکومت کی تعریف کی ہے۔ لوگ خوشحال تھے۔ عام محصول انھیں معاف تھے اور سرکاری ضابطوں کی پابندی سختی سے نہیں کرائی جاتی تھی، نہ انھیں اپنے گھروں کا اندراج کرانا پڑتا تھا، نہ کسی حاکم کے اجلاس میں جانے کی ضرورت تھی، نہ کسی قاعدہ قانون کی پابندی اُن پر لازم تھی۔ راجہ اپنی رعایا کی نقل و حرکت پر بھی کوئی پابندی نہیں لگاتا تھا۔ "اگر وہ کہیں جانا چاہتے ہیں تو چلے جاتے ہیں، اگر کہیں ٹھہرنا چاہتے ہیں تو ٹھہر جاتے ہیں۔"[2] رائج الوقت چینی قانون کے مقابلہ میں ہندوستان کا ضابطۂ فوجداری نرم تھا، مجرموں پر جرم کی نوعیت کے مطابق جرمانہ ہوتا

---

[1] اُدیاگری کے ایک کتبہ میں لکھا ہے کہ چندر گپت دوم کے وزیر امن و جنگ شاب ویرسین نے شیو دیوتا کے درگاہ کے طور پر ایک غار کھدوایا تھا (کارپس انسکرپشنم، انڈکارم، تیسرا، نمبر ۶، ص ۳۴، ۳۶) اسی طرح سانچی کا ایک کتبہ ہمیں بتاتا ہے کہ امرکاردو نے جو گپت دوم کی فوج میں اعلیٰ افسر تھا، ۲۵ دینار نقد اور ایک گاؤں کی آمدنی آریہ سنگھ کی یا بدھ فرقے کی نذر کی تھی (ایضاً نمبر ۵، ص ۲۹، ۳۲)

[2] فوکوکی، ترجمہ بیل، باب سو ۱۶، ص ۳۷

تھا، کبھی کم کبھی زیادہ، لیکن جسمانی سزا نہیں دی جاتی تھی، یہ بات دلچسپ ہے کہ اُس وقت بہت سخت سزائیں نہیں دی جاتی تھیں اور غداری جیسے جرائم پر بھی صرف داہنا ہاتھ قلم کرنے کی سزا دی جاتی تھی۔ یہ تصویر جو پیش کی گئی اس میں بہرحال شائستگی زیادہ ہے، حقیقت کم۔

مالیات کا دارومدار لگان پر تھا جو کل پیداوار کا مقررہ حصہ یا اس کے بعد نقدی کی صورت میں وصول کیا جاتا تھا۔ سرکاری افسروں کو پابندی کے ساتھ مقررہ تنخواہ دی جاتی تھی۔ روزمرہ کی خرید و فروخت میں کوڑی بطور سکّے کے استعمال ہوتی تھی لیکن سونے کے "سُورن" اور "دینار" کا بھی عام رواج تھا جن کا ذکر کتبوں میں آتا ہے۔

چینی زائر کے مندرجہ بالا اقوال سے واضح ہوجاتا ہے کہ چندر گپت دوم کی حکومت باقاعدہ اور منظم تھی۔ عوام امن کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے، شمالی ہند میں سفر کے دوران فاہیان کو کسی حادثہ سے دوچار ہونا نہیں پڑا۔ عام حالات ضرور اطمینان بخش تھے، لیکن بعض مقامات مثلاً گیا، کشی نگر، کپل وستو، شراوستی، جہاں کبھی پہلے کافی چہل پہل رہتی تھی، اب ان میں خستگی اور ویرانی کے آثار نمایاں تھے۔

لوحی شواہد

چندر گپت کے نظام حکومت کے بارے میں کچھ باتیں جستہ جستہ ہمیں بساڑھ کی مہروں [1] نیز بہت سے دیگر کتبوں سے معلوم ہوتی ہیں۔ راجہ اپنے وزیروں (منتریوں) کی امداد و مشورہ سے حکومت کرتا تھا جن کا عہدہ اکثر موروثی ہوتا تھا [2]۔ اُن میں سے بعض ایسے ہوتے تھے جو فوجی اور غیر فوجی دونوں خدمات انجام دیتے تھے اور راجہ کے ساتھ میدان جنگ میں جاتے تھے۔ انتظامی سہولت کے لیے سلطنت کئی صوبوں (دیشوں یا بھکتیوں)

---

[1] اینول رپورٹ آف آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا ۱۹۰۳، ۱۹۰۴، صا۱۰ صنا۱۳ ت اور دیا گری کا خطبہ دکار پس انسکرپشنم انڈیکارم۔ جلد ۳، نمبر ۶، صنا۳۲ (صنا۳۶) چندر گپت دوم کے وزیر امن وجنگ شاب ویر سین کو ۴۰۱ نوئیہ براہت بھیجو یودیا پرت سندھی وگرہ کی حیثیت سے پیش کرتا ہے اسی طرح کرم دند کے کتبہ میں (اپی گرافیہ انڈکا، دسواں صنا۷ا حاشیہ) کمار گپت اول کے وزیر پرتھوی سین کا ذکر ہے جس کا باپ بکھار سوامی چندر گپت دوم کا وزیر تھا۔

میں منقسم تھی جو گورنروں (اُپ رِک مہاراج یا گوپ) کے ماتحت ہوتے تھے۔ گورنر اکثر شاہی خاندان کے راجکمار ہوتے تھے۔ اس کے بعد ضلعے ہوتے تھے (وشیہ) اور اُن کی بھی تقسیم در تقسیم ہوتی تھی۔ صوبائی اور مقامی حکومت کا کام چلانے کے لیے مستقل عمال ہوتے تھے، بساڑھ کی مہروں میں بعض افسروں کے عہدے مندرج ہیں۔ مثلاً کمارا ماتیہ (راجکمار کا مشیر یا لغوی اعتبار سے وہ شخص جو بچپن سے وزیر ہے۔)؛ مہا وَنڈ نایک (رسالارِ اعلیٰ)؛ ونئے اِستھتی اِستھاپک (ناظر؟)؛ مہاپرتی بار (حاجب)؛ بھٹا شو پتی (پیدل اور سواروں کی فوج کا افسر)، دنڈ پاشادھکارن (پولیس کا افسرِ اعلیٰ)، وغیرہ وموددر پور کی تانبے کی تختی سے معلوم ہوتا ہے کہ ضلع کا افسرِ اعلیٰ (وشیہ پتی)، براہ راست صوبائی گورنر کے ماتحت ہوتا تھا اور تنی یک تک کہلاتا تھا۔ اس کا صدر مقام ادھشٹھان میں ہوتا تھا اور وہیں اس کا دفتر (ادھی کرن") رہتا تھا۔ حکومت کے کاروبار میں اسے ایک پنچایت مدد دیتی تھی جو مختلف اغراض و مقاصد رکھنے والی مقامی جماعتوں کے نمائندوں پر مشتمل ہوتی تھی، مثلاً، سب سے بڑا سیٹھ یا ساہوکار (نگر شریشٹھن)، سب سے بڑا بیوپاری (سارتھ واہ)، سب سے بڑا کاریگر (پرتھم کلک) اور سب سے بڑا محرر (پرتھم کاستھ)۔ لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ یہ پنچایتیں محض مشاورتی حیثیت رکھتی تھیں یا مخصوص فرائض ان کے سپرد ہوتے تھے۔ دیگر اہم عہدہ داروں میں محافظ خانہ کا افسر (پُست پال) ہوتا تھا جو تمام حقوق ملکیت، تمسکات اور بیعناموں سے باخبر رہتا تھا۔ "جب کسی کو کوئی زمین وغیرہ خریدنی ہوتی تو خریدار کو پُست پال کے یہاں درخواست دینی پڑتی تھی۔ پُست پال جانچ پڑتال کے بعد حق ملکیت طے کر کے سرکار کو رپورٹ کرتا تھا۔ اس کے بعد افسران بالا خریداری کی منظوری دیتے تھے۔"[1] نظام حکومت کی سب سے چھوٹی اکائی پہلے کی طرح اب بھی گاؤں (گرام) تھا جو ایک مکھیا (گرامک) کے ماتحت ہوتا تھا۔ گرامک ایک پنچ منڈی یا پنچایت کی مدد سے جو گاؤں کے بڑے بوڑھوں (گرام ورِدھوں) پر مشتمل ہوتی تھی، اپنے حلقۂ اثر میں امن و امان قائم رکھتا تھا۔

کنبہ

کوُبر ناگا کے علاوہ، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، چندر گپت کے ایک اور بیوی بھی تھی

---

[1] ایپی گرافیہ انڈکا، پندرھواں صـ ۱۲۸

جس کا نام دھرؤودیوی یا دھرؤوسوامنی تھا۔ چندرگپت کے کم ازکم دو بیٹے تھے۔ کمارگپت اول اور گووندگپت۔ آخرالذکر چندرگپت دوم کا دیشاں میں نائب السلطنت تھا،

القاب

کتبوں میں چندرگپت دوم کے لئے مختلف القاب استعمال کئے گئے ہیں۔ مثلاً پرم بھاگوت مہاراجہ دھراج سری بھٹارک۔ سکوں میں وہ وکرماتیہ، وکرمانک، نریندر چندر سنگھ وکرم، سنگھ چندر وغیرہ بلند آہنگ اختیار کرلیتا ہے، اس کا دوسرا نام دیوراج بھی تھا[1] بعض واکاٹک کتبوں میں اُسے دیوگپت بھی کہا گیا ہے[2]

کمارگپت اول مہیندرادتیہ (۴۱۴۔۴۵۵ء)

تخت نشینی کی تاریخ

سانچی کے کتبہ (نمبر۔ ۵) کے بموجب چندرگپت دوم ۹۳ گپت سمبت مطابق ۱۲ ۴۔۴۱۳ء میں حکومت کررہا تھا، درانحالیکہ بل سڈ کا کتبہ (نمبر۔ ۱۰)[3] مورخہ ۹۶ گپت سمبت مطابق ۴۱۵ء، اس کے بیٹے اور جانشین کمارگپت (اول) کے زمانہ کا ہے جس کی ماں کا نام دھرؤودیوی تھا۔ اس لیے ہم باآسانی قیاس کرسکتے ہیں کہ عصائے شاہی ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں تقریباً ۴۱۴ء میں منتقل ہوا۔

اُس کی طاقت

کمارگپت کی زندگی کے حالات ہمیں زیادہ نہیں معلوم، لیکن اس کے سکوں کی تعداد اور اقسام نیز اس کے عہد کے کتبوں کا جا بجا بکھرا ہوا ہونا دلالت کرتا ہے کہ اس نے سلطنت کو مستحکم و متحد رکھا جو بنگال سے سوراشٹر تک اور ہمالیہ سے مزیدا تک پھیلی ہوئی تھی۔

---

[1] کارپس انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا نمبر۔ ۵، ص۳۲، صہ۳۳، سطر۔ [2] چمک کے تختی والے کتبہ سے موازنہ کریں، کارپس انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا نمبر۔ ۵۵، ص۲۳۵، صہ۲۳۶، سطر ۱۵ [3]

بندھو ورمن دَش پُور (منڈسور، مغربی مالوہ) میں کمار گپت کے جاگیردار کی حیثیت سے حکومت کرتا تھا۔ چراوتّ شمالی بنگال (پونڈر وردھن بھکتی) کا گورنر تھا اور گھٹوٹ کچ گپت ایرکین یا ایرَن کے علاقہ (ضلع سوگور، مدھیہ پردیش) کا گورنر تھا۔

آشومیدھ یگیہ

کمار گپت کے بعض سونے کے سِکّے ثابت کرتے ہیں کہ اُس نے آشو میدھ یگیہ کیا۔ بدقسمتی سے کتبے اس کی فتوحات پر کوئی روشنی نہیں ڈالتے، لیکن ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ وہ جنگ میں کامیابی حاصل کئے بغیر یہ شاہانہ رسم ہرگز انجام نہیں دے سکتا تھا۔

پُشیا متر سے جنگ

بھٹاری کے ستونی کتبہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ پشیا متروں نے کافی طاقت اور دولت جمع کرلی تھی۔ نیز یہ کہ کمار گپت کی عمر کے آخری سال ان کے حملوں کے باعث کافی پریشانی میں گذارے[1] کمار گپت اول ضعیفی یا بیماری کی وجہ سے اُن کے مقابلہ کے لئے میدان جنگ میں خود نہ جا سکا اور اس لیے اس نے اپنے یووراج اسکند گپت کو اس خطرہ کو دفع کرنے کے لئے بھیجا۔ اسکند گپت نے بہادری سے مقابلہ کیا۔ بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں اُسے ایک پوری رات "فرشِ زمین پر" گذارنی پڑی، لیکن اس نے اپنے خاندان کے کھوئے ہوئے وقار کو دوبارہ حاصل کرلیا۔[2]

---

[1] کارپس انسکرپشنم انڈکارم، ص۵۴، ص۵۵۔ اس سے موازنہ کریں۔ "समुदितबलकोषान..." فلیٹ نے پشیا متروں کا مسکن دریائے نرمدا کے کناروں کو قرار دیا ہے (انڈین اینٹی کوئیری، ۱۸۸۹ء ص۲۲۸) وشنو پران نے پشیا متروں کو نرمدا کے منبع کے قریب میقل کے علاقہ سے ربط دے رکھا تھا، ۴،۲۴،۱۷، پولیٹکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا، چوتھا ایڈیشن اس کے برخلاف مسٹر دیو کرنے "پدھیا متر" نشیخ پڑھا ہے (انیلس آف دی بھنڈارکر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۱۹۔۱۹۲۰ء، ص۹۹، ص۳) اگر اسے تسلیم کیا جائے تو کیا اَمتروں سے اسکند گپت کے اندرونی دشمن مراد لئے جائیں گے؟

[2] اس سے موازنہ کریں "विचालितकुललक्ष्मोस्तम्भनायोद्यतेन क्षितितलशयनीये येन नीता त्रियामा....."

مذہبی حالت

اپنے باپ دادا کی طرح کمار گپت ایک بے تعصب حکمراں تھا۔ اپنے طویل دور حکومت میں اس نے بے شمار عطیات خیرات خانوں (ستروں) اور مندروں کے اخراجات کے لیے دیئے۔ ہم بدھا اور پارشنو کی مورتیوں کے نصب ہونے کا حال بھی سنتے ہیں۔

برہمنی دیوتاؤں میں سب سے زیادہ قابل احترام سوریہ، شیو، وشنو اور کارتکیہ کو مانا جاتا تھا جن کی پرستش اب خاص طور پر مقبول ہو رہی تھی۔ بعض سونے اور چاندی کے سکوں سے پتہ چلتا ہے کہ کمار گپت وشنو کے مقابلہ میں کارتکیہ سے زیادہ عقیدت رکھتا تھا [1]

اسکند گپت کرمادتیہ (۴۵۵ء-۴۶۷ء)

ابتدائی دشواریاں

معلوم ہوتا ہے کمار گپت اوّل پشیامتر سے جنگ کے دوران ہی انتقال کر گیا، کیونکہ دشمنوں پر فتحیاب ہونے کے بعد اسکند گپت فتح کی خوشخبری سنانے اس طرح اپنی ماں کے پاس گیا جو بقید حیات موجود تھی جس طرح کرشن نے دیوکی کو جا کر سنائی تھی [2]

دراصل بھتری کے کتبہ میں صراحتاً لکھا ہے کہ اس جنگ کے فوراً بعد اسکند گپت نے اپنا بایاں قدم مسند شاہی پر رکھا [3] یعنی تخت نشین ہوا، لیکن حالات بتا رہے تھے کہ اس کا دورِ حکومت پُرسکون رہنے والا نہیں ہے۔

---

[1] انڈین ہسٹری کوارٹرلی، پندرہ، نمبر ۱، مارچ، ۱۹۲۹، ص۷

[2] اس سے موازنہ کریں

"पितारे दिवमपेत विप्लुता वंशलक्ष्मीम्
भुजवलविजतारिर्यः प्रतिष्ठाप्य भूयः।
जितमिति परितोषान् मातर सास्त्र नेत्राम्
हतरिपुरिव कृष्णो देवकीम भ्युपेतः॥
क्षितिपचरणपीठ स्थापितो वामपादः"

[3] اس سے موازنہ کریں

یہ ترجمہ فلیٹ کے ترجمہ سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔

ہونوں کے حملے

پشیامتر سے مجادلہ کے فوراً بعد سلطنت کو ایک اور خطرہ لاحق ہوگیا اور وہ تھی خانہ بدوش ہونوں کی یلغار جو ٹھیک اسی وقت شمالی مغربی درّوں سے کبھی نہ تھمنے والے طوفان کی مانند اُبل پڑے۔ شروع شروع میں اسکند گپت اس سیلاب پر بند لگانے میں کامیاب ہوا اور بڑی خون ریز جنگ کے بعد انھیں اندرونِ ملک میں گھسنے سے روک دیا[1] لیکن ان وحشیوں کے پے در پے حملوں نے آخر کار گپت سلطنت کی بنیادیں ہلادیں۔ اگر بھِتری کے ستون والے کتبہ کے ہُون جوناگڑھ کے چٹانی کتبے والے ملیچھوں کے مماثل ہیں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اسکند گپت نے یقیناً انھیں ۱۳۸ گپت سمبت، مطابق ۴۵۷-۴۵۸ء سے پہلے شکست دی، کیونکہ یہی جوناگڑھ کے کتبہ کی آخری تاریخ ہے۔ سوراشٹر اس کی سلطنت کا کمزور ترین پہلو تھا۔ اور دشمنوں سے اس کی حفاظت کے لیے اسے بڑی جی توڑ کوشش کرنی پڑی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ طے کرنے کے لئے کہ اس علاقہ پر حکومت کا اہل سب سے زیادہ کون ہے اسے کئی دن اور کئی رات غور کرنا پڑا۔ آخر کار قرعۂ فال پرن دت کے نام نکلا جس کے تقرر سے راجہ کے دل کو سکون حاصل ہوگیا۔

سُدرُشن جھیل

اسکند گپت کے دورِ حکومت کا ایک اور عظیم الشان واقعہ یہ ہے کہ سدرشن جھیل کے بند کی مرمت کرائی گئی جو بارش کی کثرت کے باعث ٹوٹ گیا تھا۔ اس جھیل کی طویل تاریخ ہے۔ سب سے پہلے چندر گپت موریہ نے ایک پہاڑی چشمہ پر ڈیم بنوا کر ایک تالاب تعمیر کرایا۔ اشوک کے زمانے میں آبپاشی کے لئے اس میں پانی روکنے

---

[1] اس سے موازنہ کریں:
हणैर्यस्य समागतस्य समरे दोर्भ्यां धरा कम्पिता भीमावर्तकरस्य'
(کارپس انسکرپشنم انڈیکارم، تیسرا، صفحہ ۵۴ - ۵۵)

کے پھاٹک بنوائے گئے۔ ۲۰۲ شک سمبت مطابق ۱۵۰ء میں شدید طوفان سے اسے نقصان پہنچا تو رودردامن نے اس کی مرمت کروائی۔[1] پھر ۱۳۶ گپت سمبت، مطابق ۴۵۶ء میں بند میں پھر شگاف پیدا ہو گیا تو پرن دت کے لڑکے چکر پالت نے جو اس وقت گرنر کا گورنر تھا "زر کثیر" خرچ کر کے اُسے خالص پتھر سے ازسرِنو تعمیر کرایا۔ اس کامیاب تعمیر کی یادگار قائم کرنے کے لئے ۱۳۸ گپت سمبت مطابق ۴۵۸ء چکر بھرت یا وشنو کا ایک مندر تعمیر کرایا گیا۔[2] اب نہ اس جھیل کا کہیں نام و نشان ہے نہ اس مندر کا۔

مذہب

اسکند گپت خود ایک سچا وشنو تھا، لیکن اس نے اپنے آباؤ اجداد کی روادارانہ پالیسی کو برقرار رکھا۔[3] رعایا نے بھی اپنے بادشاہ کی عمدہ مثال کی پیروی کی۔ مثال کے طور پر، کہوم کے کتبہ (نمبر۔ ۱۵[4]) کی شہادت موجود ہے کہ ایک 'مدر' نامی شخص نے جو برہمنوں مذہبی پیشواؤں اور سادھوں کے لئے اپنے دل میں محبت کا بے پناہ جذبہ رکھتا تھا، جین پتر تھنکروں کی پانچ پتھر کی مورتیاں نصب کرائیں۔ اسی طرح، اندور کی تختی (نمبر۔ ۱۶[5]) میں ایک تحفہ کا ذکر کیا ہے جو کسی برہمن نے سوریہ مندر میں چراغ کے خرچ کے لئے دان کیا تھا۔ یہ مندر دو چھتریوں نے اندرپور (اندور، ضلع بلند شہر) میں تعمیر کرایا تھا۔ معطی نے ایک مستقل رقم تیلیوں کی مقامی بیوپاری انجمن (تیلک شرینی) کے پاس جمع کر دی تھی جس کے سود سے چراغ کے لئے تیل کا خرچ نکلتا تھا اور اصل میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی تھی۔

القاب

اِسکند گپت کے لئے معمولاً تو "کرمادتیہ" کا لقب استعمال ہوتا تھا، لیکن بعض

---

[1] رودردامن کا جوناگڑھ والا کتبہ، ایپی گرافیہ انڈکا، آٹھواں، صہ ۳۶، صہ ۴۹[2] اسکند گپت کا جوناگڑھ والا چٹانی کتبہ (کارپس انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا، نمبر۔ ۱۴، صہ ۵۶۔ صہ ۶۵[3] ملاحظہ ہو میرا مقالہ: رینجس ٹالریشن انڈر دا امپریل گپتاز، انڈین ہسٹری کوارٹرلی، جلد پندرہ نمبر ۱ (مارچ، ۱۹۳۹ء، صہ ۱۔ صہ ۱۲[4] کارپس انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا، صہ ۶۵، صہ ۶۸[5] ایضاً، صہ ۶۸۔ صہ ۷۲

چاندی کے سکوں میں زیادہ معروف لقب "وکرمادتیہ" بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اتفاق سے یہ بات بھی اس مقام پر قابل غور ہے کہ کہوم کے کتبہ میں ملتے کشتی پشت پیتیہ" یا ستلو راجاؤں کا آقا" بھی کہا گیا ہے۔

تاریخ

چاندی کے سکوں کی سند کے مطابق کمار گپت اول اور اسکند گپت کی آخر کا تاریخیں جو ہمیں معلوم ہیں وہ علی الترتیب ۴۵۵ اور ۴۶۷ء ہیں۔ اس لئے قیاس ہے کہ یہ دو حدیں ایسی ہیں جن کے درمیان اسکند گپت کے دور حکومت کا تعین کیا جا سکتا ہے۔

آخری دور کے شہنشاہ

اس میں شک نہیں کہ گپت خاندان کا وجود اسکند گپت کی موت کے بعد بھی باقی رہا۔ لیکن اس کی وہ اگلی شان و شوکت رخصت ہو گئی۔ تقریباً ۴۶۷ء میں اس کے بعد اس کا بھائی، یا سوتیلا بھائی، پور گپت، جو اننت دیوی کے بطن سے پیدا ہوا تھا تخت نشین ہوا۔ اننت دیوی کا نام ہمیں بھتری کی مہر کے کتبہ سے حاصل ہوا ہے [1] لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ اس کتبہ میں جو شجرہ مندرج ہے اس میں اسکند گپت کا نام شامل نہیں ہے۔ اس سے بعض عالم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ دونوں بھائیوں میں دشمنی تھی جس کے باعث دونوں میں آپس میں جنگ ہوئی اور سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ لیکن اس رائے میں کوئی وزن نہیں ہے کیونکہ قدیم ہندوستان کی لوحی دستاویزات میں اس قسم کی بھول چوک کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے، اس کے برخلاف دوسری شہادتیں قطعیت کے ساتھ ثابت کرتی ہیں کہ اسکند گپت ایک طاقتور حکمراں تھا اور تمام گپت سلطنت پر اس کی حکومت تھی۔ پور گپت کے سکوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے شری وکرمہ کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ جوزن کے کی رائے ہے کہ جن سکوں کے الٹے رُخ پر "پتر کاشادتیہ" سجع کندہ ہے وہ بھی اُسی سے منسوب ہونے چاہئیں [2] بہرحال اسکی

---

[1] جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۸۸۹ء ص ۸۴۔ ص ۱۰۵ [2] ایضاً، ص ۹۳۔ ص ۹۴۔ بعد میں جوزن
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سلطنت کی وسعت یا اس کے دورِ حکومت کا تعین صحت کے ساتھ کرنا مشکل ہے۔

نرسنگھ گپت

پورگپت کا جانشین اس کا لڑکا نرسنگھ گپت ہوا جو ونس دیوی کے بطن سے تھا۔ اس کا لقب بارادتیہ تھا، لیکن وہ ہونوں کے مشہور و معروف فاتح کے مماثل ہرگز نہیں تھا، جیسا کہ عام طور پر قیاس کیا جاتا ہے۔ نرسنگھ گپت کا دورِ حکومت غالباً بہت مختصر ہوا۔

کمارگپت دوم

نرسنگھ گپت کے بعد اس کا لڑکا کمارگپت جو مہالکشمی دیوی کے بطن سے تھا راجہ ہوا۔ پردادا سے تمیز کرنے کے لئے اسے کمارگپت دوم کہا جاتا ہے۔ اگر ہم اُسے سارناتھ والے کمارگپت کے مماثل قرار دیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ ۱۵۴ گپت سمبت مطابق ۳-۴۷۴ء میں "روئے زمین کی حفاظت" کر رہا تھا[۲]۔ اسی کے عہد میں (۵۲۹ مالوہ سمبت، مطابق ۳-۴۷۲ء) ریشمی کپڑا بننے والے جولاہوں کی بیوپاری انجمن نے وِشن پور میں ایک سوریہ مندر کی مرمت کرائی۔ اس مندر کی تعمیر ۴۹۳ مالوہ سمبت، مطابق ۷-۴۳۶ء، یعنی کمارگپت اول کے زمانے میں عمل میں آئی تھی[۱]۔

بُدھ گپت

سارناتھ ہی کے ایک دوسرے کتبہ کی سند کے مطابق بدھ گپت ۱۵۷ گپت

باقی حاشیہ پچھلے صفحہ کا: ...نے ان سکوں کو یشودھرمن سے منسوب کیا ہے۔ (جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۰۹، ص۱۳۵-۱۳۶) بہر حال ملاحظہ ہو ایلن، کیٹلاگ اینڈ کوائینس آف گپتا ڈائینسٹیز، تمہید ص ایک سو ایک تا ایک سو پانچ

[۱] اینول رپورٹ آرکیالاجکل سروے، ۱۵-۱۹۱۴ء۔ نمبر پندرہ، ص۱۲۴ [۲] مندسور کے پتھر کے کتبہ سے موازنہ کریں کارپس انسکرپشنم انڈیکارم، تیسرا نمبر ۱۸، ص۷۹-۸۸

سمبت مطابق ۷۶-۴۷۷ء میں تخت شاہی پر موجود تھا۔[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تخت نشینی کم وبیش ایک سال پہلے عمل میں آئی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان تینوں حکمرانوں کا دورِ حکومت جن کے ناموں کا انکشاف بھتری کی مہر والے کتبہ سے ہوا ہے بہت مختصر یعنی تقریباً آٹھ سال رہا۔ یہ واضح نہیں ہے کہ بدھ گپت کا ان ناموں سے کیا رشتہ تھا۔ یوان چوانگ لکھتا ہے کہ وہ شکرادتیہ کا لڑکا تھا، اور چونکہ سنسکرت زبان میں شکرؔ اور مہیندر دونوں اندر کے مترادف ہیں اس لئے ہوسکتا ہے وہ بدھ گپت اول کا بیٹا ہو جس نے مہیندرادتیہ کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ دمودر پور (ضلع دیناج پور)[2] سارناتھ (ضلع بنارس)، اور ایران (ضلع ساگور، مدھیہ پردیش)[3] میں جو کتبے دریافت ہوئے ہیں اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ بدھ گپت کی حکومت بنگال سے وسط ہند تک تمام ملک میں تسلیم کی جاتی تھی۔ اس وقت شمالی بنگال بدھ گپت کے نائب السلطنت برہم دتّ اور جے دت کے ماتحت تھا۔ مشرقی مالوہ کا صوبہ دار مہاراجہ ماتری وشنو تھا۔ کالندی (رمنا)، اور نرمدا کے درمیانی علاقہ کا انتظام بدھ گپت کے ایک جاگیردار مہاراجہ، سُرشمی چندر کے سپرد تھا۔

بھانوگپت

معلوم ہوتا ہے بدھ گپت کا دورِ حکومت ۱۹۵ گپت سمبت، مطابق ۹۴-۴۹۵ء کے فوراً بعد ختم ہوگیا، اور یہ وہ آخری تاریخ ہے جو ہمیں اس کے چاندی کے سکوں سے معلوم ہوتی ہے۔ اس کے بعد بھانوگپت گدی پر بیٹھا، لیکن اس کا رشتہ نامعتبر ہے۔ بھانوگپت کے عہد میں ہونوں نے مالوہ گپت خاندان سے چھین لیا۔ کیونکہ ماتری وشنو اگرچہ بدھ گپت کا نائب تھا، لیکن ماتری وشنو کے چھوٹے بھائی دھنیہ وشنو نے تورمان کی فرماں روائی تسلیم کر لی تھی۔[4] ایرن کا کتبہ ۱۹۱ گپت سمبت مطابق ۵۱۰ء[5] ثابت کرتا ہے کہ بھانوگپت کا سپہ سالار، گوپ راج ایک "بہت مشہور جنگ"[6] میں

---

[1] ایضاً، نمبر سولہ، ص۱۳۵؛ [2] ص۱۳۶؛ ایپی گرافیہ انڈیکا، پندرہ، تختی نمبر ۱۳ الف ۴، ص۱۳۴؛ ص۱۴۱؛ [3] کارپس انسکرپشنم انڈیکارم، تیسرا نمبر ۱۹، ص۸۸، صفحہ ۹؛ [4] ایضاً نمبر ۳۶، ص۱۵۸؛ ص۱۶۱؛ [5] ایضاً، ۲۰، ص۹۱۔ [6] ص۹۳

بظاہر ہونوں سے مقابلہ کے دوران کام آیا۔ اس کے بعد گپت حکومت زوال پذیر ہو گئی اور سوائے ان چند ناموں کے جو سکوں سے ہمیں ملتے ہیں گپت خاندان کے باقی افراد کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے۔ ان کی حکومت ایک چھوٹے سے علاقے میں محدود رہ گئی جس میں صرف بہار اور بنگال شامل تھے۔ صوبوں نے رشتہ توڑ کر خود مختاری اختیار کر لی۔ اور اپنی اپنی ڈفلی اور اپنا اپنا راگ الاپنے لگے۔

ضمیمہ

گپت شہنشاہوں کا سلسلۂ نسب

گپت (تقریباً ۲۷۵ - ۳۰۰ء)

گھٹوٹ کچ (تقریباً ۳۰۰ - ۳۱۹ء)

چندرگپت = اول. کمار دیوی (۳۱۹ - ۳۳۵ء)

رام گپت (۱) — چندرگپت دوم = دھرو دیوی (تقریباً ۳۷۵-۴۱۴ء)

کمار گپت اول (تقریباً ۴۱۴ - ۴۵۵ء)

اسکند گپت (تقریباً ۴۵۵ - ۴۶۷ء) — پوراگپت = ونس دیوی. — بدھ گپت (تقریباً ۴۷۵-۴۹۵ء)

نرسنگھ گپت = مہالکشمی دیوی — بھانو گپت (تقریباً ۵۰۵-۵۱۰ء)

کمار گپت دوم

آخری دور کے سکوں سے ہمیں وشنو گپت چندرادتیہ[۱] گپت دوم آدشادتیہ اور دوسرے نام دستیاب ہوتے ہیں لیکن ان کا کچھ اور حال یا ان کے باہمی تعلق کے بارے میں کوئی بات ہمیں کہیں نہیں ملتی۔

---

[۱] ایک مہر میں جو حال ہی میں نالندا میں دریافت کی گئی ہے وشنو گپت کو کمار، غالباً کمار گپت دوم کا بیٹا ظاہر کیا گیا ہے۔ لیکن اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ اس کی حکومت کب اور کہاں تھی۔ میں شکر گزار ہوں ڈاکٹر ڈالیکر کا جنہوں نے اس مہر کی طرف مجھے متوجہ کیا۔

تیرھواں باب

گپت عہد میں تہذیب و تمدن اور نئی طاقتوں کا عروج

فصل (۱)

عظیم الشان عہد

گپت شہنشاہوں کے دور حکومت کو اکثر ہندو تاریخ کے عہد زریں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس میں کئی بڑے قابل، ذہین اور طاقت ور حکمرانوں کا دور حکومت شامل ہے جنہوں نے شمالی ہند کے ایک بڑے حصّہ کو ایک سیاسی چھتری کے نیچے لاکر متحد و مستحکم کردیا اور باقاعدہ حکومت اور ترقی کے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ اُن کی حکومت میں اندرونی تجارت کو بھی فروغ ہوا اور غیر ملکی تجارت کو بھی اور ملک میں دولت کی فراوانی ہوگئی۔ اس اندرونی سکون و اطمینان اور خوشحالی و فارغ البالی کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ مذہب، ادب اور علم و فن کی ترقی کے لئے نئی شاہراہیں کھُل گئیں۔

مذہب۔ برہمن مذہب

اس عہد میں برہمن مذہب کا زور کافی بڑھ گیا۔ اس کی وجہ ایک بڑی حد تک تو یہ ہوئی کہ گپت راجاؤں نے جو برہمن مذہب کے پیرو تھے اور وشنو سے عقیدت رکھتے تھے، برہمن مذہب کی سرپرستی کی۔ لیکن خود برہمن مذہب میں جو حیرت انگیز لچک اور اثر پذیری کی داخلی صلاحیت موجود تھی اُسے بھی اس کی کامیابی میں بڑا دخل تھا۔ برہمن مذہب نے ان تمام عقائد، رسوم اور قدیم دیسی توہمات پر جنہیں عام مقبولیت حاصل تھی اپنی چھاپ لگاکر عوام کو اپنی طرف جیت لیا۔ اس کے علاوہ غیر ملکی حملہ آوروں کو جو ذات

بات سے بے نیاز تھے اس نے اپنے وسیع دامن میں پناہ دی جس سے اس کی قوت میں اضافہ ہوگیا اور سب سے بڑھکر یہ کہ پیش بندی کے طور پر اپنے مدمقابل یعنی بدھ مذہب کی بعض لطیف تعلیمات کو اپنے اندر سمو کر اور بدھا کو اپنے دس اوتاروں میں شامل کر کے اس نے بدھ مذہب کے منصوبوں کو مکمل شکست دے دی۔ چنانچہ جب یہ تمام نئی باتیں اس میں داخل ہو گئیں تو برہمن مذہب نے وہ صورت اختیار کر لی جسے آج ہندو دھرم کہتے ہیں۔ مختلف و متنوع دیوتاؤں کی پرستش اب اس کا شعار ہو گیا۔ جن میں وشنو، جسے چکر بھرت بھی کہا جاتا ہے، گداّدھر، جنارّدن، نارائنؑ واسوّدیو، گووندّ خاص طور پر نمایاں تھے۔ دوسرے دیوتا جنھیں عام مقبولیت حاصل تھی وہ شیو، شمبھوؔ[1] کارتکیہ[2] اور سوریہ تھے۔ دیویوں میں لکشمیؔ درگا یا بھگوتی، اور پاروتی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ برہمن مذہب قربانیوں پر زور دیتا تھا، کتبوں میں ان قربانیوں کی طرف جابجا اشارے ملتے ہیں۔ مثلاً آشومیدھ، واج پیہ، اگنشٹ لوم، آپ تریام، اتی راتر، پنچ مہایگیہ وغیرہ وغیرہ۔

بدھ مذہب

فاہیان جو ہر چیز کو بدھ مذہب کی عینک سے دیکھتا تھا اپنی سیاحت کے دوران کوئی علامت تنزل کی نہ دیکھ سکا لیکن اس میں کوئی کلام نہیں کہ گپت دورِ حکومت میں بدھ مذہب مدھیہ پردیش میں روبہ زوال ہو چکا تھا۔ گپت حکمرانوں نے کسی قسم کے جبر و تشدد سے کام نہیں لیا۔ وہ وشنومت کے سچے پیرو تھے لیکن انھوں نے اپنی میزان عدل کو متضاد عقائد کے مابین ہمیشہ متوازن رکھا۔ رعایا کو مکمل طور پر آزادیٔ ضمیر حاصل تھی۔ چندر گپت کے بدھ سپہ سالار آمر کاردو کی مثال تو خیر منفرد ہے لیکن اس طرح مملکت کے تمام اعلیٰ عہدوں کے دروازے بلا امتیاز مذہب و ملت ہر شخص کے لیے کھلے ہوئے تھے۔ موضوع سے ذرا ہٹ کر، بدھ مذہب کے زوال کے اسباب کی بحث میں الجھنے کی بجائے اس مقام پر صرف اتنا کہہ دینا مناسب

---

[1] شیو کو بھوت پتی، شول پانی، مہادیو، پتاکپن، ہر وغیرہ ناموں سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔

[2] دوسرے نام ہیں اسکند سوامی مہاسین۔

معلوم ہوتا ہے کہ بدھ مذہب کی فرقہ بندیوں اور بدھ سنگھ میں خرابیوں نے اس کی قوتِ حیات کو بالکل سلب کر دیا تھا اس کے علاوہ بدھا اور بودھی ستوؤں کی مورتی پوجا، بودھ دیوتاؤں کی مجموعی حیثیت سے پرستش کے رواج، مذہبی رسوم کی ادائیگی اور مذہبی جلوسوں نے بدھ مت کو اس کی دیرینہ لطافت و پاکیزگی سے اس قدر دور ہٹا دیا تھا کہ عام آدمی کے لئے اس میں اور ہندو مت میں کوئی خاص فرق باقی نہیں رہا تھا۔ چنانچہ اس کے ہندومت میں ضم ہونے کے لئے زمین خوب ہموار ہو گئی۔ آج اس مشابہت و مماثلت کی بہترین مثال نیپال میں پائی جاتی ہے جہاں بقول ڈاکٹر ونسنٹ اسمتھ "ہندو دھرم کا عفریت اپنے شکار یعنی بدھ مت کو آہستہ آہستہ ہڑپ کئے جا رہا ہے۔"[1]

جین دھرم

کتبوں سے جین مت کے وجود کا بھی پتہ چلتا ہے۔ لیکن جین مت کچھ اس لئے کہ اس میں نظم و ضبط کی پابندیاں زیادہ تھیں اور کچھ اس لئے کہ شاہی سرپرستی اسے حاصل نہیں تھی، زیادہ نمایاں نہیں تھا۔ جین مت اور دوسرے مذہبوں میں اتفاق و اتحاد پایا جاتا تھا، کیونکہ ایک شخص ندّر نامی جس نے پانچ مجسمے جین پتر ٹھنکروں کے نام منسوب کیے تھے برہمنوں کے مذہبی پیشواؤں کی محبت کا بے پناہ جذبہ اپنے دل میں رکھتا تھا۔[2]

مذہبی خیراتیں

نیک اور مخیر لوگ دنیا اور عقبیٰ میں سکون و مسرت حاصل کرنے کی غرض سے بڑی فیاضی کے ساتھ برہمنوں کو رہائش کے لئے قیام گاہیں (ستر) دان کرتے اور سونے

---

[1] ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن صفحہ ۲۰۲ کہوم کے پتھر کے ستونی کتبہ سے موازنہ کریں۔

[2] کارپس انسکرپشنم انڈیکارم، تیسرا نمبر ۱۵، صفحہ ۶۸۔ اس سے موازنہ کریں۔

'द्विजगुरुयतिषु प्रायशः प्रीतिमान य'

اور دیہی زمینوں (اگرہار) کی نذریں گذارتے تھے۔ مورتیاں اور مندر تعمیر کر کے بھی لوگ اظہار عقیدت کرتے تھے۔ مندروں کے لئے وہ مستقل رقمیں جمع کر دیتے تھے (اکشیہ نی وی) جن کے سود سے مندر میں تمام سال روشنی کا انتظام کیا جاتا تھا۔ اسے پوجا کا ضروری جز سمجھا جاتا تھا اسی طرح بدھ اور جین مذہب والے علی الترتیب بدھا اور تیرتھنکروں کی مورتیاں خیرات کے طور پر نصب کراتے تھے۔ بدھ مذہب کے لوگ بھکشوؤں کے رہنے کے لئے خانقاہیں (وہار) تعمیر کرتے تھے جہاں اُن کے لئے کھانا اور کپڑا مفت فراہم کیا جاتا تھا۔

سنسکرت کا احیا

برہمن مت کی تجدید کے ساتھ ساتھ سنسکرت کا استعمال اور اثر بھی بہت تیزی سے بڑھا۔ اس احیا کی بالکل ابتدائی منزل کی ایک سند جونا گڑھ میں رودردامن کے طویل چٹانی کتبہ میں ملتی ہے جس پر ۷۲ (شک سمبت؟) مطابق ۱۵۰ء پڑا ہوا ہے۔ لیکن اب اسے مستقل طور پر سرکاری زبان کی حیثیت سے لوحی دستاویزات اور مسکوکاتی سجعوں میں وقیع مقام دیا جانے لگا۔[1] پہلے پالی ذریعہ اظہار تھی لیکن اب بدھ مصنفین بھی مثلاً وسوبندھو اور دگ ناگ سنسکرت کو پالی پر ترجیح دینے لگے۔[2]

ادبی ارتقا

گپت عہد کا مقابلہ عام طور پر تاریخ یونان میں پیریُ کلیز کے عہد سے اور تاریخ انگلستان میں ملکہ ایلزبتھ کے عہد سے کیا جاتا ہے۔ گپت دورِ حکومت اس جہت سے ممتاز تھا کہ اس میں بہت سے نامور علما وفضلا موجود تھے جن کی تخلیقات نے نے ہندوستانی ادب کی مختلف اصناف کو مالا مال کر دیا۔ گپت حکمراں علم وفضل کی ہمت

---

[1] یہ بات قابل غور ہے کہ ایودھیا کا مختصر کتبہ (ایپی گرافیہ انڈکا، بیس، ص۵۴، ۵۸) جو پشیامتر کے عہد کا ہے (تقریباً ۱۸۴ ق۔م تا ۱۴۸ ق۔م) کلیتاً سنسکرت میں ہے، یہ سنسکرت زبان میں سب سے قدیم کتبوں میں سے ہے [2] بدھا خود سنسکرت استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ اُن کے وعظ رائج الوقت عوامی زبان میں ہوتے تھے۔

افزائی کرتے تھے اور خود بھی بہت تعلیم یافتہ تھے۔ ہم نے گزشتہ صفحات میں الہ آباد کے ستونی کتبہ کی سند پر سمدرگپت کے شاعری اور موسیقی میں کمالات کی طرف اشارہ کیا اس کے علاوہ وہ آفاقی روایت جس میں "نو ہیروں" (نورتن) کو قصّوں کہانیوں والے وکرمادتیہ سے ربط دیا گیا ہے، ظاہر کرتی ہے کہ چندرگپت دوم وکرمادتیہ کے دربار کے اس عظیم الشان ادبی حلقہ نے عوام کے دل و دماغ پر کتنا گہرا اثر مرتب کیا تھا۔ ان میں سب سے زیادہ ممتاز شخصیت بلاشبہ مشہور و معروف شاعر و تمثیل نگار کالیداس کی تھی جو غالباً مالوہ کا ساکن تھا۔ بدقسمتی سے اس کی تاریخ اب تک مشتبہ ہے یہاں تک کہ بعض عالم اس پر بضد ہیں کہ وہ ۵۰ ق۔م کی شخصیت ہے۔ لیکن کافی مضبوط قرائن ہمارے پاس اس رائے کے حق میں موجود ہیں کہ کالیداس کا تعلق گپت عہد سے تھا، نیز یہ کہ وہ چندرگپت دوم یا کمارگپت اول کا معاصر تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ چندرگپت دوم کی فتوحات کا ایک حوالہ رگھوونش میں رگھو کی "دِگ وِجے" کی مبالغہ آمیز تفصیلات میں دستیاب ہوتا ہے۔ کالیداس کی ایک اور رزمیہ نظم کمارسمبھو ہے؛ رِتوسنگھار اور میگھ دوت اس کی غنائی شاعری کے بہترین نمونے ہیں۔ اُسکے ناٹکوں میں ہم مالوکاگنی مترا، وکرم اُروشی اور شکنتلا کے بارے میں جانتے ہیں۔ آخرالذکر تو اس درجہ دلکش ہے کہ اس نے دنیا بھر کے عظیم ترین ادبی نقادوں سے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ گپت عہد میں اور بھی بہت سے پایہ کے شعرا موجود تھے لیکن کالیداس کی عظمت نے اُن کے فن کو پھیکا کر دیا، ہری شین اور وتس بھٹی، علی الترتیب سمدرگپت اور کمارگپت کے معاصر تھے۔ اُن کی تخلیقات پتھر کی سلوں پر کندہ ہیں اور بدستور ہم تک پہنچ گئی ہیں۔ مدراراکشش کا مصنف، وشاکھ دت، فرہنگ نویس، امرسنگھ جس نے امرکوش مرتب کی، مشہور و معروف طبیب دھن ونتری اور عظیم بدھ عالم جن کا ذکر ہم نے گزشتہ سطور میں کیا، سب اسی عہد سے تعلق رکھتے تھے۔ مزید برآں، برہمنوں

لے ناگپور یونیورسٹی جرنل، نمبر ۵ دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۲۲، مسٹر ٹی جے کیدر نے اپنے فاضلانہ مقالہ "کالیداس اس کا مولد تاریخ" میں اس پر بحث کی ہے کہ کالیداس شنگ عہد کی شخصیت ہے۔ نیز یہ کہ وہ غالباً بھاگ بھدر یا بھاگ وت کا آوردہ تھا۔ مسٹر کیدر اسکے بھی قائل ہیں کہ کالیداس مالوہ کا باشندہ تھا اور دیوگری میں پیدا ہوا تھا

نے اپنے ادب کو اپنے بے شمار عقیدت مندوں کے جذبات سے ہم آہنگ کرنے اور ان پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کی غرض سے اُس پر اسی زمانے میں نظرثانی کی۔ پُرانوں نے جن میں گپت خاندان کا ذکر ہے اسی عہد میں اصلاح و تصحیح کے بعد وہ شکل اختیار کی جو آج تک موجود ہے۔ اسی طرح منو سمرتی میں بھی ترمیم کی گئی جو تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں انھیں مذہباً جائز قرار دینے کے لئے دوسری سمرتیاں مثلاً یاگیہ ولکیہ سمرتی، بھاسیہ" یا سوتروں کی تفسیریں لکھی گئیں۔ ہیئت اور ریاضیات کے میدان میں بڑے جم کر کام ہوا، اور آریہ بھٹ (ولادت: ۴۷۶ء)، وراہ مہر (۵۰۵-۵۸۷ء) اور برہم گپت (ولادت: ۵۹۸ء) نے سائنسی ادب کی مختلف اصناف میں حیرت انگیز اضافے کئے معلوم ہوتا ہے وہ یونانی ہیئت سے بھی واقف تھے کیونکہ اپنی تصانیف میں انھوں نے بہت سی یونانی اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔

تعلیم

اس عہد کی علمی اور ادبی سرگرمیوں کے نتائج کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ رائج الوقت نظام تعلیم بہت عمدہ اور باقاعدہ تھا۔ بدقسمتی سے اس موضوع پر ہماری معلومات بہرحال مایوس کُن حد تک ناکافی ہے۔ کتبوں سے معلوم ہوتا کہ استادوں کو اس وقت آچاریہ اور اُپادھیائے کہا جاتا تھا، لیکن برہمن عالموں کے لئے بھٹ کا لقب بھی استعمال ہوتا تھا۔ برہمنوں کی امداد کے لئے جاگیر میں گاؤں دیے جاتے تھے اور مخیر لوگ اپنے عطیات سے بھی انہیں نوازتے تھے۔ برہمنوں کے تمام چیلے جو شِشیہ یا برہم چارِن کہلاتے تھے۔ شاکھاؤں اور چرنوں یعنی اُن ویدی مدرسوں میں جمع ہو جاتے تھے جو کسی مخصوص وید کے اصلاح شدہ نسخہ کی تعلیم دیتے تھے[1] ان اصلاح شدہ نسخوں میں سے کتبوں میں میترائے نیئے، تیتریہ لئے اور واجسَنِ نیئے اور بعض دوسرے نسخوں کا ذکر آتا ہے۔ رہا مضامین کا سوال تو اُن کے بارے میں ہماری معلومات یہ ہے کہ اس وقت چودہ علوم (چتردش ودیا) کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یعنی چاروں وید، چھ وید آنگ، پُرانَ مِیُ مانُ سا، نیائے، اور دھرم یا قانون۔ کتبوں میں شالاتری یہ (یا تیتی)،

---

[1] بہرحال یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ شاکھا اور چرن اب معدوم ہو گئے تھے۔

کی وِیا کرَن داشٹ آدھیائی) اور شت ساہیری سَن ہتا یعنی مہا بھارت کا بھی ذکر آتا ہے۔ ان مضامین کے علاوہ یقین ہے کہ غیر مذہبی اور دنیاوی ادب کا جو ذخیرہ موجود تھا اس کی ضرور تعلیم دی جاتی تھی۔

زمانہ کے رواداری مزاج کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بودھ علوم کے عظیم مرکز نالندہ کی بنیاد شکرادتیہ، غالباً کمار گپت اول نے رکھی، جس نے تقریباً پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں ایک خانقاہ وقف کی۔ اس کے بعد بدھ گپت تتھاگت گپت، بالادتیہ اور دوسرے گپت حکمرانوں نے مزید عطیات سے اُسے نوازا۔ نالندا میں نصاب تعلیم بہت جامع تھا اور کچھ بعد تو اس کا مقام اتنا بلند ہو گیا کہ نہ صرف ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے بلکہ بیرونی ممالک سے سینکڑوں تشنگان علم بھی علمی و روحانی پیاس بجھانے یہاں آتے تھے۔

گپت عہد کے سکّے

سمدرگپت (یا چندرگپت اول ؟) کے سب سے پرانے سونے کے سکّے ۱۱۸ سے ۱۲۲ گرین تک وزن رکھتے ہیں، شکل وصورت اور وزن میں کشن راجاؤں کے سکّوں سے بہت مشابہ ہیں، سکّوں پر غیر ملکی اثر اس سے ثابت ہے کہ گپت عہد کے کتبوں میں کشن نام "دینار" استعمال ہوا ہے جو لاطینی ڈینیریس سے مشتق ہے۔ بہرحال چندرگپت دوم نے جس کے سکّوں کا وزن ۱۲۴ سے ۱۳۲ گرین تک تھا کشن (رومی) سکّوں والے وزن میں تبدیلی کردی؛ اور بعد ازاں اسکندگپت نے اُس وزن کو بالکل ترک کر دیا اور ہندوسُوَرْن کا معیاری وزن (۱۴۶ گرین) اختیار کر لیا۔ کشترپ علاقوں کی فتح کے بعد گپت راجاؤں نے شک معیار کے مطابق چاندی کے ۳۲ گرین والے سکّے بھی جاری کیے، بعد میں اِسکند گپت نے اُن کا وزن بڑھا کر کارشاپان کی برابر کر دیا۔ اس مقام پر یہ کہہ دینا بھی مناسب ہے کہ گپت راجاؤں کے تانبے کے سکّے بہت کم یاب ہیں اس کی وجہ غالباً یہ ہے جیسا کہ فاہیان نے بھی لکھا ہے کہ چھوٹے موٹے لین دین میں کوڑی بطور سکّہ کے استعمال ہوتی تھی۔

فنِ تعمیر

گپت راجاؤں کے عہد حکومت میں فن تعمیر کو بہت فروغ ہوا، لیکن کئی سبب ایسے جمع ہو گئے جن کے باعث اس دور کے آثار باقیہ زیادہ تعداد میں موجود نہیں ہیں. گپت عہد کی بہت سی عمارتیں دست برد زمانہ کی نذر ہو گئیں. بعض کا ملبہ لوگوں کی تعمیری ضروریات میں کام آگیا. باقی جو مسلم افواج کے راستہ میں آگئیں، وہ ان کے مذہبی جنون کا شکار ہوگئیں، اس لئے ہماری افواج کا دارومدار اس عہد کے چند باقیات الصالحات ہیں. اور وہ بھی سب مذہبی عمارتیں ہیں، غیر مذہبی ان میں کوئی نہیں ہے. ڈاکٹر ونسنٹ اسمتھ نے ایسے دو مندروں کا ذکر ہے. اُن میں سے ایک جو دیوگڑھ (ضلع جھانسی) میں ہے اس کی دیواروں کی منبت کاری میں نقاشی کے خوبصورت نمونے موجود ہیں دوسرا بھتر گاؤں (ضلع کانپور) میں ہے جو انیٹ اور مسالہ سے بنی ہوئی مورتیوں کے لئے مشہور رہے ہے اس مقام پر اجنتا کے غاروں کا تذکرہ بھی ضروری ہے جو گپت عہد کے فنی کارناموں کی بہترین مثال ہیں. اُن میں سے اکثر مختلف زمانوں میں ٹھوس پتھر سے تراشے گئے ہیں، لیکن بعض ایسے ہیں جو غالباً زیر نظر عہد میں زمین کھود کر بنائے گئے تھے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ گپت عہد کے انجنیئروں کی فنی صلاحیتوں کی زبانِ حال سے شہادت دے رہے ہیں.

مجسمہ سازی

سارناتھ اور دوسرے مقامات پر جو دریافتیں ہوئی ہیں اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ گپت عہد میں مجسمہ سازی کا فن معراج کمال کو پہنچ گیا تھا. اس عہد میں گندھارا فن کے اثرات رفتہ رفتہ زائل ہونے لگے. اور اب جو مجسمے بدھا کے بنائے گئے ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نورانی بالوں سے مزین ہیں، بدھا کو چست لباس پہنایا گیا ہے جس میں جلدِ بدن جھلکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور بالوں کو خاص انداز سے ترتیب دیا گیا ہے سارناتھ میں جو بے شمار مجسمے گپت دور کے ملے ہیں اُن میں سب سے زیادہ دیدہ زیب اور خوبصورت شاید وہ ہے جس میں بدھا کو وعظ دینے کے انداز میں بیٹھے

ہوئے دکھایا گیا ہے (دھرم چکر مُدرا) اپنے آقا کی زندگی کے مختلف مناظر کے علاوہ ہندو دیومالا کے جو واقعات پیش کئے گئے ہیں ان میں غیر معمولی پاکیزگی پائی جاتی ہے۔ مجموعی طور پر گپت عہد کے فنکاروں کی امتیازی شان یہ ہے کہ ان کا عمل حرکت و زندگی سے مملو، آورد کے عیب سے پاک، اور تکنیک کے اعتبار سے مکمل ہے۔

مصوّری

اجنتا (ریاست حیدرآباد) کے غار جن کے اندرونی حصّہ کو بہ افراط دیواری تصویروں سے آراستہ کیا گیا ہے، ظاہر کرتے ہیں کہ مصوّری کے میدان میں بھی فن کاروں نے مہارت کا اعلیٰ معیار حاصل کر لیا تھا۔ اُن غاروں کی تاریخ پہلی صدی عیسوی سے ساتویں صدی عیسوی تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس طرح بعض غار یقیناً اس عہد سے بھی متعلق ہیں۔ ایک صاحب ذوق مُبصر کی رائے میں "اجنتا کی مصوری کمال فن کا بہترین نمونہ ہے، اس میں روایت پسندی ہے مگر وضع داری کے ساتھ۔ اس کے نقش و نگار میں تنوع ہے جن سے شستگی جھلکتی ہے؟ اور رنگ روپ اور شکل و صورت میں حسن و دلکشی اس قدر نمایاں ہے کہ اسے قدیم دنیا کے بہترین فن کے زمرہ میں شامل کئے بغیر چارہ نہیں ہے"[1] اجنتا کے مدرسۂ فن کا حلقۂ اثر آگے بڑھ کر ریاست گوالیار میں باغ کے غاروں تک پہنچ گیا۔ باغ کے غاروں کی تصویریں بھی اعلیٰ معیار رکھتی ہیں اور بے پناہ تنوع کی مظہر ہیں۔

دھات کا کام

گپت عہد کے کاریگر دھات کے کام میں بھی ماہر تھے۔ یہ بات بدھا کے تانبے سے بنے ہوئے کئی دیوپیکر مجسموں، نیز دلی کے قریب مہرولی کے آہنی ستون کی دریافت سے ثابت ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گپت عہد کے کاریگر خام دھاتوں کو صاف کرنے کے فن میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ صدیوں

---

[1] ملاحظہ ہو گرفتھس، اوی پینٹنگز آف دی بدھسٹ کیوز آف اجنتا

تک دھوپ اور بارش کی زد میں رہنے کے باوجود ستون ابھی تک زنگ آلود نہیں ہوا ہے۔

حرکت و عمل کے اسباب

اب ہم گپت عہد کے تہذیب و تمدن پر تبصرہ ختم کر رہے ہیں اس لئے لازمی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ علمی اور فنی سرگرمیوں کا جو طوفان اٹھا تو اس کے آخر اسباب کیا تھے۔ ڈاکٹر ونسنٹ اسمتھ کی رائے ہے کہ "غیر ملکی تہذیبوں سے ربط و تعلق اس کا خاص سبب تھا" [1] اس حقیقت کو بلا شبہ بڑی آسانی سے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان اور چین کے درمیان اور ہندوستان اور مغربی دنیا کے درمیان آمد و رفت کا سلسلہ مستقل جاری رہا۔ کیونکہ فاہیان جیسے عقیدت مند زائرین سرزمین بدھا کی زیارت کے لئے پے در پے آتے رہے اور اسی طرح ہندوستان نے بھی کمار جیو جیسے ممتاز دانشوروں کو بدھ مذہب کی تبلیغ کے لئے اس آسمانی بادشاہت میں بھیجا (۳۸۳ء) مزید برآں گپت سلطنت کے حدود بڑھ کر جب سوراشٹر اور گجرات کے بندرگاہوں تک پہنچ گئے تو مغرب کے ساتھ ہندوستان کی غیر ملکی تجارت کو فروغ ہوا۔ کہتے ہیں کہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ خیالات کے بہاؤ کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا جس کا ردعمل ہندوستانی دماغ پر بہت اہم ہوا۔ لیکن ان تمام ترقیوں کے لئے سب سے بڑا محرک وسیع النظر اور کشادہ دل گپت راجاؤں کی حکومت تھی۔ جس میں خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ رہا۔ گپت راجاؤں نے جس والہانہ انداز میں علم و فن کی سرپرستی کی ایک بڑی حد تک اسی کی بدولت اتنے شاندار و کارآمد نتائج برآمد ہوئے۔

---

[1] ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن صفحہ ۳۲۳ چین اور مغربی ممالک کے علاوہ ہندوستان کا تعلق جزائر شرق الہند یا جزیرہ نمائے ملایا سے بھی پیدا ہوا اور اس کا سبب تجارت بھی تھی اور یہ بھی تھا کہ ہندوستان کے عالی حوصلہ فرزند نو آبادیاں قائم کرنے کی کوشش کر رہے تھے، جاوا، کمبوڈیہ، سماترا اور دوسرے جزیروں کے آثار قدیمہ پر گپت طرز تعمیر کی چھاپ نظر آتی ہے۔

فصل (۲)

واکاٹک

ان کی اہمیت

حکمراں خاندانوں میں سے ایک بہت طاقتور خاندان واکاٹکوں کا تھا جو گپت راجاؤں کے زمانے ہی میں حکومت کر رہا تھا۔ اُن کے کتبے، نیز پُران تصدیق کرتے ہیں کہ جب ان کا آفتاب اقبال نصف النہار پر تھا تو اپنے کمزور پڑوسیوں پر اقتدار رکھنے کے علاوہ تمام بندیلکھنڈ، مدھیہ دیش، برار، اور ساحل سمندر تک شمالی دکن پر اُن کا مکمل تسلط تھا۔

نام کی اصل

ڈاکٹر جیسوال کی رائے ہے کہ واکاٹکوں نے بندیلکھنڈ میں عروج حاصل کیا اور ریاست اوڑچھا میں "باگاٹ" نامی مقام کے نام پر ان کا نام واکاٹک پڑا[1]۔ یہ بھی قیاس کیا گیا ہے کہ وہ برہمن تھے، لیکن اس نکتہ پر ہمارے پاس شہادت بہت ناکافی ہے، کیونکہ اجنتا کے ایک کتبہ میں خاندان کے مورث اعلیٰ کے لئے "دوج" کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے جس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واکاٹک خاندان چھتری تھا۔

خاندان کے ممتاز حکمراں

اس خاندان کا پہلا راجا وندھیہ شکتی تھا جس سے معلوم ہوتا ہے تیسری صدی

---

[1] واکاٹکوں کے کئی کتبے اجنتا میں پائے گئے ہیں اور ان سے بعض غاروں کی تاریخوں کے تعین میں ہمیں ٹھیک مدد ملتی ہے۔ برار کے واکاٹکوں پر ملاحظہ ہو ونسنٹ اسمتھ (جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۹۱۴ء، صفحہ ۳۱۷ صفحہ ۳۳۷) گووند پائی "واکاٹکوں کے شجرے اور ترتیب وار تاریخ" جرنل آف انڈین ہسٹری، چودہ (۱۹۳۵ء)، صفحہ ۲۶۱، ۲۹۸، ۲۰۴

عیسوی کے ربع آخر میں حکومت قائم کی۔ چونکہ اس کے لڑکے پرورسین اول (پرانوں کا پیٹرویٹر) نے سمراٹ کا لقب اختیار کر لیا تھا اس لیے ظاہر ہے کہ وہ قابل ذکر شخصیت کا مالک تھا۔ اس نے چار بار آشومیدھ اور دوسری قربانیاں مثلاً واج پیہ اور برہسپتی سوا انجام دیں۔ اس کے لڑکے گوتمی پتر نے بھارشیو راجہ بھوناگ کی لڑکی سے شادی کی، لیکن وہ تخت نشین نہیں ہوا۔ اگلا حکمراں پروسین اول کا پوتا، رودرسین اول راجہ ہوا جسے الہ آباد کے ستونی کتبہ والے رودردیو کے مماثل بتایا گیا ہے جس کے بارے میں اس میں لکھا ہے کہ سمدر گپت کے ہاتھوں اس نے شکست کھائی۔ اس کے بعد وسط ہندوستان گپت راجاؤں کے قبضہ میں چلا گیا اور واکاٹکوں کی توجہ کا مرکز دکن بن گیا۔ رودرسین اول کے لڑکے اور جانشین پرتھوی سین اول نے کنتل (شمالی کناڑی اضلاع) کو تسخیر کیا۔ آخر الذکر کے بیٹے رودرسین دوم کا عہد اس لئے ممتاز ہے کہ اس نے چندر گپت کی لڑکی پربھاوتی گپت سے شادی کی جو کبیرناگ کے بطن سے تھی۔ اس طرح دونوں خاندان متحد ہو گئے اور اس اتحاد نے گپت راجہ کو مغربی ہندوستان کے شکوں کا مقابلہ کرنے میں تقویت پہونچائی۔ یہ ازدواجی تعلق واکاٹکوں کی ترتیب وار تاریخ میں ایک نکتۂ قائم کی حیثیت رکھتا ہے۔ شوہر کے انتقال کے بعد اپنے بیٹے کے ولی کی حیثیت سے پربھاوتی نے حکومت کی اس کے بعد کئی اور راجہ ہوئے۔ اور آخر میں پانچویں صدی عیسوی کے اختتام پر ہری شین واکاٹک کا رواج شروع ہوا۔ کہتے ہیں کہ اس نے کنتل، اونتی (مالوہ)، کلنگ (یعنی مہاندی اور گوداوری کا درمیانی علاقہ) کوشل (مہاکوشل یا مشرقی مدھیہ پردیش)، تریکوٹ (غالباً کونکن)، لاٹ (جنوبی گجرات) اور آندھرا (گوداوری اور کرشنا کا درمیانی علاقہ) میں بے شمار فتوحات حاصل کیں۔ اگر ان دعوؤں میں ذرا بھی جان ہے تو یقیناً ہری شین کی فوجیں مغربی ساحلوں سے لے کر مشرقی گھاٹ تک تمام وسط ہند میں پہنچیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مہمیں کچھ زیادہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئیں۔ آخر کار چھٹی صدی عیسوی کے ربع دوم میں جنوبی ہند کے کلاچوریوں نے واکاٹکوں کی طاقت کو بالکل ختم کر دیا۔

فصل (۲)

ہُون اور ہشو دھرمن

ہُونوں کی نقل حرکت

ہیونگ نو یا سنسکرت ادب اور کتبوں کے ہُون یوہچیوں کو شکست دینے اور شمالی مغربی چین کے علاقوں سے انھیں بے دخل کرنے کے بعد تقریباً ۱۶۵ ق.م پہلی بار منصۂ شہود پر آئے۔ کچھ عرصہ بعد ہُونوں نے "تازہ میدانوں اور نئے نئے سبزہ زاروں کی تلاش میں اپنا رُخ مغرب کی طرف موڑ دیا۔ اُن کی ایک شاخ وادیٔ سیحون کی طرف بڑھی اور یِ تھائی لِی یا اِف تھالائٹس (رومی مصنفین والے سفید ہُون) کہلائی۔ دوسرا گروہ رفتہ رفتہ یورپ پہونچ گیا جہاں وہ اپنے وحشیانہ مظالم کے باعث ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بدنام ہو گئے۔ سیحون سے ہُون تقریباً ۴۴۰-۴۲۰ء کے درمیان جنوب کی طرف چل پڑے اور افغانستان اور شمالی مغربی دروں کو پار کر کے آخرکار ہندستان میں داخل ہو گئے۔

گپت سلطنت پر حملہ

ہم نے گذشتہ باب میں دیکھا کہ ہُون ۴۵۸ء سے قبل گپت سلطنت کے مغربی حصہ پر حملہ آور ہوئے، لیکن اسکندر گپت نے اپنی فوجی قابلیت سے بڑی ہمت و دلیری کے ساتھ انھیں پیچھے ڈھکیل دیا۔ بھِتری کے ستونی کتبہ کی اصل عبارت یہ ہے کہ "جب وہ میدان جنگ میں ہونوں سے دوبدو مقابلہ کے لئے آیا اپنے دونوں بازؤں سے زمین ہلادی [1]" اس کے بعد چند سال تک ملک ان کے حملوں کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہا۔ بہرحال، ۴۸۴ء میں انھوں نے شاہ فیروز کو شکست دی اور

---

[1] کارپس انسکرپشنم انڈکارم جلد ۳، صفحہ ۵۵

قتل کر دیا۔ جب قوتِ مقاومت نے بالکل جواب دے دیا تو یہ بھیانک بادل ایک بار پھر ہندوستان کے اُفق پر منڈلانے لگے۔ ہونوں کے گروہ کے گروہ اب ٹڈی دل کی طرح ہزاروں کی تعداد میں ہندوستان میں اُبل پڑے اور انجام کار گپت سلطنت کے زوال کا باعث ہوئے۔

تورمان

اس نئی یلغار کا رہنما غالباً تورمان تھا جس کا حال ہمیں راج ترنگنی، کتبوں، اور سکوں سے معلوم ہوتا ہے۔ ان شواہد سے واضح ہے کہ گپت سلطنت کے مغربی علاقوں کے کئی بڑے بڑے ٹکڑے انھوں نے جھپٹ لئے اور وسط ہند تک اپنا سکہ جما لیا۔ اس علاقہ کی فتح ۱۶۵ گپت سمبت، مطابق ۴۸۴ - ۴۸۵ء میں فوراً اس وقت عمل میں آئی جب مہاراجہ ماتری وشنو وہاں بدھ گپت کے باجگذار کی حیثیت سے حکومت کر رہا تھا[1] یہ فتح یقیناً اسی پشت میں مکمل ہو گئی تھی، کیونکہ ماتری وشنو کے چھوٹے بھائی دھنیہ وشنو نے تورامان کے دورِ حکومت کے پہلے سال میں وراہ کا ایک مجسمہ وشنو سے منسوب کیا اور اس طرح تورمان کی سرداری قبول کر لی[2] واقعتاً یہ بھی عین ممکن ہے کہ یہ "بہت مشہور جنگ"، جس میں ایرن کے ایک کتبہ مورخہ ۱۹۱ گپت سمبت، مطابق ۵۱۰ء[3] کے مطابق، بھانو گپت کا سپہ سالار گوپ راج مارا گیا، خود ہون فاتح کے مقابلہ میں لڑی گئی ہو۔ گپت سلطنت سے مالوہ کا نکل جانا ایک عظیم نقصان تھا، کیونکہ اس کے بعد گپت راجاؤں کا اقتدار مگدھ اور شمالی بنگال سے آگے کہیں باقی نہیں رہا۔

مِہِر کُل

تورمان کے بعد اس کا لڑکا مہرکل (مہرکل) راجہ ہوا۔ روایات میں اسے ایک

---

[1] ایضاً، نمبر ۱۹، صـ۸۸ صـ۸۹ [2] ایضاً نمبر ۳۶، صـ۱۵۸ - صـ۱۶۱

[3] کارپس انسکرپشنم انڈیکارم، جلد ۳، صـ۹۱ صـ۹۳

ایسے ظالم و جابر حکمراں کی حیثیت سے پیش کیا گیا جو لوگوں کے ساتھ بڑی سفاکی اور قساوت کا برتاؤ کرتا تھا اور اس برتاؤ سے حظ حاصل کرتا تھا۔ یوان چوانگ کہتا ہے کہ مہر کل (مو۔ ہی۔ لو۔ کی۔ لو) نے پُرامن بودھوں پر مظالم کیے اور بڑی بے دردی سے اُن کے استوپوں اور خانقاہوں کو تباہ و برباد کیا۔ اس نے مگدھ کے راجا بالادتیہ پر حملہ کیا۔ مگر شکست کھائی۔ اُسے قید کر لیا گیا۔ لیکن بعد میں رہا کر دیا گیا۔ مہر کل نے نے بعد میں کشمیر میں پناہ لی۔ وہاں کے حکمراں نے اُس کے ساتھ بڑا فیاضی کا سلوک کیا۔ مہر کل نے اس مہربانی سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور ریشہ دوانیوں سے اپنے محسن کے تخت و تاج پر قبضہ کر لیا۔ لیکن وہ اپنے اس غاصبانہ قبضہ کا زیادہ دنوں لطف نہ اٹھا سکا اور ایک سال کے اندر انتقال کر گیا۔ اس واقعہ کی خبر بدشگونیوں نے پہلے ہی دے دی تھی۔ چینی زائر کی شہادت میں داستان کے پوست سے حقائق کا مغز نکالنا مشکل ہے۔ ہم یقین کے ساتھ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ بالادتیہ کون تھا۔ بس اتنا جانتے ہیں کہ وہ نرسنگھ گپت بالادتیہ کے مماثل نہیں تھا۔ آخر الذکر ۱۴۳ء گپت سمبت ۴۵۹ء ۶۱۵ سے پہلے حکومت کر رہا تھا اور یہ وہ تاریخ ہے جو اس کے جانشین کمار گپت دوم کے لئے متعین کی گئی ہے۔ اس عہد میں بالادتیہ کا لقب ہر راجہ کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ جی دت گپت دوم کے بُرنا رک[1] والے کتبہ میں، نیز بُرکما دتیہ[2] کے سارناتھ والے کتبہ میں، اس نام کے راجہ یا راجاؤں کا ذکر آتا ہے۔ آر۔ ڈی بنیرجی نے ان کتبوں والے بالادتیہ کو اُس بالادتیہ کے مماثل قرار دیا ہے جس کا ذکر یوان نے چوانگ نے کیا ہے[3] آر۔ ڈی۔ بنیرجی کی اس رائے میں کافی وزن ہے۔ بالادتیہ کے دوسرے کارنامے کچھ بھی ہوں اس حد تک بات یقینی ہے کہ اس نے مہر کل کے حملہ کو کامیابی کے ساتھ دفع کیا۔

یشودھرمن

اس مقام پر ہمیں چاہیے کہ ذرا توقف کر کے اس کتبہ کا جائزہ لیں جو مغربی

---

[1] کارپس انسکرپشنم انڈیکارم، تیسرا نمبر ۴۶ صفحہ ۲۱۳، صفحہ ۲۱۸ [2] ایضاً، نمبر ۷۹، صفحہ ۲۸۴، صفحہ ۲۸۶

[3] پری ہسٹارک انیشنٹ انڈیا ہندو انڈیا صفحہ ۱۹۲

مالوہ میں منڈسور کے ستون پر کندہ ہے اور دیکھیں کہ اس سے ہمیں کیا معلومات فراہم ہوتی ہے۔ اس کتبہ نے جَینندر یشودھرمن کے معرکوں کو زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ اپنی حدودِ سلطنت سے بے نیاز ہوکر.... اس نے ان ممالک کو فتح کرلیا جن پر پہلے گپت راجہ کبھی قبضہ نہ کرسکے تھے..... اور اُن ممالک پر حملہ آور ہوا جن میں ہونوں کے سردار بھی داخل نہ ہو سکے تھے[1] مزید براں، دریائے لوہتیہ (برہم پتر) سے لے کر کوہ مہیندر تک، اور ہمالیہ سے لے کر بحرِ مغربی تک سرداروں نے اسے خراج عقیدت پیش کیا۔ اس سے بھی زیادہ اہم یہ بیان ہے کہ مشہور و معروف مہرکل نے "اس کے پاؤں پر اپنا سر رکھ کر"[2] اس سے اظہارِ وفاداری کیا۔ ہوُن راجہ نے یقیناً ۵۲۲-۵۳۲ء کے درمیان اس کے ہاتھوں ہزیمت اٹھائی۔ دلیل یہ ہے کہ منڈسور کے ایک دوسرے کتبہ میں جس پر ۵۸۹ وِکرم سمبت پڑا ہوا ہے، عام طور پر یشودھرمن کی قصیدہ خوانی کی گئی ہے اور مہرکل کی بابت کچھ بھی نہیں کہا گیا ہے۔

اب سوال یہ ہے: ہم اس لوحی شہادت کو یوآن چوانگ کے بیان سے کس طرح ہم آہنگ کریں؟ ونسنٹ اسمتھ کا نظریہ کہ یشودھرمن اور بالادتیہ نے ہونوں کے مقابلہ کے لئے ایک اتحادِ سیاسی قائم کرلیا تھا طبعزاد تو ہوسکتا ہے لیکن اعتماد کے قابل ہرگز نہیں ہے اور کلیتاً قیاس پر مبنی ہے۔ اس سے بہتر رائے یہ ہے کہ مہرکل کو دو موقعوں پر شکست فاش ہوئی۔ مگدھ کے علاقہ میں بالادتیہ کے ہاتھوں اور وسطِ ہند میں یشودھرمن کے مقابلہ میں مہرکل کی طاقت کو فنا کرنے کا سہرا بھی اسی کے سر ہے یہ بھی حقیقت ہے کہ یوان چوانگ نے واقعات کو دیدہ و دانستہ مسخ نہیں کیا ہے۔

---

[1] یشودھرمن کا منڈسور والا کتبہ، کارپس انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا، نمبر ۳۳، ص ۱۴۶، سط ۱۴۵۔ اس سے موازنہ کریں۔

ये भुक्ता गुप्तनाथैर्न सकलवसुधाक्रान्तिदृष्टप्रतापै-
र्नाज्ञा हूणाधिपानां क्षितिपतिमुकुटाध्यासिनी यान्प्रविष्टा ।
चूडापुष्पोपहारैर्मिहिरकुलनृपेणार्चितं पादयुग्मम् ।

[2] ایضاً، اس سے موازنہ کریں۔

یا تو اُسے واقعات کا صحیح علم نہیں ہو سکا، یا یہ کہ اس کے دل میں بدھ مذہب کا خیال بسا ہوا تھا، اس نے اپنے برادر مذہبی یعنی بالادتیہ کے کارناموں پر زیادہ زور دیا۔

مہر کل کی موت

مہر کل کی موت کا بالکل ٹھیک سن معلوم نہیں، البتہ اگر وہ گولاس "شاہ ہندوستان" کے مماثل ہے، جس کا ذکر ۴۰ھ میں سکندریہ کے راہب کوزمن انڈکا لیئٹیز نے کیا ہے تو ہو سکتا ہے اس کی حکومت کا سلسلہ اب محدود علاقہ پر اس سن تک جاری رہا ہو۔ مہر کل کے بعد ہونوں میں کوئی عظیم رہنما نہیں پیدا ہوا، جو اپنی فرماں روائی از سر نو قائم کر سکتا۔ لیکن کتبے اور ادبی تصانیف پوری طرح ثابت کرتی ہیں کہ شمالی ہندوستان کے سیاسی ماحول میں وہ ایک زبردست قوت کی حیثیت سے کئی صدی بعد تک باقی رہے۔ یہاں تک کہ بالآخر آہستہ آہستہ ہندو معاشرہ میں ضم ہو گئے۔

فصل (۳)

ولبھی کے راجا[له]

خاندان کی بنیاد

حالانکہ ابتدا میں اسکند گپت نے ہونوں کی مزاحمت کی، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی یلغار نے سوتے ہوئے فتنوں کو جگا دیا۔ ہندوستان میں ہمیشہ یہی ہوا کہ جب کبھی مرکزی طاقت کمزور ہوتی یا اس کی گرفت دور دراز کے صوبوں پر ذرا ڈھیلی ہوتی تو دبی ہوئی مفسدہ پرواز قوتیں فوراً مستعد و متحرک ہو جاتی تھیں۔ سب سے

[له] نیز ملاحظہ ہو این۔ اے۔ ولبھی کے میترک، انڈین ہسٹاریکل کوارٹرلی، جلد چہارم (۱۹۲۸ء) صفحہ ۴۵۳- صفحہ ۴۷۴۔

پہلے جس نے گپت سلطنت سے قطع تعلق کیا۔ وہ سوراشٹر تھا، جہاں سینا پتی بھٹارک نے ولبھی (بھاؤنگر کے قریب بمقام والا) میں تقریباً پانچویں صدی عیسوی کے آخری دہوں میں ایک نئے خاندان کی بنیاد رکھی۔

اصل

بھٹارک کا حسب نسب ایک نزاعی مسئلہ ہے خواہ وہ میتریک قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا یا میتریک قبیلہ اُس کے خاندان کا دشمن تھا، ؎۱ یہ تو علیحدہ بحث ہے لیکن اس میں شک و شبہ کی ذرا گنجائش نہیں ہے کہ بھٹارک اِسی سرزمین کا باشندہ تھا اور ایرانی نژاد نہیں تھا جیسا کہ ونسنٹ اسمتھ نے قیاس کیا ہے۔ ؎۲

طاقت کا عروج

اس خاندان کے بے شمار کتبے دریافت ہوئے ہیں اور اُن سب پر گپت سمبت یا گپت ولبھی سمبت پڑا ہوا ہے لیکن سوائے ناموں کے ایک سلسلہ کے کوئی کارآمد سیاسی معلومات اُن سے بہم نہیں پہنچتی۔ پہلے تین حکمراں قطعی طور پر خود مختار نہیں تھے ؎۳ کیونکہ سلسلہ کے بانی اور اُس کے جانشین دھروسین اول کو محض سیناپتی کہا گیا ہے اور بھٹارک کے تینوں بیٹے۔ درون سنہا، دھروسین اول، اور دھرپٹ جنھوں نے یکے بعد دیگر حکومت کی، انھوں نے صرف مہاراجہ کا لقب اختیار کیا۔ لیکن یہ بات واضح نہیں ہے کہ وہ کس کی فرماں روائی تسلیم کرتے تھے۔ کیا انھوں نے تھوڑے عرصے کے لئے برائے نام ہی سہی، گپت اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کیا؟ یا پھر انھوں نے

؎۱ اختلاف رائے کا سبب یہ ہے کہ سنسکرت کے مرکبات کا تجزیہ کرنا دشوار ہے۔ ؎۲ آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا، صفحہ ۱۶۲، یہ بات تعجب کی ہے کہ میترک قریب قریب ہونوں کے ساتھ اقتدار حاصل کرتے ہیں۔ کیا یہ ہونوں کے کسی طبقہ قبیلہ کے لوگ تھے؟ ؎۳ مثال کے طور پر کلیہ کی تانبے کی تختی میں تحریر ہے کہ مہاراجہ درون سنہا کو راجہ بنانے کے تمام آداب و رسوم "حاکم اعلیٰ نے بذات خود انجام" دیں۔ (کارپس انسکرپشنم انڈیکارم، تیسرا، نمبر ۳۸، صفحہ ۱۶۵، سنہ ۱۶۸)

ہونوں کی اطاعت قبول کی جو ہندوستان کے مغربی اور وسطی حصوں پر چھائے ہوئے تھے؟

دھروو سین

خاندان کی طاقت بتدریج بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ ہم دھروو سین دوم کے عہد تک پہنچ جاتے ہیں۔ اُسی کے عہد میں یوآن چوانگ ولبھی پہنچا۔ ولبھی کے بارے میں وہ لکھتا ہے "یہاں کا حکمراں نسلاً چھتری۔ مو۔لا۔پو (مالوہ)، کے سابق راجہ شیلادتیہ کا بھتیجا اور کانیہ کبج کے حکمراں شیلادتیہ کا داماد ہے۔ اُس کا نام تو۔مُو۔پو۔پُو۔" تا (یعنی دھرو دبھٹ)، تھا۔ اس کے مزاج میں جلد بازی اور خیالات میں سطحیت تھی لیکن وہ بدھ مت کا بہت مخلص پیرو تھا۔[1] اگر اس عبارت والا شیلادتیہ ولبھی کے شیلا دھتیہ دھرمادتیہ (تقریباً ۵۹۵ء۔۶۱۲ء) کے مماثل ہے اور یہ بات قریب قریب یقینی ہے، تو بہ آسانی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ مالوا اور اس کا مغربی حصہ فتح کے بعد اُسی کے زمانے میں اس کی آبائی سلطنت میں شامل کیا گیا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قنوج کے راجہ ہرش وردھن نے دھروو سین دوم یا دھرو وبھٹ پر حملہ کیا جس ابتدا میں ہزیمتیں اٹھائیں اور آخرکار بڑوچ کے ددّا کے یہاں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔ بالآخر ولبھی کے راجہ نے ددّا کی مدد سے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت پھر سے حاصل کر لی۔ بہر نہج یہ بات یقینی ہے کہ جب یوآن چوانگ اس سے ملنے گیا ہے تو وہ تخت و تاج حاصل کر چکا تھا۔ اپنے سابقہ دشمن دھروو بھٹ کی لڑکی سے شادی کرنے کے بعد اُس نے بعد میں اس کے حلیف اور داماد کی حیثیت سے پریاگ میں ہرش کی مجلس میں شرکت کی۔[2]

دھرسین چہارم

ولبھی کا اگلا حکمراں دھروو سین دوم کا لڑکا، دھرسین چہارم ہوا چونکہ اس نے

---

[1] واٹرس، دوسرا صفحہ ۲۴۲، بیل، دوسرا صفحہ ۲۶۷، لائف صفحہ ۴۹ [2] دیکھیں آئندہ صفحات

تمام شاہانہ القاب پرم بھٹارک مہاراجہ دھراج پرم ایشور اور چکر ورتن اختیار کر لئے تھے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک زبردست شخصیت کا مالک تھا۔ اس نے ۳۳۰ گپت سمبت، مطابق ۶۴۹ء میں "اپنی فوجی چھاونی" سے روبجے اسکندھاوار (جو بھاروکچھ یا بڑوچ میں واقع تھی) ایک فرمانِ جاگیر جاری کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے گوجروں کو شکست دے کر اقتدار حاصل کیا اور اس کے بعد وہ اسی کی سرداری میں رہے۔ اُسی کے عہد حکومت میں بھٹی نامی شاعر نے اپنی مشہور و معروف کاویہ تصنیف کی [1]

تاریخ مابعد

دھرسین چہارم کے بعد اس خاندان کی حکومت ایک صدی سے زیادہ عرصہ تک باقی رہی۔ خاندان کے آخری راجہ، شیلادتیہ ہفتم کی تاریخ جو ہمیں معلوم ہے وہ ۴۴۷ گپت سمبت مطابق ۷۶۶ء ہے۔ لیکن ان بعد کے حکمرانوں کے حالات ہمیں بہت کم معلوم ہیں۔ البتہ ولبھی کی اہمیت کم نہیں ہوئی اور ساتویں صدی عیسوی کے ربع چہارم میں آئی سنگ نے اُسے نالندا کی طرح مغربی ہندوستان میں علوم و فنون کے ایک عظیم مرکز کی حیثیت میں پایا، اگرچہ سلطنت سوراشٹرا اور گجرات اور مالوہ کے کچھ حصوں سے آگے کبھی نہ بڑھ سکی، لیکن اس محدود علاقہ میں تقریباً تین صدیوں تک اس کا ستارۂ اقبال عروج پر رہا اور آخرکار وہ سندھ کی طرف سے ہونے والے عرب حملوں کا شکار ہوگئی۔

فصل (۵)

مگدھ کے آخری گپت راجہ

اُدیتیہ سین [2] کے اپھ سڑ (ضلع گیا) والے کتبہ سے، نیرجی دت گپت [2] کے

---

[1] ملاحظہ ہو کھیڑا (کیڑا) فرمان: انڈین اینٹی کویری، پندرھواں، (۱۸۸۶) ص ۳۳۵، ۳۴۲

[2] حاشیہ ۲-۳ اگلے صفحہ پر دیکھیے۔

دیو برنارک (ضلع شاہ آباد) والے کتبہ سے منکشف ہوا ہے کہ گپت راجاؤں کے ایک اور سلسلہ کا وجود پایا جاتا تھا جسے آج کل کے مورخین نے آخری گپت راجاؤں کا نام دیا ہے۔ اس خاندان کا بانی کشن گپت تھا، لیکن بدقسمتی سے گپت شہنشاہوں سے ٹھیک ٹھیک تعلق کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ وہ خود اور اس کے دونوں جانشین ہرش گپت اور جی دِت گپت مگدھ میں اس درمیانی وقفہ میں برسرِ حکومت رہے جو بھانو گپت کے مرنے کے بعد شروع ہوا اور ۶۱۱ (مالو سمبت!) مطابق ۵۵۴ء یعنی کمار گپت سوم کے عہد حکومت پر ختم ہوا۔ یہ تاریخ ہمیں ایشان ورمن موکھری کے ہرہ والے کتبہ[1] سے حاصل ہوئی ہے جس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اس نے کمار گپت سوم سے شکست کھائی۔ اس فتح کے بعد کمار گپت نے اپنی حدودِ سلطنت کو پریاگ تک بڑھالیا۔ کیونکہ ہمیں اس قسم کے اشارے ملتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے مراسم تجہیز وتکفین وہیں انجام دیئے گئے[2]۔ اگلے حکمراں داسودر گپت نے اپنے موکھری معاصر[3] سے شکست کھائی اور مارا گیا۔ آخرالذکر نے مگدھ یا اُس کے بڑے حصہ کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ ہرش چرت سے پتہ چلتا ہے کہ داموَدر گپت کا لڑکا مہاسین گپت مشرقی مالو کی طرف نکل گیا۔ پرِبُوراجک مہاراجاؤں کے کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مالوُاب تک گپت راجاؤں کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کرتے تھے۔[4] یہاں مہاسین گپت نے اپنی طاقت کو مستحکم کیا اور اپنی فوجوں کو سُستھت ورمن کے خلاف لوُہتیہ

(پچھلے صفحہ کا باقی حاشیہ جات

काव्य रचित मया वलभ्यां श्रीधरसेननरेन्द्र पालितायाम्।

[2] اس سے موازنہ کریں۔

[3] کارپس انسکرپشنم انڈیکارم، تیسرا، نمبر ۴۲، صفحہ ۲

[1] اپی گرافیہ انڈیکا چودھواں، صفحہ ۱۱۰، صفحہ ۱۲۰ [2] کارپس انسکرپشنم انڈیکارم، تیسرا صفحہ ۲۰۲، نمبر ۳ واقعہ یہ ہے کہ اس دلیل میں بجائے خود زیادہ وزن نہیں ہے۔ [3] اپھسڑ کے کتبہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دمودر گپت جو مکھری راجہ کے طاقتور ہاتھیوں کی مغرورانہ شان کے ساتھ بڑھتی ہوئی صفوں کو توڑ کر بے ہوش ہوگیا (اور جنگ میں جان بحق ہوگیا) (کارپس انسکرپشنم انڈیکارم تیسرا صفحہ ۲۰۳، ۲۰۶، ۸-۱) اسمیں شک نہیں کہ اس مقام پر دمودر گپت کی فتح کے بارے میں وہی روایتی دعویٰ کیا گیا ہے لیکن لڑائی کا نتیجہ یقیناً اس کے خلاف برآمد ہوا، کیونکہ اس کے متعلق ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ جنگ میں مارا گیا۔ (حاشیہ[4] اگلے صفحہ پر دیکھیے)

(برہم پتر) تک لے گیا۔[1] اس کے لڑکے دیوگپت نے بنگال کے شاشانک کو اپنا حلیف بنالیا۔ اور قنوج کے گرہ ورمن موکھری کے خلاف اپنی فوجیں لے کر بڑھا اور اُسے قتل کردیا۔ اس قتل کا انتقام، بہرحال، بہت جلد راجیہ وردھن نے لے لیا اور دیوگپت کو شکست دی اور قتل کرڈالا۔ ہرش وردھن نے اسی خاندان کے مادھو گپت نامی لڑکے کو اپنے جاگیردار نائب السلطنت کی حیثیت سے مگدھ کی گدی پر بٹھادیا، تاکہ شاشانک کے حملوں کے وقت اس کی طاقت کو کام میں لایا جاسکے۔ مادھو گپت کے لڑکے اُدیتہ سین نے جس کے بارے میں شاہ پور کے پتھر کے مجسمہ والے کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۶۶ ہرش سمبت، مطابق ۶۷۲ء تک بقید حیات موجود تھا۔ ہرش کی وفات کے بعد کافی لیاقت کا ثبوت دیا اور اپنے خاندان کو آزاد کرایا اور اس کی اہمیت اور عزت و وقار میں اضافہ کیا۔ اس نے تمام شاہانہ القاب اختیار کرلئے اور آشومیدھ یگیہ کیا۔ اس نے بڑے فخر کے ساتھ دعویٰ کیا کہ میری حکومت ''تمام روئے زمین پر سمندر کے ساحلوں تک'' پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے بعد کئی کمزور راجہ گدی پر بیٹھے[2] اور خاندان کے آخری حکمراں جی وِت گپت دوم کی وفات کے بعد مگدھ کی قسمت کا ستارہ کچھ عرصہ کے لئے گردش میں آگیا۔

فصل (۶)

موکھری[3] خاندان

قدامت

گپت شہنشاہوں کے زوال کے بعد موکھریوں نے شہرت حاصل کی، لیکن اس

(حاشیہ[1] گزشتہ صفحہ)

[2] مثال کے طور پر ملاحظہ ہوں مہاراجہ سنک شوبھ کی تختیاں جن پر ۲۰۹ گپت سمبت مندرج ہے (کارپس انسکرپشم انڈکارم، نمبر ۲۵، صفحہ ۱۱۳۔ صفحہ ۱۱۶)، ۲۱۴ گپت سمبت۔ اُچھ کلپ مہاراجہ سروناتھ کی کھوہ والی تختیاں (ایضاً، نمبر ۳۱، صفحہ ۱۳۵۔ صفحہ ۱۳۹)؛ اپی گرافیہ انڈکا، پندرھواں، صفحہ ۱۲۵)۔ [3] کارپس انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا نمبر ۴۲، صفحہ ۲۰۳
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قسم کے اشارے ملتے ہیں کہ موکھری نام[1] شاید پانینی کو معلوم تھا اور پتنجلی کو بھی۔ اُن کی قدامت ایک مٹی کی مہر سے بھی ثابت ہوتی ہے جس پر براہمی رسم خط میں جو موریہ راجاؤں کے زمانہ میں رائج تھا۔ یہ سجع کندہ ہے۔ "مَوکھُ ری نن" یعنی موکھلیوں (موکھریوں) کا۔[1]

اصل

موکھریوں کی اصل غیر یقینی ہے۔ ہرش چرت نے انھیں مُکھر[2] سے مشتق بتایا ہے لیکن ہرہ کے کتبہ کے مطابق وہ ان سو بیٹوں کی اولاد تھے جنھیں راجہ اَشوپتی نے وَیوَسْوَت (منو) سے حاصل کیا تھا۔[3] ان کا مورث اعلیٰ جو بھی ہو ہرش کے کتبوں کی شہادت سے نیز اس بات سے کہ موکھریوں کے تمام نام ورمن پر ختم ہوتے ہیں، یہ بات واضح ہے کہ وہ کشتری تھے۔[4]

اُن کی شاخیں

ایک طویل عرصے تک شمالی ہند کی سیاسیات میں موکھریوں کو ایک اہم مقام حاصل رہا۔ چھوٹے چھوٹے کتبوں سے جو ریاست کوٹہ میں حال ہی میں دریافت

(سابقہ صفحہ کے بقیہ حاشیے)

ص۲۰۶، ۱۱-۱۰-۱۱[2] کارپس انسکرپشنم انڈ کارم، تیسرا، نمبر ۴۳ ص۲۱۹، ص۲۲۱[3] ان میں سے ایک راجہ یعنی مہاراجہ دھراج پرم ایشور شری وشوگپت کا ایک کتبہ حال ہی میں منگراؤہ (ضلع شاہ آباد) میں دریافت ہوا ہے اس پر اس کے عہد کے سترھویں سال کی تاریخ پڑی ہوئی ہے۔ اسے ڈاکٹر الٹیکر شائع کر رہے ہیں) [4] ملاحظہ ہو میری ہسٹری آف قنوج، دوسرا باب ص۲۰، ص۲۶

[1] آرکیلاجیکل سروے آف انڈیا رپورٹ، پندرھواں ص۱۶۶ [2] ہرش چرت، ترجمہ کاول اور ٹامس ص۱۲۸ [3] ایپی گرافیہ انڈ کا، چودھواں، ص۱۱۹ اشلوک ۳ - بہرحال اگر ضلع گیا کے مَوہری، جو وَشیہ ہوتے ہیں، انھیں موکھریوں کی اولاد ہیں جیساکہ جیسوال کا قیاس ہے ملاحظہ ہو واکیری دامو کھریز اینڈ واسنگ ایچ، ص۸، نمبر ۱) تو یقیناً بادشاہت چھوٹ جانے کے باعث یا پیشہ کی تبدیلی کے باعث ان کا سماجی درجہ پست ہو گیا۔

ہوئے ہیں، موکھری سرداروں کے ایک سلسلہ کا پتہ چلا ہے جو مہا سینا پتی لقب رکھتے تھے[1] ان پر سن ۲۹۴ کرت (مالو؟) مطابق ۲۲۰ء(؟) پڑا ہوا ہے۔ تیمر ابر اور ناگارجنی کے پہاڑی کتبوں میں[2] تین موکھری راجاؤں کا ذکر ملتا ہے جن کے نام ایک ہی سلسلے میں مندرج ہیں۔ اس میں وہ رسم خط استعمال کیا گیا ہے جو پانچویں صدی عیسوی میں رائج تھا۔ لیکن اس میں سب سے اہم خاندان قنوج کا تھا۔ اس شاخ کے پہلے تین حکمراں بعد کے گپت راجاؤں سے ازدواجی رشتہ بھی رکھتے تھے اور غالباً سیاسی طور پر بھی ان کے باعث تھے۔ ایشان ورمن اور سرو ورامن کے دور حکومت میں دونوں گھرانوں میں خوب رسہ کشی ہوئی جس کے نتائج کی طرف سطور بالا میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔ ایشان ورمن پہلا شخص تھا جس نے خاندان کی شان کو دوبالا کیا اس نے اندھروں پر فتح پائی۔ سور لکوں کو (جن کی شناخت اطمینان بخش صورت سے نہیں کی جا سکی ہے) شکست دی، اور گوڑوں کو اپنی قلمرو کے حدود میں رہنے پر مجبور کر دیا[3] اس کے لڑکے سرو ورامن نے شمال ومغرب کے ہونوں اور دمودر یہ گپت کو شکست دی[4] اونتی وورمن کے بارے میں ہمیں زیادہ نہیں معلوم اس کے لڑکے اور جانشین گرہ ورمن کو جس کی شادی تھانیشور کے پربھاکر وردھن کی لڑکی راجیشری کے ساتھ ہوئی تھی، مالوہ کے دیوگپت نے قتل کر دیا۔ اس طرح قنوج کے راجاؤں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ لیکن اس کے بعد موکھری

---

[1] ملاحظہ ہو ایپی گرافیہ انڈکا تیسواں نمبر، ص۲۱۱۔ ص۵۲ [2] کارپس انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا نمبر ۴۸-۵۰، ص۲۲۱۔۳۔ ص۲۲۸ [3] ایپی گرافیہ انڈکا، چودھواں ص۱۱۷۔ ص۱۲۰ اشلوک ۱۳ حسب ذیل سے موازنہ کریں۔

जित्वान्ध्राधिपतिं सहस्रगणितत्रेधाक्षरद्वारणं
व्यावल्गन्नियुतातिसंख्यतुरगान्भङ्क्त्वा रणे शूलिकान् ।
कृत्वा चायतिमोचितस्थलभुवो गौडान्समुद्राश्रया —
नध्यासिष्ट नतक्षितीशचरणः सिंहासनं यो जिती ॥

[4] کارپس انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا نمبر ۴۲، ص۲۰۳۔ ص۲۰۶ ۱۱-۸-۹

بالکل نابود نہیں ہوگئے۔ ادتیہ سین کے زمانے میں ایک شخص بھوگ ورمن کا نام ہمارے علم میں آتا ہے جسے بہادر موکھری نسل کے .... ہیروں کا سرتاج کہا گیا ہے [1]

قنوج کے موکھری برہمن مت کے سچے پیرو تھے۔ سیاسی طاقت کے اس نئے مرکز کا عروج انھیں کے کارناموں کا نتیجہ تھا۔ قریب قریب تمام اُتر پردیش اور مگدھ کے بڑے حصہ پر مشتمل یہ مرکز ایک واحد طاقت ور ریاست میں تبدیل ہوگیا تھا۔ موکھری تاریخ کے سلسلہ وار واقعات کی اہم تاریخیں یہ ہیں۔ ۶۱۱ (مالو؟ ۔ وکرم سمبت) مطابق ۵۵۴ء جس کا ذکر ہرہ کے کتبہ میں آتا ہے [2] اور ۶۰۶ء جو گرہ ورمن کے قتل کی تاریخ ہے۔

---

[1] انڈین انیٹی کویریز نواں، ص ۱۷۱، ص ۱۸۱/۱ اشلوک ۱۳

[2] اپی گرافیہ انڈکا، چودھواں، ص ۱۱۵، ص ۱۲، پانچواں ۲۱۰

چودھواں باب

تھانیشور اور قنوج کا راجہ ہرش وردھن[1]

کافی مواد کے باعث اہمیت میں اضافہ

ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں ایک نیا ستارہ آسمانِ سیاست پر نمودار ہوا۔ اور وہ تھا ہرش وردھن۔ ہرش وردھن نہ تو اشوک کی سی بلند آہنگ شائیت رکھتا تھا اور نہ اس میں چندر گپت موریہ کی سی فوجی قابلیت پائی جاتی تھی۔ پھر بھی اس کی شخصیت نے مورخین کو ان دونوں عظیم حکمرانوں کی طرح اس کی طرف متوجہ کر دیا ہے۔ ایک بڑی حد تک اس کا سبب یہ ہے کہ دو ہم عصر تصانیف ہمارے پاس موجود ہیں — یعنی بان کی ہرش چرت اور یوآن چوانگ کی سی یو کی یا اس کا سفر نامہ، جن کی تصدیق جا بجا لوحی شواہد[2] سے، نیز ہوئی لی کی لکھی ہوئی لائف آف یوآن چوانگ سے ہوتی ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو میری ہسٹری آف قنوج، (بنارس ۱۹۳۷ء) ص ۶۱-۱۸۷۔

[2] ملاحظہ ہو بانس کھیرا کی تانبے کی تختی (ایپی گرافیہ انڈکا، چوتھا، ص ۲۰۸-۲۱۱)؛ مدھوبن سی۔ پی۔ (ایضاً۔ پہلا، ص ۶۷-۷۵)؛ سون پت کی تانبے کی مہر (کارپس انسکرپشنم انڈکارم تیسرا، نمبر ۵۲، ص ۲۳۱-۲۳۲) اس کے علاوہ نالندا کی مہریں (ایپی گرافیہ انڈکا، اکیس اپریل ۱۹۳۱ء، ص ۷۴-۷۶)؛ نیز ایپھول میتلوجی کا پبلیکیشن دوم والا کتبہ (ایپی گرافیہ انڈکا، چھٹا، ص ۱-۱۲)

ہرش کے مورث

ہرش چرت کی سند کے مطابق ہرش کے آباواجداد سب شری کنٹھ (تھانیشور) کے علاقے میں حکومت کرتے تھے۔ ہرش چرت نے اس کا شجرہ ایک بہت قدیم شخصیت نپ بھوتی سے ملایا ہے، جو شیومت کا پیرو تھا۔ لیکن کتبوں میں ہرش سے پہلے اس کے اجداد میں صرف چار پشتوں تک نام ملتے ہیں۔ سلطنت کی بنیاد نرور دھن نے پانچویں صدی عیسوی کے اواخر یا چھٹی صدی عیسوی کے اوائل میں رکھی۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں ہونوں کے حملے ہو رہے تھے۔ اس کا پوتا خاص طور سے اس لیے معروف ہے کہ اس کی شادی مہاسین گپتا کے ساتھ ہوئی جو غالباً بعد والے گپت حکمران مہاسین گپت کی بہن تھی۔ پربھاکر وردھن کی حکمرانی میں سلطنت کی وسعت میں اضافہ ہوا اور اثرات بڑھ گئے۔ خاندانی کتبوں میں مہاراجا دھراج اور پرم بھٹارک کا لقب اختیار کرنے والا وہ پہلا حکمران ہے۔ ہرش چرت نے اُسے "ہونوں کے ہرن کے لیے شیر، ملک سندھ کے راجہ کے لیے تیز بخار، گجرات (گرجروں) کی نیند حرام کر دینے والا اس مست ہاتھی گندھارا کے راجہ کے لیے مہلک طاعون، لاٹوں کی لاقانونیت کا رہزن اور مالوہ کی عظمت کی بیل کے لیے کلہاڑی" کہا ہے[1]۔ لیکن اس سے ہمیں یک لخت یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے کہ ان سب ریاستوں کو جن کے نام اس عبارت میں آئے ہیں نرور دھن نے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔ ہماری رائے میں دوسرے حکمرانوں کے مقابلے میں پربھاکر کی عظمت و جلالت کو محض شاعرانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ جس وقت یوآن چوانگ آیا تو تھانیشور کی سلطنت کا دائرہ ۷۰۰۰ لائی یا ۱۲۰۰ میل سے زیادہ نہیں تھا۔ اس کی شمال مغربی سرحدیں پنجاب میں ہونوں کے علاقے سے ملتی تھیں اور شمال میں غالباً پہاڑیوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ مشرق میں سلطنت

---

[1] ہرش چرت ترجمہ کاول اور تامس ملاحظہ۔ اس سے موازنہ کریں

हूणहरिणकेशरी
सिन्धुराजज्वरो गुर्जरप्रजागर गन्धाराधिपगन्धद्विपकूटपाल...
लाटपाटवपाट च्चर मालवलक्ष्मीलतापरशु

(ہرش چرت کلکتہ ایڈیشن، صفحہ ۲۴۴)

قنوج کی موکھری ریاست سے ملحق تھی اور مغرب اور جنوب کی طرف اس میں پنجاب اور راجپوتانہ کے ریگستان کا کچھ حصّہ شامل تھا۔ ہرشں کو ورثہ میں نہ صرف یہ آبائی علاقے ملے، بلکہ قنوج کی گدی بھی ملی جس پر موکھریوں کا قبضہ تھا، اور اس سلسلے میں کچھ ایسے المناک واقعات پیش آئے جن کا ذکر ہم مندرجہ ذیل سطور میں کریں گے۔

ابتدائی حیثیت

جب ۶۰۵ ء میں پربھاکر وردھن کا انتقال ہوگیا تو تھانیشور کا تخت و تاج راجیہ وردھن کے حصے میں آیا۔ ہونوں کو شکست دینے کا کام باپ نے اس کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ اس فرض سے سبک دوش ہونے کے فوراً بعد وہ سیدھا راجدھانی کی طرف واپس لوٹا۔ لیکن ابھی اس صدمے کے اثرات پوری طرح زائل نہیں ہونے پائے تھے کہ آسمان سے ایک نئی آفت اُس پر نازل ہوگئی۔ اُسے یہ اندوہ ناک خبر ملی کہ مالوہ کے راجہ نے، جو مدھوبن اور بانس کھیڑا کے کتبوں والے دیوگپت کے مماثل ہے، ان کے بہنوئی گرہ ورمن پر حملہ کر دیا ہے اور اُسے قتل کر ڈالا ہے، نیز یہ کہ ان کی بہن راجیشری کو کانیہ کبج کے ایک تہہ خانے میں قید کر دیا ہے۔ تھانیشور کے خلاف بھی مالوہ کے راجہ کے ارادوں کی شہرت تھی۔ سنؔ واؔدک نامی قاصد نے دونوں راجکماروں کو اس سے بھی آگاہ کیا[1]۔ یہ سنتے ہی راجیہ وردھن اپنے اس "ناہنجار دشمن" کو پسپا کرنے کی غرض سے اپنی فوجیں لے کر فوراً چل کھڑا ہوا۔ اس نے غالباً عقب لشکر کی حفاظت کے لیے ہرشں کو پیچھے پیچھے آنے کی ہدایت کی۔ دونوں راجکماروں کی قسمت کا ستارہ اس وقت گردش میں تھا اور قدم قدم پر ان کے لیے رکاوٹیں پیدا ہورہی تھیں اور اس کے بعد نوعمر ہرشں کی باری آئی اور اُسے بھی سیاست کے اس بحرِ طوفاں خیز میں کودنا پڑا۔ کچھ عرصے کے بعد اُسے معلوم ہوا کہ گو راجیہ وردھن نے مالوہ کی فوج کو "بے حد آسانی" کے ساتھ شکست دے دی ہے، لیکن گوڑ کے راجہ[2] نے، جو

---

[1] ہرش چرت، ترجمہ کاول اور ٹامس، صفحہ ۱۷۳

[2] کہتے ہیں کہ شاشانک نے "فرمانبرداری اور دوستی کا ثبوت دینے کے لیے اپنی لڑکی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یوآن چوانگ کے شی تسنگ کیا (شاشانک) کے مماثل ہے، اسے دھوکے سے قتل کردیا۔ گوڑ کا راجہ اپنی دور دراز ریاست سے اپنے حلیف دیوگپت کی امداد کے لیے اتنی دور سے آیا تھا۔ دیوگپت کی شکست کا بدلہ لینے کے بعد شاشانک نے قنوج پر قبضہ کرلیا اور قنوج کی فوج کی توجہ ہٹانے کے لیے، جو اس وقت بھنڈی کی سپہ سالاری میں تھی، گوڑ کے راجہ نے موکھریوں کی بیوہ رانی راجیہ شری کو جو اپنی ہی راجدھانی میں اب تک نظر بند تھی، آزاد کردیا۔ حالات نے غیر متوقع طور پر جب یہ رخ اختیار کرلیا تو اب تنہا ہرش "شخص تھا جو دھرتی کو سنبھال سکتا تھا"؛ چناں چہ تھانیشور کی آبائی راج گدی پر وہ بیٹھ گیا۔ اس کا پہلا اور اہم ترین فرض اپنی بہن کو مصیبت سے نجات دلانا اور اس کے بعد قنوج کو شاشانک کے قبضے سے چھڑا کر اسے اس کے کرتوتوں کی سزا دینا تھا۔ ان مقاصد کو پورا کرنے کی غرض سے ہرش نے ایک بڑی فوج کے ساتھ کوچ کیا۔ راستہ میں اس نے آسام کے راجہ بھاسکرورمن سے دوستانہ تعلقات استوار کیے جس کی تکمیل آخرالذکر کے پیامبر ہنس ویگ کے ذریعے عمل میں آئی۔ ہرش بہت جلد بھنڈی سے جاملا اور وہاں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ راجیہ شری کو رہا کردیا گیا ہے اور یہ کہ رہائی کے بعد اس نے وندھیابن کی طرف راہِ فرار اختیار کرلی ہے۔ اسے بہن کی تلاش کے لیے جی توڑ کوشش کرنی پڑی اور آخرکار اسے عین اس وقت پالیا جب وہ خودکشی پر آمادہ ہورہی تھی۔ اس کے بعد ہرش اپنی بہن کو لے کر اپنے فوجی کیمپ کو لوٹ آیا۔ اس مقام پر پہنچ کر ہمارا ماخذ ہرش چرت یک لخت خاموش ہوجاتا ہے۔ لیکن اسی اثنا میں معلوم ہوتا ہے کہ شاشانک

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا) کی شادی راجیہ وردھن کے ساتھ کرنے کی پیش کش کردی؛ اور جب راجیہ وردھن اس کی طرف سے غافل ہوکر اس پر اعتماد کرنے لگا اور نہتھا اور تنہا رہ گیا" تو گوڑ کے راجہ (شاشانک) نے اس کا (راجیہ وردھن کا) اس کی اپنی قیام گاہ پر کام تمام کردیا" (ہرش چرت، ترجمہ کاول اور تھامس "مٹ")۔ اس سے موازنہ کریں۔

तस्मात् च हेलानिर्जितमालवानीकमपि गौडाधिपेन मिथ्योपचारोपचितविश्वासं मुक्तशस्त्रं एकाकिनं विश्रब्धं एव भ्रातरं व्यापादितमश्रौषीत्

(ہرش چرت، کلکتہ اڈیشن، ص ۲۳۶)

نے جب ہرش کی فوجوں کی آمد کا حال سُنا تو اُس نے سوچا کہ مصلحتِ وقت سے کام لینا بھی عین شجاعت ہے۔ چنانچہ بجائے اس کے کہ خم ٹھونک کر میدانِ جنگ میں آئے، اس نے قنوج چھوڑ دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تھانیشور اور کام روپ (آسام) کے درمیان اتحاد ہونے کے بعد اس کے لیے پیش و عقب دونوں طرف سے بڑا خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ مالوہ کی شکست اور غالباً دیوگپت کی موت کے بعد بھنڈی نے مالوہ کی فوجوں کو ہر قسم کی امداد سے محروم کر دیا تھا۔ شاشانک نے جب یہ دیکھا کہ اُسے ایک تازہ دم لشکر کا مقابلہ کرنا ہے، تو اس کی فوجی حکمتِ عملی کا تقاضا یہ ہوا کہ اس موقع پر وہ شاندار پسپائی اختیار کرے۔ اس طرح قنوج حکمراں سے بالکل خالی ہو گیا، اس لیے وہاں سخت افراتفری پھیل گئی۔ کیا راجیہ شری سے درخواست کی جاتے کہ وہ عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے؟ لیکن غالباً اپنے رنج والم کے سبب، یا پھر اس لیے کہ بُدھ مذہب کی تعلیمات کے باعث وہ گوشہ نشینی کی طرف مائل تھی، وہ حکمرانی کی عظیم ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے تیار نہ ہوئی۔ چوں کہ موکھری خاندان کا کوئی اور وارث موجود نہ تھا، اس لیے قنوج کے اربابِ حل و عقد نے پوٗنی کی رہنمائی میں ہرش کو تخت و تاج قبول کرنے کی دعوت دی۔[1] ہرش کو خود اسے قبول کرنے میں کافی تکلف تھا۔ شاید اُسے یہ یقین نہیں تھا کہ وہاں کے عوام کے کیا جذبات ہوں گے اور اُسے ان کی مدد حاصل ہو سکے گی یا نہیں۔ چناں چہ اس نے شگون لیے اور اپنے عاقل مشیر بودھی ستوا ونوکیتیشور سے مشورہ کیا۔ اُسے ہدایت ملی کہ نہ تخت پر بیٹھے اور نہ مہاراجہ کا لقب اختیار کرے۔ اس ہدایت کے بموجب اس نے بادشاہت صرف اس صورت میں قبول کی کہ شیلادتیہ کا لقب اختیار کیا اور اپنے تئیں 'کمار' کہلوایا۔ یہ سیدھا سادا لقب قطعی طور پر ظاہر کرتا ہے کہ حالاں کہ ہرش، جیسا کہ بان نے لکھا ہے، تھانیشور کا راجہ تو تھا لیکن قنوج میں صرف حکومت کا کام چلانا اس کے ذمے تھا اور اس کی سیاسی حیثیت ایک سرپرست یا وقتی نگراں سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مدت کے بعد جب اس نے اپنی حیثیت کو مجتمع کر لیا اور جو تھوڑی بہت مخالفت تھی اس کا زور بھی

---

[1] بیل، پہلا، ص ۲۱۱، ص ۲۱۳؛ واٹرس، پہلا، ص ۳۴۳

گھٹ گیا تو اس نے اپنا دارالسلطنت تھانیشور سے قنوج کو منتقل کردیا اور تمام شاہانہ القاب کے ساتھ تھانیشور کی طرح قنوج پر بھی حکومت کرنے لگا۔ اس طرح دونوں ریاستیں ایک دوسرے میں ضم ہوگئیں۔ اس اتحاد سے ہرشں کو آگے چل کر دوسری آپس میں لڑنے والی ریاستوں پر، جنھوں نے شمالی ہند کے سیاسی توازن کو مستقل طور پر بگاڑ رکھا تھا، اپنی حکومت اور اپنے اثرات قائم کرنے میں بڑی مدد ملی۔

ہرشں کی مہمیں

ہرشں کی فتوحات کی معتبر تفصیلات ہمیں کہیں نہیں ملتیں۔ یوآن چوانگ کے توصیفی بیانات میں کچھ مبہم سے اشارے ضرور ملتے ہیں، مثلاً "مشرق کی جانب ہرشں نے ان ریاستوں پر حملہ کیا جنھوں نے اس کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کردیا تھا اور مسلسل جنگ و جدال میں الجھا رہا، یہاں تک کہ چھ سال کے عرصے میں اس نے پانچوں ہندوستانوں کا مقابلہ کیا" (ایک دوسرے مفہوم کے مطابق: پانچوں ہندوستانوں کو اطاعت قبول کرنے پر مجبور کیا)[1]۔ چینی زائر آگے چل کر ایک جگہ لکھتا ہے: "وہ (ہرشں) بہت جلد اس قابل ہوگیا کہ اس کے بھائی کے ساتھ جو بدسلوکی کی گئی تھی اس کا بدلہ لے اور اپنے کو ہندوستان کا مالک بنائے[2]۔" یوآن چوانگ مزید لکھتا ہے: "اس وقت تک شیلادتیہ مہاراج نے مشرق سے مغرب تک تمام قوموں کو فتح کرلیا تھا اور اپنی فوجیں دور دور کے اضلاع تک لے گیا تھا[3]۔" لیکن کسی مقام پر فاضل زائر نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ ہرشں نے کیسے اور کون کون سی ریاستوں کو فتح کیا۔ یہ بات بہرحال یقینی ہے کہ ولبھی کے راجہ دھرو بھٹ یا دھرو سین دوم کو ہرشں کے حملوں کی مکافات بھگتنی پڑی۔ ہرشں کو شروع شروع میں کچھ فتوحات ضرور حاصل ہوئیں اور اس کے حریف کو بڑوچ کے ددا دوم کی پناہ لینی پڑی۔ ددا کی مدد سے دھرو بھٹ

---

[1] واٹرس، پہلا، ص۳۴۳؛ بیل، پہلا، ص۲۱۳

[2] لائف، ص۸۳

[3] واٹرس، دوسرا، ص۲۳۹؛ بیل، دوسرا، ص۲۵۶، ص۲۵۷

نے اپنی کھوئی ہوئی ریاست پھر سے حاصل کر لی۔ جب یوآن چوانگ آیا ہے تو اس وقت گدی پر اسی کا قبضہ تھا۔ اس جنگ سے پُل کیشِن دوم جو اپنے تئیں "تمام جنوبی ہندوستان کا مالک" سمجھتا تھا، بالکل بے تعلق نہیں رہ سکتا تھا۔ چناں چہ دونوں عظیم حکمرانوں میں طاقت کی آزمائش ناگزیر ہو گئی۔ لائف کا بیان ہے کہ ہرشن موہالاچا (مہاراشٹر)[1] کے پُلو لوکی شا (پُل کیشن دوم) کے خلاف میدانِ جنگ میں بہ نفسِ نفیس آیا، لیکن اس کا کچھ بس نہ چلا اور اپنے جنوبی حریف کے مقابلے میں بڑے نقصانات کے ساتھ ہزیمت اٹھانی پڑی۔ یہ جنگ یقیناً ۶۳۴ء سے پہلے واقع ہوئی۔ کیوں کہ یہی تاریخ ایہول اَیمگوتی کے کتبہ کی ہے جس میں اس کا ذکر بڑے فخریہ انداز میں کیا گیا ہے۔

بانؔ کی شہادت بھی ہرشؔ کے فوجی کارناموں پر کوئی واضح روشنی نہیں ڈالتی۔ حقیقت یہ ہے کہ درباری شاعر ہمیں یہ بھی نہیں بتاتا کہ اس کے مربی اور محسن نے گوڑ کے راجہ کا، جس پر اس کا غصہ سب سے پہلے اترنا چاہیے تھا، کس طرح مقابلہ کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شاشانک ہرشؔ کے قابو سے باہر رہا اور اس کی حکومت گنجم کے ایک کتبہ کی سند سے ۳۰۰ گپت سمبت مطابق ۶۱۹ء تک پورے عروج پر رہی۔[2] آگے چل کر ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہرشؔ نے "سندھ کے راجہ کو کچلنے کے بعد اس کی تمام دولت کو اپنا لیا،"[3] جس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں ضرور ایک دوسرے سے ٹکرائے

---

[1] لائف، ص۱۴۱

[2] اپی گرافیہ انڈکا، ج۶، ص۱۴۴، ص۱۴۶

[3] ہرش چرت، ص۷۶۔ اس سے موازنہ کریں۔

"अत्र पुरुषोत्तमेन सिन्धुराज प्रमथ्य लक्ष्मीः आत्मीकृता"

(ہرش چرت، کلکتہ اڈیشن، ص۱۱۰، ص۱۱۲)۔ ایک اور عبارت ہے جس کا اکثر حوالہ دیا جاتا ہے۔

"अत्र परमेश्वरेण तुषार शैलभुवो दुर्गाया गृहीतः करः"

اس کا مطلب یہ نکالا گیا ہے کہ ہرشؔ نے خراج ایسے پہاڑی علاقہ سے وصول کیا جو برفیلا تھا اور جہاں رسائی ممکن نہیں تھی یعنی شاید نیپال یا کشمیر۔ بہر حال اس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں حاکم اعلا نے درگا کو حاصل کیا جو برفیلے پہاڑوں میں پیدا ہوئی تھی؛ یہ اشارہ ہرشؔ کی شادی کی طرف ہے جو اس نے کسی طاقتور پہاڑی خاندان میں کی تھی۔

اور ہرش کو اس مقابلے میں نہ صرف یہ کہ بالادستی حاصل رہی بلکہ وہ اس سے تاوانِ جنگ وصول کرنے میں بھی کامیاب ہوا۔

مہموں کی ترتیب وار تاریخ

یوآن چوانگ کے اس قول کا کہ "ہرش مسلسل جنگ وجدال میں مصروف رہا، یہاں تک کہ چھ سال میں اس نے پانچوں ہندوستانوں سے اطاعت قبول کرالی"[1] بعض عالموں نے یہ بھی مطلب نکالا ہے کہ ہرش کی تمام لڑائیاں ۶۰۶ء میں جو اس کی تخت نشینی کی تاریخ ہے، اور ۶۱۲ء کے درمیانی حصے میں ختم ہو چکی تھیں۔ یہ بہرحال ایک خواہ مخواہ کا مفروضہ ہے کہ یوآن چوانگ کے وہ چھ سال ٹھیک اس سال شروع ہوئے جس سال ہرش تخت نشیں ہوا۔ اس کے علاوہ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ شاشانک نے ۶۱۹ء تک حکومت کی اس لیے ہرش نے مشرقی علاقے یقیناً اس کے بعد، یعنی ۶۲۰ء اور ۶۲۵ء کے درمیان میں کسی سال فتح کیے۔ یوآن چوانگ ہی کی شہادت سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پل کیشن دوم سے اس کا مقابلہ اس وقت ہوا جب ہرش اپنی فوجیں "مشرق سے مغرب تک دور و دراز کے اضلاع میں لے جا چکا تھا۔" اس طرح سب سے پرانی اور آخری حد جو ہم قائم کر سکتے ہیں وہ تقریباً ۶۲۵ء اور ۶۳۴ء کے درمیان کی کوئی تاریخ ہے (اور یہی ایہول کے کتبے کی تاریخ ہے)، اور اس جہت سے ہم لگ بھگ ۶۳۰ء اس واقعہ کی تاریخ قرار دے سکتے ہیں[2]۔ اس مقام پر پہنچ کر ہمیں یوآن چوانگ کے دوسرے بیان کی وضاحت بھی کر دینی چاہیے، یعنی یہ کہ "ہرش نے کسی کے خلاف ہتھیار بلند کیے بغیر تیس سال تک امن و امان کے ساتھ حکومت کی"[3]۔ اگر ہم اس ترجمے کو درست مان لیں (حالانکہ

---

[1] واٹرس، پہلا، ص۳۴۳؛ بیل، پہلا، ص۲۱۳

[2] ملاحظہ ہو، بہرحال، مسٹر کے۔جی جوڑ یادھیائے، پروسیڈنگ آف انڈین ہسٹری کانگرس، ۱۹۳۹ء تیسرا اجلاس کلکتہ ص۵۸۱۔ ص۶۴۴ انھوں نے ہرش اور پل کیشن کے درمیان لڑائی کو ۶۱۰ء اور ۶۱۲ء کے درمیان قرار دیا ہے

بیل نے ترجمہ اس طرح کیا ہے: "تیس سال کے بعد اس کی فوجوں نے آرام کیا اور اس نے ہر جگہ پُرامن انداز میں حکومت کی[1]) تو بہ آسانی یہ نتیجہ نکلے گا کہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہرشؔ نے بہت جلد ملک میں امن و امان قائم کر لیا اور گوڑ اور گپت راجاؤں کے حملوں کے بعد جو بدنظمی ملک میں پھیل گئی تھی اُسے ختم کر کے ایک مضبوط و پائدار حکومت قائم کی۔ لیکن اپنے خارجی تعلقات میں ہرشؔ شہنشاہیت کی پالیسی پر کاربند رہا۔ ۶۴۳ء کی کون گودا (ضلع گنجم) کی مہم قطعی طور پر ثابت کرتی ہے کہ ہرشؔ اپنے شاندار دورِ حکومت میں آخر تک فوجی مہموں میں الجھا رہا۔

سلطنت کی وسعت

"سکلوتر پتھ ناتھ" کے لقب سے عام طور پر یہ قیاس کر لیا گیا ہے کہ تمام شمالی ہندوستان پر ہرشؔ کا قبضہ تھا۔ بہرحال، اس قیاس کے لیے بھی کافی گنجائش ہے کہ یہ اصطلاح اکثر بڑے مبہم اور غیر واضح انداز میں استعمال ہوتی تھی اور ضروری نہیں کہ اس کا مطلب یہی ہو کہ ہرشؔ کی سلطنت میں ہمالیہ سے لے کر وندھیا کے سلسلے تک تمام علاقہ شامل تھا[2]۔ یوآن چوانگ کے بیان کا اگر بغور تجزیہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ ہرشؔ کی سلطنت کی وسعت بہت زیادہ نہیں تھی۔ چینی زائر نے کئی ریاستوں اور ان کے تعلقات کا صراحتاً ذکر کیا ہے جن کا وجود اُس کے دورہ کے وقت پایا جاتا تھا۔ وہ ریاستیں یہ تھیں — کپیشہ، کشمیر، جالندھر، بیراٹ، متھرا، متی پور (منڈاور، ضلع بجنور) سُوورن گوتر دیس، کپل وستو، نیپال، کام روپ (آسام)، مہاراشٹر، بھروچ، ولبھی، کرنسودیس، اجین، بندیلکھنڈ، مہیشور پور (علاقہ گوالیار)، اور سندھ۔ ظاہر ہے یہ ریاستیں ہرشؔ کے حدودِ اختیار سے باہر تھیں۔ دوسری طرف، یوآن چوانگ شمالی ہند کی حسب ذیل علاقوں کی حکومت

---

[1] بیل، پہلا، ص۲۱۳

[2] چالوکیہ وِنیادِتیہ کے کتبے میں ایک "سکلوتراپتھ ناتھ" کا ذکر ہے (انڈین اینٹی کویری، ساتواں، ص۱۱۰، ص۱۱۱: ایضاً، نواں، ص۱۲۹)، اور اگرچہ وہ بعد کے گپت راجاؤں کے سلسلے والے آدِتیہ سین کے مماثل ہے جیسا کہ بعض عالموں نے قیاس کیا ہے، تو یہ بات یقینی ہے کہ یہ سکلوتر پتھ ناتھ تمام شمالی ہندوستان کا حکمراں ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

کے بارے میں بالکل خاموش ہے۔ گلو، شتَ ذرو دیس (سرہند) تھانیشور، سرگھن (سگھ)، برہم پور (گڑھوال اور کمایوں)، گووِی سَن (موجودہ کاشی پور، رامپور اور پیلی بھیت) اَہِچ چھتر (مشرقی روہیلکھنڈ)، بلسنڈ (ضلع ایٹہ)، کپتھ (سن کسہ)، آیوتے (ایودھیا، یا ضلع فتحپور میں اپھوئی)، ہیکھ (رائے بریلی اور پرتاپ گڑھ کے اضلاع)، پریاگ، کوسمبی، وشوک (؟)، شراوستی، رام گرام، لشی نگر، وارانسی (بنارس)، ضلع غازی پور، ویشالی، وِرِجی دیش، مگدھ، مونگھیر، بھاگلپور، راج محل، پونڈر وردھن، سم تٹ، تامرلپتی، کرن سورن، اڑیسہ جس میں موجودہ گنجم شامل تھا۔[1]

ان تمام علاقوں کی سیاسی حیثیت کے بارے میں یوآن چوانگ کی خاموشی ظاہر کرتی ہے کہ یہ سب کے سب قنوج کی ریاست میں شامل تھے۔ یوآن چوانگ کے علاوہ دوسری اسناد سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ ان میں سے بعض کا شمول واقعتاً ہرش کی سلطنت میں تھا۔ ہم نے گزشتہ صفحات میں دیکھا کہ ہرش کی آبائی سلطنت تھانیشور، دریائے سرسوتی کی وادی اور مشرقی راجپوتانہ کے کچھ حصوں پر مشتمل تھی۔ بعد میں ہرش نے اس میں قنوج کی موکھری ریاست بھی ملا لی جس میں تمام موجودہ اتر پردیش اور مگدھ کا کچھ حصہ شامل تھا۔ مگدھ کا ہرش کی حکومت میں شامل ہونا اس سے بھی ثابت ہے کہ اس کی سفارت سے متعلق چینی دستاویزات میں اس کے لیے "مگدھ کا راجہ" کا لقب استعمال کیا گیا ہے۔ بانس کھیڑا اور مدھوبن کے فرامین، جن کے ذریعہ جاگیریں عطا کی گئی ہیں، ثابت کرتے ہیں کہ اہِچ چھتر اور شراوستی اس کی سلطنت کی بھکتی یا انتظامی اکائیاں تھیں۔ اڑیسہ پر اس کا اقتدار اعلا لائف سے ثابت ہے۔[2] مشرقی ہندوستان میں دورہ کے دوران ہرش نے کجنگل (ضلع راج محل) کے مقام پر دربار منعقد کیا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہرش کی سلطنت وہاں تک پہنچ گئی تھی۔ اس لیے ہم یوآن چوانگ کی

---

[1] اختصار کے خیال سے میں نے ناموں کی چینی ہیئت حذف کر دی ہے۔ میں نے یوآن چوانگ کی شہادت کا تنقیدی تجزیہ کیا ہے تاکہ اس پیچیدہ اور مابہ نزاع مسئلہ میں میرا نظریہ واضح ہو جائے۔

[2] لائف، ص ۱۵۴۔ شیلادتیہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس نے جے سین کو جو ایک ممتاز بودھ عالم تھا، اڑیسہ کے اسی بڑے بڑے شہروں کا محصول بطور عطیہ دے دیا تھا۔

شہادت، نیز دوسری لوحی اور ادبی اسناد کی بنیاد پر جدید جغرافیائی مصطلحات کے ذریعے ہرشش کی سلطنت کے حدود اس طرح متعین کرسکتے ہیں کہ اُس میں مشرقی پنجاب کا کچھ حصہ، تقریباً کل یوپی (سوائے متھرا اور متی پور کے)، بہار، بنگال اور اڑیسہ (مع کونی گوڈ یا گنجم کے علاقوں کے) شامل تھے[۱] "پانچوں ہندوستانوں کا فرمانروا" کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ یوآن چوانگ کی بھی یہی رائے تھی۔ پانچوں ہندوستانوں کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ ان میں سوراشٹر، یا پنجاب (اس موقع پر پنجاب کے مشرقی اضلاع) کانیہ کبج، متھلا یا بہار، گوڑ یا بنگال، اُتکل یا اڑیسہ شامل تھے۔ اس طرح تمام شہادت حیرت انگیز طور پر ہم آہنگ ہے اور اب اس مبالغہ آمیز تصور کو ترک کرنا کہ ہرشش کی حکومت کشمیر اور سندھ، سوراشٹر اور جنوب بعید، کام روپ (آسام) اور نیپال تک پھیلی ہوئی تھی، بڑا دشوار ہوگیا ہے۔ یہ نظریہ یوآن چوانگ کی ہم عصر شہادت اور بالکل غیر مشتبہ بیان کی کھلی ہوئی ضد ہے۔ یہ علاقے خود ہی کافی طویل و عریض اور شمالی ہندوستان کی ہر شخصی ریاست سے بڑے تھے اور یہی وجہ ہوئی کہ یہ ماہر قانون ہرشش کی طاقت سے اتنا مرعوب ہوا۔

انتظامِ حکومت

مندرجہ بالا بحث سے واضح ہے کہ ہرشش کی سلطنت زیادہ تر مشرق کی طرف پھیلی ہوئی تھی۔ ظاہر ہے اس صورت میں اس کی خواہش یہی ہوسکتی تھی کہ وہ اسی علاقہ

---

۱ یہ عجیب و غریب بات ہے کہ قنوج سے ملحق چھوٹی چھوٹی ریاستیں پائی جاتی تھیں۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ انھوں نے بالکل ابتدائی دور میں ہرشش کے فوجی اشتعال سے بچنے کے لیے اس سے دوستی کرلی، اور ہرشش نے، جسے اس وقت حلیفوں کی ضرورت تھی، بڑی چالاکی سے ان کے وجود کو گوارا کیا۔ جو ریاستیں اس کے جنوب کے راستے پر واقع تھیں انھوں نے ہرشش کی فوجوں کو گزرنے کی اجازت دے کر اپنی داخلی آزادی کو برقرار رکھا، یا اگر انھوں نے اس کی اطاعت قبول کرلی تو پُل کیشن کے مقابلے میں ہرشش کی شکست کے بعد انھوں نے از سرِنو آزادی حاصل کرلی۔

۲ ملاحظہ ہو میری ہسٹری آف قنوج، ص۸۰، ص۱۱۹۔

کی نگرانی کی طرف زیادہ توجہ کرے، کیوں کر جنوبی راستے تمام پُل کیشن دوم کی افواج نے مسدود کر رکھے تھے۔ اس قدیم عہد میں گنگا عام شاہراہ کا کام دیتی تھی اور بنگال سے لے کر "وسط ہند" تک اسی کے ذریعے آمدورفت کا سلسلہ جاری تھا۔ اس لیے قنوج کی خوش حالی اور تجارتی مفاد کے لیے گنگا کے ان وسیع وعریض میدانوں پر اس کا اقتدارِ اعلیٰ ازبس ضروری تھا۔ ہرشؔ قریب قریب اس تمام علاقے پر اپنا تسلط قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اور جب سلطنت کی وسعتیں حد سے زیادہ بڑھ گئیں تو اس پر کامیابی کے ساتھ حکومت کرنا بھی مشکل سے مشکل تر ہوگیا۔

فوجی قوت

ہرشؔ نے پہلا کام یہ کیا کہ اس نے اپنی فوجی قوت کو بڑھایا۔ اس کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ وہ ریاستیں جو اس کے قبضے میں نہ تھیں وہ اس سے مرعوب ہو جائیں۔ دوسرا یہ تھا کہ اندرونی خلفشار اور غیر ملکی حملوں کے وقت اسے کام میں لایا جا سکے۔ یوآن چوانگ لکھتا ہے ـــ "سلطنت کو وسیع کر لینے کے بعد اس نے اپنی فوجی قوت میں اضافہ کیا۔ اس کی فوج میں ٦٠،٠٠٠ ہاتھی اور ١٠٠،٠٠٠ سوار تھے"[۵] نتیجہ میں اس عظیم الشان لشکر پر ہی ہرشؔ کی تمام سلطنت کا دارومدار تھا۔

سیاسی اتحاد

لیکن فوج انتظامِ حکومت کا ایک جزو ہوتی ہے۔ ہرشؔ نے اپنی طاقت کو مضبوط کرنے کے لیے دوسرے طریقے بھی استعمال کیے۔ بالکل ابتدا میں جب وہ اپنی پہلی مہم پر روانہ ہوا تو اس نے آسام کے راجہ بھاسکر ورمن سے "دائمی صلحنامہ" کیا۔ دوسرا اقدام یہ کیا کہ وَلبھی کے راجہ دھروو سین دوم یا دھروو بھٹ سے شمشیر آزمائی کے بعد اس کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کر دی۔ اس رشتے سے اُسے نہ صرف ایک کارآمد حلیف حاصل ہوگیا بلکہ جنوبی ہندوستان کے راستے اُس کے لیے

---

۵ واٹرس، پہلا، صہ ٣٤٣؛ بیل، پہلا، صہ ٢١٣

کھل گئے۔ آخری قدم یہ اٹھایا کہ ۶۴۱ء میں چین کے تانگ شہنشاہ، تائی سُنگ کے دربار میں اپنا ایک برہمن سفیر بھیجا۔ بعد ازاں ایک چینی سفارت ہرش کے دربار میں آئی[1]۔ عرب مورخ طبری ہمیں بتاتا ہے کہ ہرش کے جنوبی حریف پلکیشن دوم نے شاہ فارس کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کر لیے تھے[2]۔ غالباً اسی کا وزن برقرار کرنے کے لیے ہرش نے اپنے سیاسی تعلقات چین سے خوش گوار رکھے۔

ہرش کی کوششیں

مشرق کی مطلق العنان حکومتوں میں ریاست کا مرکز عام طور پر راجہ ہوتا تھا، اس لیے انتظام حکومت میں کامیابی کلیتاً اس کی ذاتی وسیع النظری پر منحصر ہوتی تھی۔ چنانچہ اپنی وسیع سلطنت کی دیکھ بھال کا انتہائی دشوار کام ہرش نے اپنے ذمہ لیا۔ وہ اپنا آدھا وقت خدماتِ منصبی پر صرف کرتا اور آدھا فرائضِ مذہبی پر۔" وہ ان تھک کام کرنے والا آدمی تھا اور پورا دن اس کے لیے ناکافی ہوتا تھا[3]۔ وہ اپنے راج محل کے پُر تکلف ماحول میں بیٹھے بیٹھے حکمرانی کرنے کا قائل نہیں تھا۔ "بدکاروں کو سزا دینے اور نیکوکاروں کو انعام دینے کے لیے" وہ جگہ جگہ گھومتا تھا۔ ان "معائنوں" کے دوران وہ ملک سے واقفیت حاصل کرتا اور اپنی رعایا سے براہِ راست روابط قائم کرتا تھا اور اس طرح عوام کو اپنی مشکلات اور شکایات اس کے سامنے پیش کرنے کا بخوبی موقع مل جاتا تھا۔

ملکی انتظام

بدقسمتی سے اس وقت کے مروّجہ طرزِ حکومت کے بارے میں ہماری معلومات بہت ناقص ہے۔ غالباً ہرش کو انتظام میں ایک مجلس مشاورت (منتری پریشد) مدد دیتی تھی۔ یوآن چوانگ کہتا ہے کہ پونی کی قیادت میں قنوج کے اربابِ حل وعقد نے

---

[1] ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، ص ۳۶۶

[2] جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی، نیومسمیٹک سوسائٹی، گیارھواں (۱۸۶۹ء)؛ ص ۱۶۵، ص ۱۶۶

[3] واٹرز، پہلا، ص ۳۴۳؛ بیل، پہلا، ص ۲۱۵

ہرشؔ کو قنوج کا تخت وتاج قبول کرنے کی دعوت دی تھی[1] اور یہ تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ ہرشؔ کے ترقی وخوش حالی کے دور میں بھی وہ لوگ ہوسکتا ہے انتظامی امور میں تھوڑا بہت دخل رکھتے ہوں۔ چینی زائر بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ "افسروں کا ایک کمیشن ملک پر قابض تھا"[2] مزید برآں اس زمانے میں رسل ورسائل کے وسیلے بہت ناقص اور سست تھے اور ہرشؔ کی سلطنت کافی دور ودراز علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی، اس لیے سلطنت کے ان نامربوط حصوں کو مجتمع کرنے کے لیے حکومت کے کئی انتظامی مرکز قائم کرنا ضروری تھے۔ چنانچہ سرحدی صوبوں کا انتظام نائب السلطنت (راجؔ شتھانیئہ؟) یا گورنر (لوکؔ پالؔ یا اُپؔ رِکؔ مہاراجؔ) یا جاگیردار سردار (سامنتؔ یا مہاسامنتؔ) کے سپرد ہوتا تھا۔ آخرالذکر طبقے کا ایک سردار مگدھ کا مادھوگپت تھا۔ اس کے علاوہ ہرشؔ چرتؔ نیز کتبوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عمالِ حکومت کی یہ تنظیم بہت باقاعدہ تھی۔ ریاست کے ان فوجی یا غیر فوجی اہل کاروں میں سے بعض حسب ذیل تھے ــــ مہاسندھی وِگرھا (حکومت دھکرت (امن وجنگ کا بڑا وزیر)؛ مہابلادھکرت (فوج کا افسرِ اعلیٰ)؛ سیناپتیؔ (سپہ سالار)؛ تبرہ دشوار (سواروں کا افسرِ اعلیٰ)؛ کٹنگ (ہاتھیوں کے فوجی دستہ کا افسر)؛ چاٹؔ بھٹؔ (مستقل اور عارضی سپاہی)؛ دوُت (سفیر یا ایلچی)؛ راجستھانیئہ (وزیرِ خارجہ یا نائب السلطنت)؛ اُپؔ رِکؔ مہاراجؔ (صوبائی گورنر)؛ وِشیہ پتیؔ (ضلع کا افسر)؛ آیکؔ تکؔ (عام ماتحت افسران)؛ مٹ مانؔ سکؔ (انصاف؟)؛ مہاپرتی ہار (داروغہ خاص یا نقیب)؛ بھوگک یا بھوگ پتیؔ (پیداوار کے سرکاری حصہ کا وصول کنندہ)؛ دِیرگھدوگؔ (تیز رو قاصد)؛ اَکشؔ پٹلکؔ (محافظ خانہ کا نگران)؛ اَدھیکشؔ (مختلف محکموں کے نگران)؛ لیکھکؔ (منشی)؛ کارنِکؔ (محرر)؛ سیوکؔ (عام چھوٹے ملازمین یا چپراسی وغیرہ)۔

علاقائی تقسیم

ہرشؔ کے کتبوں سے ثابت ہے کہ علاقائی تقسیم جیوں کی تیوں باقی رہی، یعنی تمام

---

[1] بیل، پہلا، صفحہ ۲۱۰، صفحہ ۲۱۱، واٹرس، پہلا، صفحہ ۳۴۳۔ [2] بیل، پہلا، صفحہ ۲۱۰

سلطنت بُھکتیوں یا صوبوں میں منقسم تھی۔ پھر صوبے کی تقسیم در تقسیم ہوتی تھی، یعنی ہر صوبے میں کئی کئی وِشیئے (ضلعے) ہوتے تھے۔ ایک اس سے بھی چھوٹی اکائی ہوتی تھی جسے پَتھک کہتے تھے۔ یہ غالباً ہماری آج کل کی تحصیل یا تعلقہ کی برابر ہوتی تھی، اور انتظام کی سب سے چھوٹی اکائی گرام بھی بدستور سابق باقی تھی۔

عام خصوصیات

یوآن چوانگ نے ہَرشَن کے انتظامِ حکومت کی بہت تعریف لکھی ہے۔ ہَرشَن مفادِ عامّہ کا ہمیشہ خیال رکھتا تھا اور یہی اس کی حکومت کا بنیادی اصول تھا۔ لوگوں کو کنبوں کا کہیں اندراج وغیرہ نہیں کرانا پڑتا تھا اور نہ کسی سے بیگار لی جاتی تھی۔ اس طرح عوام سرکاری پابندیوں کی زنجیروں میں بہت زیادہ جکڑے ہوئے نہیں تھے اور اپنے مخصوص ماحول میں اپنے خاص حالات کے مطابق رہنے بسنے اور ترقی کرنے میں آزاد تھے۔ محصول نرم تھے۔ سرکار کا سب سے بڑا ذریعۂ آمدنی پیداوار کا روایتی چھٹا حصہ اور[1] دریاؤں کے گھاٹ اور سرحدی ناکوں پر وصول ہونے والا محصول تھا۔[2] جو ان بیوپاریوں کو ادا کرنا ہوتا تھا جو اپنا مال مبادلہ کے لیے اِدھر اُدھر لے جاتے تھے۔ ہَرشَن کے انتظامِ حکومت کا مزاج ترقی پسندانہ تھا اس کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ہَرشَن مختلف مذہبی فرقوں کی مالی امداد کرتا تھا اور ممتاز عالموں اور فاضلوں کو عطیات سے نوازتا تھا۔[3]

ضابطۂ فوجداری

چوں کہ حکومت بہت منظم تھی اس لیے عوام بھی آپس میں خوشگوار تعلقات رکھتے تھے۔ اس عہد میں تشدد آمیز جرائم کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔[4] لیکن سڑکیں اور دریائی راستے ڈاکوؤں سے بالکل محفوظ نہیں تھے۔ خود یوآن چوانگ کو ڈاکوؤں نے کئی بار ننگا

---

[1] واٹرس، پہلا، ص ۱۷۶

[2] ص ۱ٌ

[3] ایضاً، ص ۱۷۱

کر کے چھوڑ دیا۔ بعض من چلوں نے تو ایک دفعہ اُسے قربانی کا بکرا بنانے کی ٹھان لی تھی۔ قانون فوجداری غیر معمولی طور پر شدید تھا۔ قانون شکنی اور بادشاہ کے خلاف سازش کرنے والوں کی معمولی سزا حبس دوام تھی۔ ہم یہ بھی سنتے ہیں کہ حالاں کہ مجرموں کو کوئی جسمانی سزا نہیں دی جاتی تھی، لیکن انھیں ذات باہر ضرور کر دیا جاتا تھا۔[1] ہرش چرِت میں بہر حال اس رواج کا بھی ذکر ہے کہ رنگ رلیوں اور تیوہاروں کے موقع پر قیدیوں کو رہائی دے دی جاتی تھی۔ دوسری سزائیں گپت عہد کے مقابلے میں زیادہ سفاکانہ تھیں۔ "اخلاقی جرائم پر اور حکم عدولی اور ماں باپ کی خلاف ورزی کرنے والے کو ناک، کان ہاتھ، پاؤں کاٹنے کی سزا دی جاتی یا دیس نکالا یا بن باس دے دیا جاتا تھا۔"[2] معمولی جرائم کا کفارہ روپیہ پیسہ کی شکل میں بھی ادا کیا جاتا تھا۔" یہ جانچنے کے لیے کہ ملزم سے واقعی جرم سرزد ہوا ہے یا وہ بے قصور ہے آگ اور پانی کے ذریعے آزمائش کرنے یا تولنے یا زہر دینے کا طریقہ قانوناً جائز تھا۔ قانون فوجداری میں اس قدر شدت اور سختی کے باعث قانون شکنی بہت کم ہوتی تھی۔ لیکن جرائم میں کمی کا ایک سبب ہندوستان کے لوگوں کا اپنا کردار تھا جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ "طبعاً نیک چلن" واقع ہوئے تھے۔[3]

قنوج کی عظمتیں

قنوج کی خوش حالی اور اہمیت، جس کی ابتدا موکھریوں کے وقت میں ہی ہو چکی تھی، ہرش کے عہد میں معراجِ کمال کو پہنچ گئی تھی۔ شمالی ہند کا سب سے بڑا شہر اب

---

1. واٹرس، پہلا، ص۱۷۲
2. ایضاً، بیل، پہلا، ص۸۳، ص۹۴
3. یوآن چوانگ کہتا ہے، "وہ لوگ کوئی چیز کسی سے مانگتے ہیں تو اس میں بے ایمانی نہیں کرتے، اور ضرورت سے زیادہ ہی واپس کر دیتے ہیں۔ دوسری زندگیوں میں ان سے جو گناہ سرزد ہوئے ہیں ان کی پاداش کے خوف سے وہ اس زندگی میں بھی گناہ سے پرہیز کرتے ہیں۔ وہ عادتاً کسی کو دھوکا نہیں دیتے، اور جس بات کا عہد کر لیتے ہیں اُسے پورا کر کے چھوڑتے ہیں۔" (واٹرس پہلا، ص۱۷۱؛ بیل، پہلا، ص۸۳)

قنوج ہوگیا۔ بدھ کے زمانے سے لے کر اب تک پاٹلی پُتر کو مرکزیت حاصل تھی اور سیاسی زندگی کے تمام دھارے وہیں سے ہو کر گزرتے تھے۔ اب اس کی جگہ قنوج نے لے لی۔ ایک صاحب نظر غیر ملکی کو قنوج یقیناً ایک عظیم وسیع المشرب شہر دکھائی دیا جس کے باشندوں کی نصف تعداد مذہبی معتقدات کے لحاظ سے قدامت پسند تھی اور نصف تعداد آزاد خیال۔ قنوج میں اس وقت سَو بودھی خانقاہیں موجود تھیں جن میں دونوں "فرقوں" کو ماننے والے . . . . . ۱۰ برادرانِ مذہبی سکونت رکھتے تھے۔ "دیو مندروں" کی تعداد دو سَو کے قریب تھی اور شہر میں بدھ مذہب کو نہ ماننے والے کئی ہزار کی تعداد میں پائے جاتے تھے۔ شہر کی لمبائی بیس لائی یا تقریباً ۵ میل اور چوڑائی پانچ لائی یا ۱½ میل تھی اور اس کی حفاظت کا انتظام فطرت اور فن دونوں نے مل کر کیا تھا۔ شہر کی تعمیر مقررہ نقشے کے مطابق ہوئی تھی۔ شہر میں خوب صورت باغات بھی تھے اور شفاف پانی کے تالاب بھی۔ مکانات عام طور پر صاف ستھرے، آرام دہ اور سادہ تھے، یا یوآن چوانگ کے الفاظ میں اندرونی حصہ بیش قیمت و پُر تکلف، اور باہری رُخ کفایت شعاری کا نمونہ" ہوتا تھا۔ لوگوں کی "وضع قطع سے شائستگی" ٹپکتی تھی۔ مال دار لوگ بڑا" چمکیلا اور بھڑکیلا لباس" پہننے کے شوقین تھے۔ شہریوں کی تعریف کرتے ہوئے یوآن چوانگ لکھتا ہے "حق گوئی اور راست گفتاری ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ اُن کی گفتگو میں دیوتاؤں جیسی لطافت اور شیرینی پائی جاتی ہے، ان کا لب و لہجہ پاکیزہ ہے اور دوسروں کے لیے ایک معیاری نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے[1]۔"

قنوج کی مجلس

حکمران اور فاتح کی حیثیت سے تو ہرش عظیم تھا ہی، لیکن فنونِ امن میں "جس کی عظمتیں جنگ کی فتوحات سے کم اہمیت نہیں رکھتیں"، وہ عظیم تر تھا۔ ان میں سے ایک تھا مہایان فرقے کے اصول کی زیادہ سے زیادہ تبلیغ کے لیے قنوج میں عظیم الشان مجلس کا انعقاد۔ ہرش نے روایتی تزک و احتشام کے ساتھ اپنی چھاؤنی سے کوچ کیا۔

---

[1] واٹرس، پہلا، ص۳۴۱ ؛ بیل، پہلا، ص۲۰۶

یوآن چوانگ اور کام رُوپ کا راجہ بھاشکر وَرمن اس کا ہم رکاب تھا۔ دریائے گنگا کے جنوبی کنارے کے متوازی چل کر نوّے دن کی مسافت طے کرنے کے بعد وہ منزل مقصود پر پہنچا۔ پانچوں ہندوستانوں کے "اٹھارہ راجاؤں[1]" نے اور مختلف فرقوں کے کئی ہزار پجاریوں نے جو شاہی احکامات کی تعمیل میں وہاں جمع ہوئے تھے، ہرشن کا استقبال کیا۔ ہرشن نے پہلے ہی حکم دے رکھا تھا کہ دو بڑے بڑے ہال بنوائے جائیں جن میں سے ہرایک میں ایک ایک ہزار آدمی بیٹھ سکتے تھے اور ایک عظیم الشان بُرج تعمیر کیا جائے جس کے بیچ میں بُدھ کی سونے کی مورتی نصب تھی۔ "مورتی کی اونچائی اتنی ہی تھی جتنی خود راجہ کی۔" مجلس کی کارروائی کا آغاز ایک شاندار جلوس سے ہوا جس میں سب سے زیادہ جاذب نظر شے بُدھ کا ایک سونے کا مجسمہ تھا جس کی اونچائی تین فٹ تھی۔ یہ مجسمہ ایک بہت ہی آراستہ پیراستہ ہاتھی پر رکھا ہوا تھا۔ ہرشن اور بھاسکر وَرمن دونوں نے اس میں شرکت کی جو علی الترتیب شکرؔ اور برہما کا روپ دھارے ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے ہاتھیوں پر سوار قطار در قطار دوسرے راجہ، تمام پجاری اور ممتاز سرکاری افسر تھے۔ جلوس کے اختتام پر ہرشن نے روایتی انداز میں مورتی کی پوجا کی اور اس کے بعد عوام کو کھانا کھلایا گیا۔ پھر اجلاس شروع ہوا جس میں "مباحثہ کا صدر" یوآن چوانگ تھا۔ یوآن چوانگ نے مہایان کے عقائد کے محاسن پر روشنی ڈالی اور جو دلائل اس نے پیش کیے بعد ازاں انھیں توڑنے کے لیے مجمع کو دعوت دی، مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ اس کے مقابلے پر آئے۔ پانچ دن تک میدان بلا مقابلہ اس کے ہاتھ رہا۔ ہار کر اس کے مذہبی حریف اس کی جان لینے کے لیے ایک سازش میں شریک ہوگئے۔ ہرشن کو اس کا سُراغ مل گیا اور اس نے فوراً ایک اعلان جاری کیا جس میں یہ دھمکی دی گئی تھی کہ اگر معزز مہمان کا ذرا بھی بال بیکا ہوا تو شرپسندوں کی گردن مار دی جائے گی[2]۔ اس اعلان کا خاطر خواہ اثر ہوا اور مناظرہ میں اٹھارہ دن تک کوئی اس کے مقابلے میں

---

[1] لائف، ص ۱۷۷۔ سی۔یو۔کی میں لکھا ہے کہ بیس ملکوں کے راجہ وہاں موجود تھے (بیل، پہلا، ص ۲۱۸) ہرشن کی مجلسوں کی تفصیلات ہمیں خاص کر لائف اور سی۔یو۔کی سے معلوم ہوئی ہیں۔

[2] لائف، ص ۱۸۱

نہ آیا۔ اس طرح لائف کے بیان کے مطابق مناظرہ بدعقیدہ لوگوں کی شکست اور مہایانیوں کی فتح و کامرانی پر ختم ہوا۔ اس کے برخلاف سی۔ یلِ کا دعویٰ ہے کہ اجلاس کے اختتام تک بڑے خطرناک واقعات پیش آئے۔ عظیم الشان برج میں اچانک آگ لگ گئی[1] اور ہرشن نے جو "بدعقیدہ" فرقوں کی طرف بے توجہی اور بے رُخی برتی تھی اس کے باعث خود اُس کے قتل کی کوشش کی گئی۔ اس کے بعد ہرشن نے پانچ سو برہمنوں کو گرفتار کرا کے جلا وطن کر دیا، باقی کے ساتھ ترحم خسروانہ سے پیش آیا[2]

ان دونوں بیانات میں سے جو بھی درست ہو، ایک بات طے ہے اور وہ یہ کہ اس مجلس میں جو عام مناظرہ ہوا اس سے یوآن چوانگ کی قدر و منزلت ہرشن کی نظروں میں کافی بڑھ گئی۔ ہرشن نے قیمتی تحفوں سے اُسے نوازا، لیکن چینی زائر نے خالص مذہبی جذبے سے بڑے عجز و انکسار کے ساتھ انھیں قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

پریاگ میں پنج سالہ تقسیم خیرات

جب قنوج کا خصوصی اجلاس ختم ہوگیا تو ہرشن نے گنگا جمنا کے سنگم پر بمقام پریاگ یوآن چوانگ کو اپنی چھٹی پنجسالہ تقسیم خیرات کی تقریب میں (مہا موکشن پریشد) شرکت کی دعوت دی۔ اگرچہ یوآن چوانگ کو اب وطن کی یاد ستا رہی تھی لیکن وہ اس انوکھی تقریب میں شرکت کے لیے بھی راضی ہوگیا۔ اس میں جنوبی ہندوستان کا راجہ "دھرو بھٹ"، آسام کا کمار راج (بھاسکر ورمن) اور دوسرے راجہ بھی شریک ہوئے۔ اس کے علاوہ لوگوں کا ایک اژدہام تھا جس میں تقریباً پانچ لاکھ آدمی، شرامن بدعقیدہ لوگ، بزرگ نتھ، غریب، یتیم، پانچوں ہندوستانوں کے تمام غم زدہ لوگ شامل تھے۔ ان سب کو شاہی فرمان کے ذریعے طلب کیا گیا تھا۔ تقسیم خیرات کا یہ عظیم میدان" دریاؤں کے درمیان کا وسیع و عریض بالو تھا۔ اس کی کارروائی پچھتر دن تک برابر جاری رہی۔ اس کی ابتدا بھی جلوس سے کی گئی۔ وہاں جس طریقے سے

---

[1] بیل، پہلا، ص ۲۱۹

[2] ایضاً، ص ۲۲۱

پوجا پاٹ کیا گیا اس میں تمام مذہبی فرقوں کے مراسم عبادت کا حیرت انگیز امتزاج پایا جاتا تھا جو ہندو سماج اور ہندو طرزِ عبادت کا طرۂ امتیاز ہے۔ ریت کے کئی عارضی مٹھ تیار کرائے گئے جن میں سے ایک میں بُدھ کی مورتی نصب کی گئی۔ اس پر بیش قیمت تحفے چڑھائے گئے اور دل کھول کر خیرات کی گئی۔ دوسرے دن آدتیہ دیو (سورج) کی پرستش کی گئی اور تیسرے دن ایشور دیو (شیو) کی مورتی کی۔ لیکن جس قیمت کے چڑھاوے پہلے دن بُدھ کی مورتی پر چڑھائے گئے تھے اس سے نصف قیمت کے ان دو دنوں میں چڑھائے گئے۔ چوتھے دن بدھ بھکشوؤں کو بڑی فیاضی کے ساتھ تحفے دیے گئے۔ پھر برہمنوں کی باری آئی اور بیس دن تک برابر ہرش نے برہمنوں کو دان دیا۔ اس کے بعد دس دن "بدعقیدہ" لوگوں یعنی جینیوں اور دوسرے فرقوں کی داد و دہش پر اور دس دن بھکاریوں کو بھیک دینے پر صرف ہوئے۔ اس طرح غریبوں، محتاجوں اور یتیموں کو خیرات تقسیم کرنے میں ایک مہینہ صرف ہوگیا۔ اس عرصے میں جتنا خزانہ اس کام کے لیے جمع کیا گیا تھا وہ سب صرف ہوگیا، اس لیے ہرش نے اپنے ذاتی "ہیرے اور سامان" بانٹنا شروع کر دیا۔ اس طرح ہرش نے سخاوت و فیاضی کی ایک ایسی مثال قائم کردی جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے[1]

یوآن چوانگ کی واپسی

پریاگ کا یہ اجتماع جب ختم ہوگیا تو یوآن چوانگ نے ہرش سے وطن واپس لوٹنے کی اجازت مانگی۔ ہرش اسے رخصت کرنے کچھ دور خود گیا، اور شمالی ہند کے اُدھت نامی راجہ کا ایک فوجی دستہ یوآن چوانگ کے ہمراہ کر دیا تاکہ مقدس کتابیں اور مورتیاں گھوڑوں پر لادی جاسکیں۔ بعد ازاں ہرش چینی یاتری سے ایک بار پھر ملا اور اس کے خشکی کے ذریعے چین تک پُرخطر سفر کے ضروری اخراجات کے لیے اس نے کچھ روپیہ بھی بطور امداد بھیجا۔

ہرش کا مذہب اب ہم ہرش کے مذہبی معتقدات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جن کے تقاضے سے وہ تمام ان مسرتوں سے متنفر ہوگیا تھا جو

---

1. واٹرس، پہلا، ۳۴۴؛ بیل، پہلا، صـ ۲۱۵

بادشاہوں کے لیے مخصوص ہوتی ہیں اور اپنی رعایا کی اخلاقی اور مادی بھلائی کے لیے انتھک کام کرتا تھا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ بدھ مت ہرشؔ کو ورثہ میں نہیں ملا تھا۔ اس کے باپ دادا اور پردادا سورج (آدتیہ) کی پوجا کرتے تھے۔ بانس کھیڑا (ضلع شاہجہاں پور) اور مدھوبن (ضلع اعظم گڑھ) کے کتبوں سے ظاہر ہے کہ ہرشؔ خود ایک "پرم مہیشور" تھا، یا اپنی تخت نشینی کے پچیسویں سال یعنی ۶۳۱ء تک شیومت کا ایک سچا پیرو رہا۔ البتہ آخر عمر میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ بدھ مت کی طرف زیادہ مائل ہو گیا تھا، کچھ تو شاید اس لیے کہ ہیوآن چوانگ نے بڑی کامیابی کے ساتھ اس پر تبلیغ کی تھی اور کچھ اس لیے کہ اس نے اپنی بہن راجیہ شری کا اثر قبول کیا تھا جو بدھ مذہب کی پیرو تھی۔ قنوج کی مجلس میں ہرشؔ نے آزادانہ مباحثہ پر پابندی لگا کر، نیز شنکرؔ اور برہما کو بدھ کے ملازم کی حیثیت سے پیش کر کے مہایان فرقے کے ساتھ قدرے جانب داری کا ثبوت دیا تھا۔ لیکن اس سے یہ ہرگز نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہرشؔ نے کبھی بھی بادشاہ کی حیثیت سے بدھ مذہب کی تبلیغ کی۔ اس کے برخلاف اس نے منظرِ عام میں پرستش کا جو طریقہ پریاگ کے اجتماع میں اختیار کیا اس میں وہی مختلف مذہبی فرقوں کے طریقۂ عبادت کا امتزاج پایا جاتا تھا۔ وہاں اس نے سرکاری طور پر برہمن دیوتاؤں آدتیہ اور شیو کا احترام کیا۔ اس نے برہمنوں کو کھانا کھلایا اور بے کم وکاست انھیں دان دیا۔[1] اس کے بعض اعمال سے بے شک بدھ مت کا رنگ جھلکتا ہے، مثلاً اس نے بدھ کا متبرک دانت کشمیر سے منگوا کر اس پر "زبردستی قبضہ" کر لیا اور بعد میں قنوج کے کسی سنگھارام میں اسے محفوظ کرا دیا۔[2] وہ ہر سال بدھ بھکشوؤں کو جمع کرتا تھا جو آپس میں مباحثہ کرتے اور مسائل پر غور و خوض کرتے تھے۔ اس نے بدھ خانقاہیں اور استوپ تعمیر کرائے۔[3] اس نے گوشت خوری اور ذبیحہ کو ممنوع قرار دے دیا اور خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے سخت سزائیں مقرر کیں۔[4] اس نے بہت

---

[1] واٹرس پہلا ۳۶۴، بیل پہلا

[2] لائف، صفحہ ۱۸۱، صفحہ ۱۸۳

[3] واٹرس پہلا ۳۴۴ [4] ایضاً بیل پہلا ۳۱۴

سے انسان دوستی کے کام انجام دیے اور جگہ جگہ خیرات خانے (پُنّیہ شالائیں) قائم کیے، جہاں غریبوں اور محتاجوں کو مفت دوا اور غذا تقسیم ہوتی تھی۔ ممکن ہے بدھ مذہب سے عقیدت اس کی بھی محرک رہی ہو[1]۔ اس طرح، حالاں کہ دوسرے علاقوں میں بدھ مذہب انحطاط پذیر ہو چکا تھا، لیکن ہرشؔ کی سرپرستی کے باعث قنوج میں اس کا کافی چرچا ہو گیا۔

عام مذہبی حالات

یوآن چوانگؔ کی تحریروں، نیز ہرش چرتؔ سے یہ بات واضح ہے کہ ہرشؔ کی سلطنت میں تین خاص مذہب پائے جاتے تھے — بدھ مت، برہمن مت اور جین مت۔ سوائے چند مخصوص علاقوں مثلاً ویشالی، پُونڈر وردھن اور سَم تٹ کے جہاں دگمبر فرقے کے لوگ زیادہ تعداد میں تھے، جین مت دوسرے مقامات میں اتنا مقبول نہیں تھا۔ جین مت کا دوسرا اہم فرقہ سوتیامبر تھا۔ یوآن چوانگؔ کو بدھ مت پورے عروج پر دکھائی دیا، لیکن حقیقت میں بعض مقامات مثلاً کوسمبی، اشراوستی اور ویشالی میں وہ زوال پذیر تھا۔ بدھ خانقاہیں، جن کا وجود کلیتاً گرہستیوں کے دان پُن پر منحصر تھا، بودھی زندگی اور حرکت و عمل کا مرکز تھیں۔ بدھ مذہب کے دو فرقوں مہایان اور ہینیان میں مہایان فرقے نے کافی زور پکڑ لیا تھا۔ چینی زائر نے ان دو فرقوں کے علاوہ اٹھارہ اور مکاتبِ فکر کا ذکر کیا ہے جو اپنے مخصوص طریقے پر مذہبی رسوم ادا کرتے تھے اور ذہنی اور علمی اعتبار سے ایک دوسرے پر برتری کے دعوے دار تھے[2]۔ اس قسم کے لاطائل اختلافات نے بدھ مذہب کو ضرور نقصان پہنچایا ہوگا اور برہمن مذہب کو، جس میں گپت راجاؤں کے مہتم بالشان عہد ہی سے نئی زندگی کے آثار پیدا ہو گئے تھے، یقیناً اس سے تقویت پہنچی ہوگی۔ ہرشؔ کی سلطنت میں برہمن مت کے خاص خاص گڑھ پریاگ اور وارانسی تھے۔ بدھ مذہب کا مہایان فرقہ بدھ اور بودھی ستوں کی صرف پرستش کی تلقین کرتا

---

[1] ایضاً

[2] واٹرس، پہلا، ص

تھا، جین اور بدھ مت کی طرح برہمن مت میں کھلے عام مورتی پوجا رائج تھی۔ برہمنوں کے سب سے زیادہ مقبول دیوتا اَدِتیہ، شیو اور وِشنو تھے جن کی مورتیاں ہر مندر میں نصب کی جاتی تھیں جہاں تمام آداب و رسوم کے ساتھ ان کی پوجا کی جاتی تھی[1] برہمن یگیہ کی آگ (اگنی) سلگاتے تھے، گائے کو مقدس مانتے تھے، اور خیر و برکت کے لیے مختلف رسوم ادا کرتے تھے[2] برہمن مت کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں فلسفے کے متنوع مکاتبِ فکر اور متعدد راہبانہ مسلک پائے جاتے تھے۔ بانؔ نے ان میں سے تین کا ذکر کیا ہے۔ پہلے کپلؔ اور کَنادؔ کے پیرو اور اُپنشدوں میں عقیدہ رکھنے والے (یعنی ویدانتی)، دوسرے وہ جو خدا کو خالقِ کائنات مانتے تھے (اَیشوَہ کرَنِک) تیسرے ملحد جیسے لوکائتک[3] اسی طرح سنیاسیوں کے بھی مختلف طبقے تھے —— کیش لُنچک (سر کے بال اکھاڑنے والے)، پاشوپت، پنچ راترک اور بھاگوت وغیرہ[4] لائف میں بھوت، کاپالک، مجتک، سانکھیہ، وَیشیشکا وغیرہ مسلکوں کا ذکر بھی آتا ہے[5] یہ سب کے سب اپنی پوشاک، رسوم اور عقائد کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ وہ گویا تلاشِ حق میں مصروف رہتے تھے، بھیک مانگ کر گزارا کرتے تھے اور ذاتی ضروریات اور آرام کی مطلق پروا نہیں کرتے تھے[6]

ہرش بحیثیت سرپرست علوم

جن باتوں کی وجہ سے ہرشؔ کا نام ناقابلِ فراموش ہو گیا ہے ان میں سے ایک یہ تھی کہ اس نے بڑی فیاضی سے علم و ادب کی سرپرستی کی۔ یوآن چوانگ کہتا ہے کہ

---

1. ہرش چرت، ترجمہ کاول اور ٹامس، ص ۴۴
2. ایضاً، ص ۴۴، ص ۴۵؛ نیز ملاحظہ ہو ص ۱، ص ۹۰، ص ۱۳۰
3. ہرش چرت، کاول اور ٹامس ص ۲۳۶
4. ایضاً ص ۳۳، ص ۴۹، ص ۲۳۶
5. لائف، ص ۱۶۱، ص ۱۶۳
6. واٹرس، پہلا، ص ۱۶۰، ص ۱۶۱

ہرش ہر سال سرکاری آمدنی کا چوتھا حصہ ممتاز عالموں کو انعام و اکرام دینے کے لیے وقف کر دیا کرتا تھا۔[1] لائف میں لکھا ہے کہ ہرش نے "اڑیسہ کے اسّی بڑے بڑے گاؤں کا لگان" ایک مشہور بدھ عالم جے سین کو تفویض کر دیا تھا۔ جے سین نے بہر حال شکریے کے ساتھ اس پُرکشش پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔[2] ہرش نے بدھ علوم کے عظیم مرکز نالندا کو بھی بڑے بڑے اوقاف سے نوازا۔ نالندا کی عظیم الشان عمارتیں، وہاں کی پُرتاثیر تعلیم جو مباحثوں کے ذریعہ دی جاتی تھی، اس کا جامع نصاب، نزدیک و دور کے ہزاروں کی تعداد میں طالب علموں کا اجتماع[3] وہاں کے استادوں نیز فارغ التحصیل طلبا کا اعلیٰ کردار اور علم و فضل، یہ سب باتیں تمام بدھ مذہب والوں کے لیے سرمایۂ افتخار تھیں۔ ہندوستان کے تمام راجہ بڑی فیاضی اور دریا دلی کے ساتھ اس عظیم درس گاہ کو مالی امداد بہم پہنچاتے تھے اور اس سلسلے میں تمام راجہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔[4]
ہرش کا علم و ادب سے شغف اس سے بھی ظاہر ہے کہ اس نے مصنفین کی سرپرستی کی جیسے بانَ بھٹ تھا جس سے ہرش چرت، کادمبری، حصہ اول، اور چنڈی شتک وغیرہ یادگاریں ہیں۔ دوسرا میورَ تھا جس نے سوریہ شتک لکھی۔ تیسرا ایک گمنام مگتی شاعر ماتنگ دِواکر تھا۔

ہرش بحیثیت مصنف

ہرش محض عالموں ہی کا قدر دان نہیں تھا بلکہ خود بھی مصنف تھا۔ اگر اس کی تلوار نے جوہر دکھائے تو قلم نے بھی کم جوہر نہیں دکھائے۔ عالموں نے عام طور پر تین ناٹکوں — پریہ درشکا، رتناولی اور ناگانند کی تصنیف کو ہرش سے منسوب کیا ہے۔ بانَ نے اس کی شاعرانہ صلاحیتوں کی بڑے شاندار الفاظ میں تعریف کی ہے[5] بعض قدیم مصنفین

---

1. واٹرس، پہلا، ص۱۷۶؛ بیل، پہلا، ص۸۳
2. لائف، ص۱۵۴
3. ایک بیان کے مطابق نالندا میں ۔۔۔۔۔ طالب علم تھے۔ (لائف ص۱۱۲)
4. ملاحظہ ہو ایچ۔ ڈی۔ سنکلیہ، دا یونیورسٹی آف نالندا (مدراس ۱۹۳۴ء)
5. ہرش چرت، کاول اور ٹامس، ص۵۸، ص۶۵

مثلاً سوڈھل (گیارھویں صدی عیسوی)[1] اور جے دیو (بارھویں صدی عیسوی)[2] نے ہرش کو بھاس اور کالی داس جیسے سلاطینِ ادب کے ہم پلہ قرار دیا ہے۔ ان حوالوں سے قطع نظر عہدِ قدیم ہی سے یہ بات بھی مشتبہ چلی آرہی ہے کہ ان ناٹکوں کا مصنف کون ہے۔ گیارھویں صدی عیسوی کا ایک کشمیری مصنف ممٹ اور سترھویں صدی عیسوی کے چند حاشیہ نویسوں کا خیال ہے[3] کہ یہ ناٹک اصلاً دھاوک نامی شاعر نے لکھے تھے اور مالی منفعت کے خیال سے اس نے بعد میں ان ناٹکوں کو ہرش دیو سے منسوب کر دیا۔ ان متضاد روایات کے پیشِ نظر اس سلسلے میں کوئی قطعی حکم لگانا مشکل ہے لیکن ہندوستان کی تاریخ میں بادشاہوں کا عالم و ادیب ہونا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے، اس لیے ہرش کا مصنف ہونا بھی فی نفسہٖ کوئی خلافِ قیاس بات نہیں ہو سکتی۔ پھر بھی، یہ ناممکن نہیں ہے کہ ہرش کے کسی ادیب خاص نے اپنے مربی محسن کے ناٹکوں پر ادبی رنگ چڑھانے میں ہرش کی مدد کی ہو، کیوں کہ مثل مشہور ہے کہ "راجہ مصنف صرف نیم مصنف ہوتا ہے۔"

ہرش کی موت اور اس کے اثرات

تقریباً چالیس سال کے مہتم بالشان دورِ حکومت کے بعد سن ۶۴۷ یا ۶۴۸ء میں ہرش کا انتقال ہو گیا[4] جب اس طاقت ور وجود سے دنیا خالی ہو گئی تو سلطنت میں طوائف الملوکی پھیل گئی۔ ہرش کے اپنے وزیروں میں سے ایک اُولا ناشن (یعنی اُرناشو یا اُرجن) نامی شخص نے تخت و تاج پر قبضہ کر لیا۔ اس نے چینی سفارت کے داخلے پر پابندی لگا دی۔ یہ سفارت بتی لو ئیتو یا شیلا دتیہ کی وفات سے پہلے بھیجی گئی تھی۔ غاصب راجہ

---

[1] اُدے سندری کتھا، ص۲۔ سی، ڈی، دلال اور کرشنم آچاریہ کا اڈیشن (گیکواڑ کے مشرقی سلسلے نمبر ۱۱ : برودہ، ۱۹۲۰ء)

[2] پرسنّ راگھو، ایکٹ پہلا، بند ۲۲، ص۱، پرنج پے اور پنسے اڈیشن (پونا ۱۸۹۴ء)

[3] مثال کے طور پر ناگوجی نے کاویہ پردیپ پر ادیوت میں، اور پرمانند نے لکھا ہے۔

[4] لائف کے مطابق (ص۱۵۶) بہرحال، شیلادتیہ کا انتقال یک ہوئی دورِ حکومت کے اواخر میں ہوا یعنی تقریباً ۶۵۴-۶۵۵ء)

نے اس مسلح دستے کو جو سفارت کے ہمراہ آیا تھا بڑی بے دردی سے قتل کرا دیا۔ لیکن ان کا سربراہ وانگ ہیون تسی خوش قسمتی سے جان بچا کر بھاگ نکلا اور اس کے بعد تبت کے بادشاہ، سرونگ تسان گیمپو اور نیپال کی امدادی فوج کی مدد سے اس نے اس افسوس ناک واقعے کا بدلہ لیا۔ بعد ازاں چین کے شہنشاہ نے دو مہمیں بھیجیں جن کے دوران ارجن کو گرفتار کر لیا گیا اور ہارے ہوئے دشمن کو چین بھیج دیا گیا۔ اس طرح غاصبانہ حکومت ختم ہو گئی اور اسی کے ساتھ ہرش کی حکومت کے آخری آثار بھی مٹ گئے[1]۔

اس کے بعد سلطنت کی لاش کو نوچنے کھسوٹنے کے لیے خوب کھینچا تانی ہوئی۔ آسام کے بھاسکر ورمن نے معلوم ہوتا ہے کرن سورن اور ملحقہ علاقوں پر قبضہ کر لیا، جو پہلے ہرش کی سلطنت میں شامل تھے، اور اپنی چھاؤنی سے ایک مقامی برہمن کے نام فرمانِ جاگیر جاری کیا[2]۔ مگدھ میں مادھو گپت کا لڑکا ادتیہ سین جو ہرش کا جاگیردار تھا، خود مختار ہو گیا۔ اس نے تمام شاہانہ القاب اختیار کر لیے اور اشومیدھ یگیہ کیا[3]۔ مغرب اور شمال مشرق کی طاقتیں جو ہرش سے خائف رہتی تھیں، انھوں نے بھی زور پکڑ لیا۔ ان طاقتوں میں راجپوتانہ کے گرجر (بعدہٗ اونتی) اور کشمیر کے کرکوٹک شامل تھے جو اگلی صدی میں شمالی ہندوستان کی سیاسیات میں ایک خوفناک طاقت بن گئے۔

---

[1] ملاحظہ ہو جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، چھٹا (۱۸۳۷ء)، صہ ۷۹، صہ ۷؛ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۶۹-۱۸۷۰ء (نیومس میٹک سوسائٹی، چوتھا) صہ ۸۵، صہ ۸۶؛ ایشیاٹک جرنل اینڈ منتھلی رجسٹر فار برٹش اینڈ فارین انڈیا، چائنا اینڈ آسٹریلیا، ۱۸۳۶ء، صہ ۲۲۰، صہ ۲۲۱ وغیرہ۔

[2] ایپی گرافیہ انڈکا، بارھواں، صہ ۳۹

[3] کارپس انسکرپشنم انڈیکارم، تیسرا، صہ ۲۱۲، صہ ۲۱۳

پندرھواں باب

شمالی ہندوستان، ہرش کے بعد مسلمانوں کی آمد سے پہلے

(۶۴۷ء سے لے کر تقریباً ۱۲۰۰ء تک)

فصل (۱)

قنوج کی ریاست

۱۔ یشووَرمن[1]

غاصبانہ حکومت کے زوال کے بعد سب سے پہلا راجہ جو گدی پر بیٹھا، اور جس کے متعلق ہم قطعی معلومات رکھتے ہیں، یشووَرمن تھا۔ بدقسمتی سے اس کا سلسلۂ نسب اب تک ایک سربستہ راز ہے۔ بعض جین کتابوں کی سند پر اس کا تعلق موریہ خاندان سے بتایا جاتا ہے لیکن اس کی محکم شہادت بہم نہیں پہنچتی۔ اور نہ اس کا کوئی ثبوت ہے، سوائے اس کے کہ نام کے آخر میں "ورمن" لگا ہوا ہے، کہ وہ موکھری گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یشووَرمن کی حکومت تقریباً ۷۲۵ء سے ۷۵۲ء تک رہی۔ وہ کشمیر کے للتادِتیہ مکتاپیڈ کا معاصر تھا۔ اُسے "وسط ہند کے راجہ" اِچا فون مو کے مماثل قرار دیا گیا ہے جس نے ۷۳۱ء میں اپنے وزیر سینگ پوٹا کو چین بھیجا۔ ایک ہم عصر تصنیف گَوڈَوھو کہتی ہے کہ اس نے دور دراز فتوحات کیں یہاں تک کہ جنوب تک پہنچ گیا۔ ان مہموں کی کہانی مشتبہ ہو سکتی ہے، لیکن یہ روایت کہ "گَلَہ ناہ" (مگدھ کے راجہ) کے ساتھ اس کی جنگ ہوئی، حقیقت پر مبنی معلوم ہوتی ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو مصنف کی ہسٹری آف قنوج، صہ ۱۹۲، صہ ۲۱۳

آخرالذکر کو، جو ممکن ہے جیوت گپت دوم کے مماثل ہو، بڑی گھمسان کی لڑائی کے بعد شکستِ فاش ہوئی۔ بعد ازاں ۷۳۳ء میں خود یشوورمن کو کشمیر کے للتادِتیہ کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانی پڑی۔ یشوورمن کا عہد دو عظیم شاعروں اور ان کی تصانیف کے ذریعے ممتاز ہے۔ پہلا بھوبھوتی، جس سے مالتی مادھو، مہاویر چرت، اور اُتررام چرت یادگار ہیں۔ دوسرا واک پتی جس سے پراکرت میں گوڑ وھو کی تصنیف منسوب ہے یشوورمن کے تین جانشین تھے جن کے نام تھے جو گوشہ گمنامی میں دفن ہو گئے۔

۲۔ ایدھ خاندان

اس خاندان میں تین بادشاہ ہوئے جنھوں نے بہت تھوڑے عرصے حکومت کی۔ یہ معلوم نہیں کہ ان کا حسب نسب کیا تھا، یا انھوں نے حکومت کیسے حاصل کی۔

وجرایدھ

ان میں سب سے پہلے راجہ، وجرایدھ کا تذکرہ اتفاقیہ طور پر کرپور منجری[1] میں آتا ہے۔ اس کی تخت نشینی کی تاریخ ۷۷۰ء قرار دی جاسکتی ہے۔ اُسے غالباً کشمیر کے راجہ جیاپیڈ اوِنے آدتیہ (۷۷۹ ـ ۸۱۰ء) نے شکست دی۔

اِندرایدھ

لیکن اگر ونیا دِتیہ نے یہ مہم آخر عمر میں سر کی، تو قنوج کا شکست خوردہ حکمراں یقیناً وجرایدھ کا جانشین اِندرایدھ تھا، جو ۷۰۵ شک سمبت مطابق ۷۸۳ ـ ۷۸۴ء میں حکومت کر رہا تھا، جیسا کہ جینیوں کے ہری ونش میں مندرج ہے[2]۔ اسی کے دورِ حکومت میں قنوج کے راجہ، راشٹرکوٹوں اور پالوں کے درمیان سہ طرفہ جنگ چھڑ گئی۔ دھرو راشٹرکوٹ (تقریباً ۷۷۹ ـ ۷۹۴ء) نے دوآب پر حملہ کر دیا۔ کہتے ہیں کہ اپنی

---

[1] تیسرا، ۵۲، ص۴۷، ص۲۶۶ (کونو اور لین مین والا اڈیشن

[2] بامبے گزٹیئر، ۱۸۹۶ء، جلد اول، حصہ دوم، ص۱۹۷، حاشیہ ۲؛ انڈین اینٹی کویری، پندرھواں، ص۱۴۱۔ ص۱۴۲

فتح کی یادگار قائم کرنے کے لیے اس نے "اپنے شاہی نشان میں گنگا جمنا کی علامت کا اضافہ" کرادیا۔ بعد ازاں اندر ایدھ کو بنگال کے دھرم پال نے شکست دے دی اور اُسے گدی سے اُتار کر اپنے ایک آوردہ چکر ایدھ کو قنوج کی گدی پر بٹھا دیا۔

چکر ایدھ

اس سیاسی گٹھ جوڑ کو اس وقت کی تمام خاص خاص ریاستوں نے تسلیم کر لیا لیکن راشٹر کوٹوں سے یہ برداشت نہ ہو سکا کہ بنگال کا راجہ تمام شمالی ہندوستان میں اقتدارِ اعلیٰ حاصل کرے۔ اس طرح دونوں ریاستوں میں زور آزمائی ناگزیر ہو گئی۔ اس جنگ کا نتیجہ اموگھ ورش اول کی سنجن والی تختیوں میں محفوظ ہے جن میں لکھا ہے کہ "دھرم اور چکر ایدھ نے خود ہی ہتھیار ڈال دیے۔" اور اپنے تئیں دھرو کے بیٹے اور جانشین گووند سوم (تقریباً ۷۹۴ء - ۸۱۴ء) کے حوالے کر دیا[1] اس تمام جنگ و جدال اور غارت گری سے عوام کو سخت اذیت پہنچی اور تمام دوآب میں انتشار پھیل گیا۔ ناگ بھٹ دوم پرتی ہار نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور چکر ایدھ کو شکست دے دی۔ "جس کا نیازمندانہ برتاؤ اس سے ظاہر تھا کہ وہ ہمیشہ دوسروں کا دست نگر رہتا تھا۔"[2] اس فتح کے بعد ناگ بھٹ نے نہایت بے تکلفی سے قنوج کو اپنی ریاست میں شامل کر لیا اور حکمرانوں کے ایک نئے سلسلے کی بنیاد رکھی۔

۳- پرتی ہار خاندان کے سلاطین

اصل

ناگ بھٹ دوم پرتی ہار خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ ایک غیر ملکی نسل معلوم ہوتی ہے۔ راجور (الور) کے کتبے کی چوتھی سطر میں یہ الفاظ آئے ہیں— "گرجر پرتی ہارات دیۂ"

---

[1] ایپی گرافیہ انڈیکا، اٹھارھواں، ص ۲۴۵، ص ۲۵۳، اشلوک ۲۳۔

[2] ایضاً، ص ۱۰۱، ص ۱۱۳، اشلوک ۹۔

یعنی "گرُجروں کا پرتی ہار قبیلہ"۔ ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہ قبیلہ مشہور گرُجر قبیلہ کی ایک شاخ تھا، یعنی ان وسط ایشیائی قبائل میں سے ایک جو شمال مغربی دّروں سے ہُونوں کے ساتھ ساتھ یا ہونوں کے فوراً بعد ہندوستان میں اس وقت داخل ہونے شروع ہوئے جب گُپت سلطنت کا شیرازہ بکھر چکا تھا اور ملک میں افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ پرتی ہاروں کے گرُجر قبیلہ سے تعلق کی تائید راشٹر کوٹ خاندان کے دستاویزی شواہد نیز ابوزید اور المسعودی جیسے عرب مصنفین کے بیانات سے بھی ہوتی ہے جنھوں نے اپنی تحریروں میں شمال کے "جُزر" یا گرُجروں کے حوالے دیے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی اہم ہے کہ کناڑی شاعر پمپ نے مہی پال کو "گھوُرجر راج" لکھا ہے۔ اس کے برخلاف، پرتی ہار خاندان کے جو کتبے ہیں ان میں ان کا سلسلۂ نسب لکشمن سے ملایا گیا ہے جنھوں نے اپنے بھائی رام کے دربان (پرتی ہار) کے فرائض انجام دیے[1]۔ اس دعوے کی تائید مزید تمثیل نگار راج شیکھر کے بیان سے ہوتی ہے جو اپنے مربی ومحسن مہیندر پال کو "رگھو کُل تلک" (رگھو کی نسل کا زیور) یا "رگھو گرامنی" (رگھو کے خاندان کا سربراہ) کے الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ لیکن ان روایات یا اس قسم کے استنباط کو کوئی خاص اہمیت دینے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ حکمراں خاندانوں کی نجابتِ نسبی ثابت کرنے کے لیے ان کے شجرے مشہور ومعروف داستانوں کی شخصیتوں سے ملانے کی کوششیں ہمیشہ کی جاتی رہی ہیں۔

سابقہ علاقے

پرتی ہاروں کی سب سے پرانی آبادی راجپوتانہ کے وسط میں مندور، (جودھپور) کے مقام پر تھی جہاں ہری چند کا گھرانہ حکومت کرتا تھا۔ پھر ان کی ایک شاخ جنوب کی طرف چلی گئی اور اجین میں اپنی حکومت قائم کرلی۔ یہ گرُجروں کا گڑھ تھا۔ یہ بات اگوگھ ورش اول

---

[1] ایضاً، اٹھارھواں، صفحہ ۹۵، صفحہ ۹۶، اشلوک ۴۔ گوالیار کے کتبے کے مطابق (ایضاً، صفحہ ۱۰۷، صفحہ ۱۱۱، اشلوک ۳)، بہرحال لکشمن کو پرتی ہار کہا جانے لگا، کیوں کہ انھوں نے دشمنوں کو پسپا کیا تھا۔ प्रतिहरणविधेः لعد میگھ ناد جیسے دشمنوں کو جنگ میں شکست دی تھی۔

کے سنجن والے کتبوں سے ظاہر ہوئی ہے جن میں راشٹر کوٹ دنتی درگ کے گرجر سردار کو تسخیر کرنے کا ذکر کیا گیا ہے[1]۔ مزید برآں، جینیوں کی ہری ونش میں بڑی وضاحت کے ساتھ وتس راج کو اونتی کا راجہ کہا گیا ہے[2]۔ چوں کہ اس کو متفقہ طور پر ناگ بھٹ دوم کے باپ کے مماثل قرار دیا گیا ہے، اس لیے ہم بڑی آسانی سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ شمالی علاقے فتح کرنے سے پہلے قنوج کا پرتی ہار خاندان اونتی پر بھی قابض تھا۔

حکومت کی ابتدا

خاندان کی حکومت کی ابتدا ناگاؤلوک یا ناگ بھٹ اول نے بڑے شاندار انداز میں کی۔ اُس نے "طاقت ور ملیچھ راجہ کی فوجوں" کو پیچھے ہٹا دیا، یعنی ان عربوں کو جو ہندوستان کی مغربی سرحدوں پر حملہ آور ہوئے تھے؛ اور بڑوچ تک اپنی فوجوں کو لے گیا[3]۔ اگلے دو حکمران بالکل بے وجود تھے۔ چوتھے حکمران وتس راج نے اپنے کارناموں کے باعث کافی شہرت حاصل کرلی۔ اس نے بھنڈی قبیلہ کو، یا شاید وسطی راجپوتانہ کے بھٹیوں کو شکست دی۔ انھوں نے اس کی فرماں روائی تسلیم کرلی۔ اس نے گوڑ کے راجہ دھرم پال پر بھی فتح پائی۔ اس کا ثبوت ہمیں وَنی ڈِنڈوری[4] اور رادھن پور کی جاگیروں سے ملتا ہے[5]۔ لیکن نتیجہ میں وتس راج کو دھرو نے شکست دے دی اور وہ "ریگستان کے وسط میں" پناہ لینے پر مجبور ہوگیا۔

---

[1] ایضاً، اٹھارھواں، ص۲۴۳، ص۲۵۲، اشلوک ۹۔

[2] بامبے گزیٹیئر، ۱۸۹۶ء، جلد اول، حصہ دوم، ص۱۹۷، حاشیہ ۲؛ نیز ملاحظہ ہو ایپی گرافیہ انڈکا، چھٹا، ص۱۹۵، ص۱۹۶؛ جرنل ڈپارٹمنٹ آف لیٹرس (کلکتہ یونیورسٹی)، جلد دس، ص۲۳، ص۲۵

[3] موازنہ کریں منسات گرانٹ، ایپی گرافیہ انڈکا، بارھواں، ص۲۰۳، ص۲۰۴، پہلا، ۳۴

[4] انڈین اینٹی کویریز، نواں، ص۱۵۷، ص۱۶۱، اول، ۱۲

[5] ایپی گرافیہ انڈکا، چھٹا، ص۲۴۳، ص۲۴۸، اشلوک ۸

ناگ بھٹ دوم (تقریباً ۸۰۵-۸۳۳ء)

وتس راج کے بعد اس کا لڑکا ناگ بھٹ (دوم) تقریباً ۸۰۵ء میں تخت نشین ہوا۔ شروع شروع میں اس نے اپنے خاندان کے بگڑے ہوئے حالات کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ لیکن باپ کی طرح اس کا ستارہ بھی گردش میں تھا اور اسے گووند سوم کے مقابلے میں شکستِ فاش ہوئی۔ ناگ بھٹ دوم کی ابتدائی کوششیں جب اس طرح ناکام ہو گئیں تو اس نے اپنی توجہ قنوج کی طرف مبذول کی جس کے نتائج اوپر بیان کیے گئے۔ ۸۱۴ء میں گووند سوم کے انتقال کے بعد راشٹر کوٹوں کی خانہ جنگی نے ناگ بھٹ دوم کو جنوبی خطرہ سے بالکل نجات دلا دی۔ لیکن بنگال کا دھرم پال اس کے آوردہ چکرایدھ کو معزول کرنے اور قنوج پر قبضہ کرنے کے خیال سے اس کے خلاف میدانِ جنگ میں ڈٹ گیا۔ مدگگری (مونگیر) کے مقام پر بڑے گھمسان کا رن پڑا اور نتیجہ میں پرتی ہار راجہ نے اپنے حریف کو شکست دے دی اور اس کے بعد وہ اتنا طاقتور ہو گیا کہ آندھر، سندھو، ودربھ اور کلنگ کے راجہ اس سے مدد مانگنے لگے اور اس سے دوستی کے خواہش مند ہو گئے۔ گوالیار کا کتبہ مزید بتاتا ہے کہ ناگ بھٹ دوم نے آنرت (شمالی کاٹھیاواڑ)، مالوہ یا وسط ہند، (مشرقی راجپوتانہ کے) متسیہ، (ہمالیہ کے علاقے کے) کرات، (مغربی ہندوستان کے عرب) ترشک، (کوسمبی کے) وتس خاندانوں کے خلاف فتوحات حاصل کیں۔[1]

مہر بھوج (تقریباً ۸۳۶-۸۸۵ء)

گدی پر بیٹھتے ہی مہر بھوج نے پرتی ہار طاقت کو مجتمع کرنے کی کوشش کی جسے اس کے باپ رام بھدر کے کمزور دورِ حکومت میں زبردست صدمہ پہنچا تھا۔ تخت نشینی کے فوراً بعد مہر بھوج نے بندیلکھنڈ میں اپنے خاندان کا اقتدار قائم کیا۔ ناگ بھٹ دوم کی جاری کردہ ایک جائداد کی تجدید کی جو رام بھدر کے عہد میں معطل ہو گئی تھی۔[2] اسی طرح مہر بھوج نے ۸۴۳ء

---

[1] ایپی گرافیہ انڈیکا، اٹھارہ، صفحہ ۱۰۸، صفحہ ۱۱۲، اشلوک ۱۱

[2] ایپی گرافیہ انڈیکا، انیسواں، صفحہ ۱۵، صفحہ ۱۹ (برہ کی تانبے کی تختی)

میں ایک اور جاگیر کا احیا گرجر ترا بھومی (مارواڑ) میں کیا۔ یہ اصلاً وتس راج کا عطیہ تھی اور ناگ بھٹ دوم نے اس کی توثیق کی تھی۔ اور یہ بھی غالباً رام بھدر کے عہد سے تعویق میں پڑی ہوئی تھی اور مہر بھوج کے ابتدائی زمانے تک یونہی پڑی رہی[1] شمال میں اس کا تسلط یقیناً ہمالیہ کے دامن تک قائم ہوگیا تھا، جیسا کہ ضلع گورکھپور میں گنان بودھی دیو کے نام ایک زمین کی پیش کش سے ثابت ہے[2] تمام مدھیہ دیش میں جب اس نے اقتدار حاصل کرلیا تو مہر بھوج بنگال کے پال خاندان سے شمشیر آزمائی کی طرف متوجہ ہوا جس نے راجہ دیوپال (تقریباً ۸۱۵ء – ۸۵۵ء) کے متحرک و فعال دور میں توسیع سلطنت کی پالیسی پر عمل درآمد شروع کردیا تھا۔ دیوپال ایک ایسا دشمن تھا جس کا تمام دنیا لوہا مانتی تھی۔ کہتے ہیں کہ اس نے گرجروں کے راجہ کے سر پُر غرور کو خم کردیا[3] اس طاقت ور مزاحمت سے مرعوب ہوئے بغیر جو مشرق کی جانب سے اس کے راستے میں حائل تھی، مہر بھوج پوری قوت کے ساتھ جنوب کی طرف بڑھا۔ اکثر جنوب ہی سے آکر راشٹرکوٹوں نے قنوج کے لہلہاتے ہوئے کھیتوں کو تاراج کیا تھا۔ اس نے جنوبی راجپوتانہ اور اجین کے اطراف میں نرمدا تک کے ملحقہ علاقوں کو تاخت و تاراج کیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے خاندان کے دیرینہ دشمنوں سے زور آزمائی کی۔ لیکن ۸۶۷ء سے کچھ قبل راشٹرکوٹوں کی گجرات والی شاخ کے دھرو دوم دھارا ورش نے اسے شکست دے دی[4] بعد ازاں مہر بھوج کی مڈبھیڑ خاندان کے اہل فرد کرشن دوم (۸۷۵ - ۹۱۱ء) سے ہوگئی۔ لیکن ان کی یہ جنگ، بہر حال، فیصلہ کن ثابت نہیں ہوئی۔ اس قیاس کی بھی کافی گنجائش نکلتی ہے کہ مہر بھوج کی افواج پیہوا (ضلع کرنال) تک[5]، بلکہ مغرب میں اس سے بھی آگے[6] اور جنوب مغرب میں سوراشٹر

---

[1] ایپی گرافیہ انڈکا، پانچواں، ص ۲۰۸، ص ۲۱۳ (دولت پورہ۔ سی۔ پی)

[2] ایپی گرافیہ انڈکا، ساتواں، ص ۸۵، ص ۹۳ (کہل کی تختی KAHLA PLATE)

[3] ایضاً، دوسرا، ص ۱۶۳، ص ۱۶۵، اشلوک ۳۸۔ اس سے موازنہ کریں खर्वीकृतद्राविडगुर्जरनाथदर्पम्

[4] انڈین اینٹی کویریز، بارھواں، ص ۱۸۴، ص ۱۹۹، اشلوک ۳۸

[5] پیہوا کے کتبے میں "بھوج دیو کے کامیاب دورِ حکومت میں" کی گئی خرید و فروخت کا ذکر ہے جو ایک مقامی میلے میں گھوڑوں کے بیوپاریوں نے کی تھی (ایپی گرافیہ انڈکا، اول، ص ۱۸۴، ص ۱۹۰)

[6] ملاحظہ ہوں آئندہ صفحات۔

تک پہنچ گئیں[1]

عرب سیاح سلیمان نے اپنی ۸۵۱ء کی تحریر میں راجہ بھوج کے انتظام حکومت اور فوجی قوت خاص کر سواروں کی بہت تعریف لکھی ہے۔ "عربوں کے ساتھ اس نے دوستانہ سلوک نہیں کیا" عربوں نے اسے "اسلام کا سب سے بڑا دشمن" قرار دیا ہے۔ اس وقت ملک خوشحال اور ڈاکوؤں سے محفوظ تھا، اور ملک میں ضرورت کی تمام اشیا کی بہتات تھی[2]

مہندر پال اول (تقریباً ۸۸۵۔۹۱۰ء)

مہر بھوج کے بعد اس کا لڑکا مہندر پال اول یا نربھیہ راج[3] ۸۸۵ء میں تخت نشین ہوا۔ کتبوں سے ثابت ہے کہ اس کا سب سے اہم کارنامہ یہ تھا کہ اس نے اپنے عہد کے ابتدائی زمانے میں شمالی بنگال اور مگدھ کے بڑے حصے کو فتح کر لیا۔ ہمیں دو کتبوں سے جو اُنا (ریاست جوناگڑھ) میں دستیاب ہوئے ہیں، مزید معلوم ہوتا ہے کہ ۸۹۳ء اور ۸۹۹ء میں اس کی قلمرو سوراشٹر تک تسلیم کی جاتی تھی جہاں اس کے جاگیردار بل ورمن اور اونی ورمن حکومت کرتے تھے[4] لیکن شمال و مغرب کی جانب ریاستہ۔ کی حدود میں جو کمی واقع ہوئی، اس کی وجہ سے مہندر پال کی عظمت میں قدرے کمی آگئی۔ راج ترنگنی کے ایک شعر سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ جس زمانے میں شنکر ورمن بیرونی ممالک کی مہموں پر گیا ہوا تھا، اس زمانے میں وہ علاقے جن پر اَدھی راج بھوج نے قبضہ کر لیا تھا، تھکیہ گھرانے کو پھر مل گئے[5] شاید مہندر پال اول کی مشرق میں مصروفیات کے باعث یہ ممکن ہو سکا کہ کشمیری حکمران (۸۸۳۔۹۰۲ء) اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ پنجاب میں جتنے مقبوضات بھی اس کے ہاتھ سے نکلے ہوں، پیہوا کے ایک کتبے کی سند سے کم از کم اتنی بات طے ہے کہ جس طرح کرنال پر باپ کا قبضہ

---

[1] انڈین ہسٹری کوارٹرلی، پانچواں (۱۹۲۹ء)، ص ۱۲۹، ص ۱۳۳

[2] اِلیٹ، ہسٹری آف انڈیا، جلد اول، ص ۴

[3] اس کے نام کی دوسری صورتیں یہ تھیں۔ مہندرا یدھ، مہیش پال دیو، نربھے نریندر، وغیرہ

[4] ایپی گرافیہ انڈیکا، نواں، ص ۱، ص ۱۰

[5] جلد ایک، کتاب پنجم، اشلوک ۱۵۱ (اسٹین، ص ۲۰۶)

رہا، اسی طرح اس کا بھی رہا۔[1]

مہیندر پال نے شائستہ ادب کی بڑی فیاضی کے ساتھ سرپرستی کی۔ اس کے زمانے کا سب سے بڑا ادبی ہیرا راج شیکھر تھا جس سے مختلف معیار کی کئی کتابیں یادگار ہیں، مثلاً کرپور منجری بال رامائن، بال بھارت، کاویہ میمانسا وغیرہ۔

مہی پال (تقریباً ۹۱۲-۹۴۴ء)

۹۱۰ء میں مہیندر پال کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد سلطنت میں تھوڑا بہت فساد ہوا۔ اول اس کے لڑکے بھوج دوم نے کوکلا چیدی کی مدد سے تخت حاصل کرلیا[2] لیکن بہت جلد اس کے سوتیلے بھائی مہی پال نے ہرش دیو چندیلہ کی مدد سے بھوج دوم کو تخت سے اتار دیا۔[3] مہی پال، معلوم ہوتا ہے کشتی پال، ونایک پال اور ہیرمب پال وغیرہ ناموں سے بھی موسوم تھا۔ اپنے عہد کے بالکل شروع میں اسے راشٹر کوٹوں کے حملوں کی مکافات بھگتنی پڑی۔ گووند چہارم کی کھمبات والی تختیوں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اندر سوم نے مہودیہ (قنوج) کو جو اس کا مخالف شہر تھا " مکمل طور پر تباہ و برباد کردیا۔"[4] اپنے جاگیردار نرسنگھ چالوکیہ کو ساتھ لے کر اس نے مشرق میں پریاگ تک تمام ملک تاخت و تاراج کر ڈالا۔ پال خاندان کے راجہ نے اس حملہ سے، جس کی تاریخ تقریباً ۹۱۶-۹۱۷ء ہے، خوب خوب فائدہ اٹھایا اور دریائے سون تک اپنے بعض آبائی مقبوضات ازسرنو حاصل کرلیے۔

اس طرح اگرچہ سرحدی علاقوں کی بعض ریاستوں نے علیحدگی اختیار کرلی، لیکن مہی پال نے اپنی ابتدائی مشکلات پر بہت جلد قابو پالیا اور اپنے باپ کے مقبوضات کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں مصروف ہوگیا۔ پرچنڈ پانڈو کی تمہید میں ایک بڑا بلند آہنگ شعر آیا ہے[5] جو

---

[1] ایپی گرافیہ انڈکا، اول، ص ۲۴۲، ص ۲۵۰ (پیہوا پرشستی)

[2] ایضاً، اول، ص ۲۵۶، ص ۲۶۴، اشلوک ۱۷؛ ایضاً، دوسرا، ص ۳۰۶، اشلوک ۷

[3] ایضاً، اول، ص ۱۲۲، سطر ۱۰

[4] ایضاً، ساتواں، ص ۳۸، ص ۴۳، اشلوک ۱۹

[5] سطر ۷، کاڈل کا پلر کا اڈیشن (۱۸۸۵) ص ۲ اس سے مقابلہ کریں۔

(بقیہ فٹ نوٹ دوسرے صفحے پر)

ظاہر کرتا ہے کہ اس کے اثرات موزلؔ (علاقہ نرمدا کے باشندوں)، میکھلؔ (امرکنٹک کی کی پہاڑیوں والے)، کلنگ، کیرل، کلوتؔ، کنتلؔ، اور رمٹھؔ (پرپتھورک کے ماورا رہنے والے) خاندانوں نے محسوس کر لیے تھے۔ اس قسم کے اشارے بھی ملتے ہیں کہ مہیؔ پال کا آخری زمانہ شمال کی طرف سے کرشنؔ سوم راشٹرکوٹ کے حملوں کی وجہ سے ایک بار پھر افراتفری اور پریشانی میں گزرا[2]۔ ۳۰۳-۳۰۴ھ، مطابق ۹۱۵-۹۱۶ء میں المسعودی وادی سندھ میں پہنچا اور ۳۳۲ھ مطابق ۹۴۳-۹۴۴ء میں اس نے اپنا سفرنامہ مرتب کیا۔ چناں چہ اس کی بہت واضح شہادت ہمارے پاس موجود ہے کہ بوؔورَ کی فوجی طاقت بہت زبردست تھی۔ ظاہر ہے عربوں نے پرتی ہار یا پڈی ہار کو بگاڑ کر بوؤر لکھا ہے۔ عرب مورخ نے راشٹرکوٹوں اور پرتی ہاروں کی باہمی دشمنی کا ذکر بھی کیا ہے جو اس عہد کی امتیازی خصوصیت تھی[3]۔

مہیؔ پال کے جانشین (۹۴۴ - ۱۰۳۶ء؟)

دِنایکؔ پال (مہیؔ پال) کے لڑکے اور جانشین، مہیندرؔ پال دوم نے معلوم ہوتا ہے پرتی ہار حکومت کو جوں کا توں مضبوط و مستحکم رکھا۔ لیکن دیو پال کے عہد کی جو ۹۴۸ء سے کچھ ہی قبل گدی پر بیٹھا، خصوصیت یہ ہے کہ اس کے عہد میں چندیلوں نے زور پکڑ لیا[4]۔ یہ سلطنت کے زوال و انتشار کی علامت تھی جس کا سلسلہ وجےؔ پال کے دور میں بھی جاری رہا، یہاں تک کہ سلطنت کئی حصوں میں منقسم ہو گئی — یعنی (ا) انہل واڑ کے چالوکیہ، (ب) جےؔ جک بھکتی کے چندیلہ، (ج) گوالیار کے کچھ چھپ گھاتؔ، (د) ڈاہل کے چیدی، (ہ) مالوہ کے پرمار، (و) جنوبی راجپوتانہ کے گہولہ (ز) شاکمبھری کے چاہ مانؔ۔ دسویں صدی عیسوی کے اواخر میں جب راجیہ پال

(گزشتہ سے پیوستہ)

नमितमुरलमौलिः पाकलो मेकलानां,
रणकलितकलिङ्गः केलितटकेरलेन्दोः ।
अजनिजितकुलूतः कुन्तलानां कुठारः
हठहृतरमठश्रीः श्रीमहीपालदेवः ॥

[1] ملاحظہ ہو ہسٹری آف قنوج، ص ۲۶۷ - ص ۲۶۸

[2] ایلیٹ۔ ہسٹری آف انڈیا، جلد اول، ص ۲۱، ص ۲۳

[3] موازنہ کریں کھجوراہو کے کتبے سے، ایپی گرافیہ انڈیکا، اول، ص ۱۲۱، ص ۱۲۸، ص ۱۳۲، ص ۱۳۳۔ اشلوک ۲۳-۲۹۔ یشوورمن چندیل کو اس میں "گرجروں کے لیے آتشِ سوزاں" اور "کالنجر کے قلعہ کا فاتح" کہا ہے۔

گدی پر بیٹھا تو پرتی ہار خاندان کی شان و شوکت خاک میں مل گئی۔ اس کے دورِ حکومت میں ہندوستان کے میدانوں کو شمال و مغرب کے مسلمان للچائی نظروں سے دیکھنے لگے تھے۔ اُدبھانڈپور (بعدہٗ بھٹنڈہ) کے شاہی خاندانوں نے مسلمانوں کو اندرونِ ملک میں گھسنے سے روکا[1] راجیہ پال نے بھی دوسرے ہندو حکمرانوں کی طرح شاہیوں کا ہاتھ بٹایا۔ اس نے ۹۹۱ء میں پہلا فوجی دستہ سلطان سبکتگین کے مقابلے میں جے پال کی مدد کے لیے بھیجا۔ جب ۳۹۹ھ مطابق ۱۰۰۸ء میں جے پال کے لڑکے اور جانشین انند پال کو محمود کے حملوں کا خطرہ لاحق ہوا تو اس نے دوسرا دستہ روانہ کیا۔ متحدہ افواج کو دونوں موقعوں پر شکست ہوئی۔ آخر کار دسمبر ۱۰۱۸ء میں راجیہ پال کی باری آئی لیکن محمود سے مقابلے کے لیے اس کی ہمت نہ بندھی اس لیے اس نے پسپائی اختیار کی اور گنگا پار کر کے باری کی طرف نکل گیا۔ پرتی ہار راجہ کی اس بزدلانہ حرکت پر چندیلہ سردار گنڈ بہت برہم ہوا اور اس نے ایک فوج اپنے یووراج ودیادھر دیو کی کمان میں بھیجی جس نے راجیہ پال کو قتل کر دیا اور اس کے لڑکے ترلوچن پال کو گدی پر بٹھا دیا[2] جب محمود کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو وہ ۴۱۰ھ مطابق ۱۰۱۹ء کے موسمِ خزاں میں قنوج کی طرف بڑھا۔ ترلوچن پال سے جو مقابلہ اس کا ہوا اس میں ترلوچن پال کو بُری طرح شکست ہوئی۔ ترلوچن پال بڑی مشکل سے جان بچا سکا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۰۲۷ء تک زندہ رہا۔ اس خاندانی سلسلہ کا آخری تاجدار یش پال تھا جس کا ذکر ۱۰۳۶ء کے ایک کتبے میں موجود ہے[3]

---

[1] برگس، فرشتہ (ہسٹری آف دی رائز آف دی محمڈن پاورز)، جلد اول، صفحہ ۲۶

[2] ہسٹری آف قنوج ص ۲۸۵ ص ۲۸۶

[3] قنوج کے پرتی ہار خاندان کا زوال تو ضرور ہو گیا لیکن ان کا نام و نشان قطعی طور پر بہر حال نہیں مٹا۔ کافی عرصہ بعد تک مختلف مقامات پر پرتی ہار سرداروں کی حکومت رہی۔ موازنہ کریں، شال کے طور پر ملاپہ درمن کی گرنیٹ کھٹ (ریاست گوالیار) کی تختیوں سے جن پر ۱۲۰۷ بکرمی پڑا ہوا ہے، نیز اس کے بھائی نرودمن کی تختیوں سے جن پر ۱۲۰۴ بکرمی پڑا ہوا ہے (پراگریس رپورٹ آف دی آرکیلاجیکل سروے آف ویسٹرن سرکل ۱۹۱۵ء - ۱۹۱۶ء، ص ۵۹؛ بھنڈارکر کی فہرست نمبر ۵، ۴ اور ۱۴۱ ۵) بنارس ہندو یونیورسٹی کے ڈاکٹر اے۔ ایس۔ الٹیکر نے حال ہی میں مالیہ ورمن کے ایک کتبہ کا جزوی حصہ ریاست کوٹہ میں دریافت کیا ہے۔ وہ اسے ایپی گرافیا انڈکا کے لیے شایع کر رہے ہیں۔

۴۔ گاہڑوال خاندان

طوائف الملوکی

پرتی ہار سلطنت کا شیرازہ بکھر جانے کے بعد گنگا کے دوآبے پر تواتر کے ساتھ حملے ہوئے۔ ۴۲۴ھ مطابق ۱۰۳۲ء میں پنجاب کے گورنر احمد نیالتگین نے اس پر حملہ کیا۔ وہ اپنی فوجیں بنارس تک لے گیا جو اس وقت گنگا یا گانگییہ دیو چیدی کے قبضے میں تھا۔ یہ ثابت کرنے کے لیے ہمارے پاس کافی شواہد موجود ہیں کہ گنگا چیدی اور اس کے لڑکے کرن (تقریباً ۱۰۴۱ - ۱۰۷۲ء) نے شمال میں اپنی طاقت کافی بڑھالی تھی۔ بسہی کی تختی کے ایک اشلوک[1] سے مزید ظاہر ہوتا ہے کہ بھوج پرمار (تقریباً ۱۰۰۰ - ۱۰۵۰ء) نے قنوج کے علاقے کو تباہ و برباد کیا۔ تباہ کن حملوں سے جب "دھرتی" تنگ آگئی تو گاہڑوال خاندان کا ایک من چلا جس کا نام چندر دیو تھا، اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے اپنے "قوتِ بازو" سے "لوگوں کی تمام تکالیف کا خاتمہ کردیا[2]۔

اصل

گاہڑوال خاندان اسں قدر تیزی کے ساتھ ابھر کر تاریخ کی روشنی میں آتا ہے کہ یہ حکم لگانا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ کون تھے۔ بعض عالموں کا خیال ہے کہ وہ راشٹر کوٹوں یا راٹھوروں ہی کی ایک شاخ تھے۔ لیکن یہ بات اہم ہے کہ ان کے بے شمار فرمانوں میں سے ایک بھی ان کا تعلق سوریہ (سورج) اور چندر (چاند) کے مشہور و معروف گھرانوں سے ظاہر نہیں کرتا۔ اور ان کی روایات ان کا سلسلۂ نسب یَیاتی کے ایک بالکل غیر معروف وارث سے ملاتی ہیں۔ ان کا واسطہ مقبول عام دیومالا کے کسی بھی ہیرو سے کہیں ظاہر نہیں ہوتا۔ تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ یہ کوئی بہت قدیم اور غیر اہم قبیلہ تھا جو اس وقت نمایاں ہوا جب کشتریوں نے

---

[1] انڈین اینٹی کویریز، چودھواں، ص۱۰۳، سطر۳

[2] ایضاً، اٹھارہواں، ص۱۶، ص۱۸، سطر۴

سیاسی طاقت حاصل کرنے کے بعد برہمن مت کی حمایت شروع کی؟

چندر دیو

معلوم ہوتا ہے گاہڑوال خاندان کا بانی چندر دیو تھا جس نے ۱۰۸۰ء اور ۱۰۸۵ء کے مابین گوپال نامی سردار کو شکست دینے کے بعد کانیہ کبج میں حکومت قائم کی۔[1] کتبوں میں وہ تمام شاہانہ القاب "پرم بھٹارک، مہاراجہ دھراج، اور پرمیشور" اختیار کر لیتا ہے۔ اور اپنے کو کاشی (بنارس)، اتر کوشل (ضلع فیض آباد)، کشک (قنوج)، اور اندرستھان وغیرہ مقدس مقامات کا محافظ و نگہبان قرار دیتا ہے۔[2] اس طرح اس کی عملداری پورے اتر پردیش میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس قیاس کی بھی کافی گنجایش ہے کہ اس نے بنگال کے وجے سین کے جارحانہ حملوں کے انسداد کی کوشش کی۔ تقریباً ۱۱۰۰ء میں چندر دیو کا انتقال ہو گیا۔ اس کے عہد کی آخری تاریخ جو ہم جانتے ہیں ۱۰۹۹ء ہے۔

گووند چندر

چندر دیو کے بیٹے اور جانشین مدن پال کے بارے میں ایک بات بھی ایسی معلوم نہیں جو مورخ کے لیے کار آمد ہو۔ ۱۱۰۴ء سے کچھ ہی پہلے مدن پال کا لڑکا گووند چندر[3] گدی پر بیٹھا۔ وہ اپنے باپ کی زندگی ہی میں حکومت کے کاروبار میں کافی حد تک دخیل ہو گیا تھا۔ یووراج ہی کی حیثیت سے ۱۱۰۹ء سے قبل اس نے ایک مسلم فوج کو پیچھے ہٹا دیا جو غزنوی بادشاہ مسعود سوم (۱۰۹۸ - ۱۱۱۵ء) نے حاجب تغاتگین کی ماتحتی میں بھیجی تھی۔

ہمیں مزید معلوم ہوتا ہے کہ گووند چندر نے پال ریاست کے معاملات میں، جو دم توڑ رہی تھی، مداخلت کر کے اس کا کچھ حصہ مگدھ میں شامل کر لیا۔ اس کی تصدیق اس کے

---

[1] موازنہ کریں "گادھی پرا دھپ" گوپال کے شبہیت مہیشور الاکتبہ (انڈین اینٹی کویریز، سترھواں، صفحہ ۶۱، صفحہ ۶۴؛ ایضاً، چوبیسواں، صفحہ ۱۷۶؛ جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، اکتوبر، اضافی نمبر ۱، صفحہ ۶۰ حاشیہ)

[2] انڈین اینٹی کویریز، پندرھواں، صفحہ ۷، صفحہ ۸ اشلوک ۵؛ اٹھارھواں، صفحہ ۱۷، صفحہ ۱۸، سطر ۴

[3] ملاحظہ ہو ہسٹری آف قنوج، صفحہ ۳۰، صفحہ ۳۱۶۔

دو فرمانوں سے ہوتی ہے ۔ ایک فرمان کے ذریعہ اس نے ضلع پٹنہ میں ایک گاؤں بطور جاگیر ۱۱۲۶ء میں منظور کیا[1] دوسرے فرمان کے ذریعہ ۱۱۴۶ء میں ایک اور گاؤں اس وقت منظور کیا جب وہ مُدگگری (مونگھیر) میں قیام پذیر تھا[2] اس نے دشارن یا مشرقی مالوہ بھی فتح کر لیا[3] غرضکہ وہ ایک اہم اور قابلِ ذکر طاقت بن گیا اور اس کی شہرت دور دراز ملکوں میں پھیل گئی۔ کشمیر کے راجہ جے سنگھ (۱۱۲۸ - ۱۱۴۹ء) نیز گجرات کے راجہ سِدھ راج جے سنگھ (تقریباً ۱۰۹۵-۱۱۴۳ء)، اور شاید جنوب کے چول خاندان سے اس کے تعلقات دوستانہ تھے۔ گووند چندر کا دورِ حکومت اس کے وزیر امن وجنگ لکشمی دھر کی ادبی سرگرمیوں کے لیے ممتاز ہے، جس نے کِرتیہ کَلپ تِرُو (کل پدرم) تصنیف کی جو ضابطۂ قانون پر ایک اہم کتاب ہے ۔ اس میں دوسرے دل چسپ موضوعات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے

وجے چندر

۱۱۵۴ء کے فوراً بعد گووند چندر کا جانشین اس کا لڑکا وجے چندر ہوا۔ پرتھوی راج راسو میں بڑے تعریفی انداز میں اس کی بے شمار فتوحات کا ذکر کیا گیا ہے، لیکن اس قسم کی شاعرانہ حکایتوں پر زیادہ اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ باپ کی طرح وجے چندر بھی مسلمانوں کے حملوں کے خلاف پشت پناہ بن گیا[4] علاء الدین غوری نے جب امیر خسرو یا اس کے لڑکے خسرو ملک کا غزنی سے بالکل استیصال کر دیا تو آخر الذکر نے لاہور پر قبضہ کر لیا۔ وجے چندر نے ان کی فوجوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ مشرق کی جانب جنوبی بہار میں وجے چندر نے گاہڑوال حکومت کو بدستور مستحکم و مضبوط رکھا۔ لیکن ایک کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ مغرب میں یقیناً اس کا مقابلہ وِگرَہ راج ولیسل دیو سے ہوا جس نے دہلی اس سے چھین لی تھی[5]

---

[1] جرنل آف بہار اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی، جلد ۲، حصہ ۴ (۱۹۱۶) ص۴۴۱ - ص۴۴۷

[2] ایپی گرافیہ انڈیکا، ساتواں، ص۹۸، ص۹۹

[3] رسبھا منجری، بمبئی اڈیشن (۱۸۹۹)، ص۲

[4] انڈین اینٹی کویریز، پندرھواں، ص۷، ص۹، اشلوک ۹۔ اس سے موازنہ کریں ۔

भुवनदलनहेलाहर्म्यहम्मीरनारीनयनजलदधाराधौतभूलोकताप: ।

[5] جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، ۱۸۸۶ (جلد ۵۵، حصہ اول) ص۴۲، اشلوک ۲۲۔ اس طرح یہ روایت

(باقی حاشیہ دوسرے صفحے پر)

جے چندر

وجے چندر کا جانشین اس کا لڑکا جے چندر ہوا، جس کی تخت نشینی ۲۱ رجون ۱۱۷۰ء کو اتوار کے دن عمل میں آئی۔ کہتے ہیں کہ اس نے دیوگری کے یادو راج پر حملہ کیا، دو مرتبہ انہل واڑ کے بِیدھ راج کو شکست دی، آٹھ باجگذار راجاؤں کو قید کیا اور کئی بار یَوَن (مسلم) حکمران شہاب الدین پر غلبہ حاصل کیا۔ لیکن یہ سب شاعرانہ روایات ہیں جن کی تائید ادبی اور لوحی شواہد سے نہیں ہوتی، اس لیے ہم انھیں یک قلم مسترد کر سکتے ہیں۔ جے چندر کی حدودِ سلطنت زیادہ وسیع نہیں تھیں کیوں کہ ٹھیک اسی زمانے میں کئی اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں چوہانوں اور چندیلوں کی موجود تھیں۔ ایک کتبے سے ثابت ہے کہ مشرق میں اس کی حکومت علاقۂ گیا تک تسلیم کی جاتی تھی[1] اور بنارس گاہڑ والوں کی دوسری راجدھانی کی حیثیت میں پہلے کی طرح اب بھی باقی رہا۔ جے چندر نے اپنی بیٹی سنیوگتا کا سُویَمبَر منعقد کیا۔ رسموں کے دوران پرتھوی راج سنیوگتا کو اُڑا لے گیا۔

جے چندر کے عہد کا سب سے اہم واقعہ شہاب الدین غوری کا حملہ تھا۔ ۱۱۹۱ء میں شہاب الدین غوری کو ترَوڑی (تراوڑی) کے مقام پر پرتھوی راج کے مقابلے میں شکست ہوئی۔ اس ہزیمت کی خلش سلطان کے دماغ میں باقی رہی اور وہ اگلے ہی سال پھر آیا اور چوہان راجہ کو شکستِ فاش دی اور قتل کر دیا۔ جے چندر بڑے مغرورانہ انداز میں علیٰحدگی اختیار کیے رہا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کا سب سے بڑا دشمن تباہ و برباد ہو جائے گا تو شمالی ہند میں مکمل طور پر اُسے اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہو جائے گا[2] وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کا اپنا انجام اس کا منتظر ہے۔ ۵۵۹۰

(گزشتہ سے پیوستہ) عقیدہ کہ پرتھوی راج سوم کے زمانے میں دہلی چاہمانوں کے قبضے میں آگیا، بالکل بے بنیاد ہے۔ مقبول عوام قصوں کہانیوں میں اننگ پال تومر کو دھلک یا دہلی کے بانی کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ یہ تومر غالباً قنوج کے راجاؤں کے جاگیردار تھے۔

[1] انڈین ہسٹری کوارٹرلی، جلد پانچ (۱۹۲۹)، صفحہ ۱۳، نیز ملاحظہ ہوں پروسیڈنگس آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۱۸۸۰ء، صفحہ ۷۶

[2] یہ عام خیال کہ شہاب الدین غوری کو حملہ کرنے کی دعوت جے چندر نے دی تھی، بہرحال غلط ہے۔

مطابق ۱۱۹۴ء میں شہاب الدین نے قنوج کی طرف کوچ کیا اور چَندا وَر اور اِٹاوہ کے درمیان میدان میں اس کا اور جے چَندر کا مقابلہ ہوا۔ اس لڑائی میں جے چَندر ہار گیا اور مارا گیا، لیکن اس کی ریاست کو شہاب الدین نے اپنی سلطنت میں شامل نہیں کیا۔

ہرِیش چَندر

شہاب الدین نے جے چَندر کے لڑکے ہرِیش چَندر کو قنوج کی گدی پر بحال رکھا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہرِیش چَندر کا انجام کیا ہوا، کب اور کیونکر ہوا۔ یہ بات بہرحال یقینی ہے کہ ۶۲۳ھ مطابق ۱۲۲۶ء تک گنگا اور جمنا کا دوآبہ مکمل طور پر مسلمانوں کے قبضے میں آچکا تھا۔

شری ہرش

اس موضوع کو ختم کرنے سے پہلے یہ ظاہر کرنا مناسب ہے کہ جے چَندر کا نام سنسکرت ادب کی تاریخ میں آج تک زندہ ہے کیوں کہ اس نے شری ہرش کی سرپرستی کی جس نے مشہور و معروف 'نیشدھ چرت'، 'کھنڈن کھنڈ کھادیہ' اور کئی دوسری کتابیں تصنیف کیں۔

فصل (۲)

نیپال[1]

رقبہ

نیپال کی موجودہ ریاست ہمالیہ کے دامن میں خاصے وسیع و عریض علاقہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی لمبائی مغرب میں ضلع الموڑہ سے لے کر مشرق میں دارجیلنگ کی پہاڑیوں تک ۵۰۰ میل کے قریب ہے۔ لیکن قدیم زمانے میں نیپال کی ریاست ۲۰ میل لمبے اور ۱۵ میل چوڑے

---

[1] ملاحظہ ہو سلوین لیوی، لا نیپال (پیرس ۱۹۰۵)؛ پرسی وِل لنڈن، نیپال (لندن ۱۹۲۸)؛ ڈی۔ رائٹ، ہسٹری آف نیپال (کیمبرج ۱۸۷۷)؛ انڈین اینٹی کویٹیز، لواں، چودھواں وغیرہ؛ ڈائنیسٹک ہسٹری آف نارتھ انڈیا (اول، باب چہارم، ص۱۸۵-ص۲۳۴)

اس ناہموار میدان میں موجود تھی جو گنڈک اور کوسی دریاؤں کے درمیان میں واقع تھا۔ اس چھوٹے سے رقبے میں، جہاں کٹھمنڈو اور دوسرے شہر آباد ہیں، نیپال کے لوگ الگ تھلگ زندگی گزارتے تھے اور اگر وہ تھوڑا بہت ربط کسی ملک سے رکھتے تھے تو وہ تبت اور چین تھے۔

بیرونی روابط

نیپال کو ہندوستان کے ساتھ روابط قائم کرنے کے مواقع بہت کم ملے۔ تیسری صدی ق م کے درمیان میں ہوسکتا ہے نیپال کی وادی اشوک کی قلمرو میں شامل ہو کیوں کہ کہتے ہیں کہ اشوک اپنی لڑکی چارومتی اور اپنے داماد دیوپال کھتریہ (کشتریہ) کے ساتھ وہاں گیا اور کئی استوپ اور مٹھ وہاں تعمیر کرائے۔ اس کے علاوہ ایک شہر للت پٹن وہاں آباد کیا۔ الہ آباد کے ستونی کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ چوتھی صدی عیسوی کے وسط میں نیپال ایک خودمختار سرحدی ریاست تھی اور دوسری ریاستوں کی طرح سمدر گپت کو خراج ادا کرتی تھی[1]۔ اشوک اور سمدر گپت کے درمیانی وقفہ کی تاریخ کے بارے میں ہماری معلومات بہت ناقص ہے۔ ونشاولیاں یا مقامی تاریخیں آبھیروں، کراتوں، سوم ونشیوں اور سوریہ ونشیوں کی حکمرانی کی تصدیق کرتی ہیں لیکن ان کی سلسلہ وار تاریخ بالکل ناقابلِ اعتبار ہے۔

انشو ورمن

لیکن جب ہم چھٹی صدی عیسوی کے اواخر اور ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں یعنی ٹھاکری انشو ورمن کے عہد تک پہنچتے ہیں تو ہماری معلومات کی بنیادیں نسبتاً مضبوط ہو جاتی ہیں[2]۔ انشو ورمن کو یوآن چوانگ کی تحریروں والے انگ شو فانا کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ وہ لچھوی راجہ شیو دیو کا وزیر تھا لیکن چوں کہ تمام اختیارات اُسے حاصل تھے اس لیے کچھ عرصہ بعد تمام وادی پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ اس نے کم از کم ۴۵ سال حکومت کی۔ اس نے ایک سمبت کی بنیاد رکھی جس کے متعلق عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ ۵۹۵ء میں شروع ہوا۔

---

[1] دیکھیں گزشتہ صفحات۔

[2] ونشاولیات، بہرحال، انشو ورمن کو سات صدی قبل کی شخصیت قرار دیتی ہیں (انڈین اینٹی کوئریز۔ تیرھواں، ص ۴۱۳)

بعض عالموں کی رائے ہے کہ نیپال ہرش وردھن کی قلمرو میں آگیا تھا۔ لیکن ہمارے پاس جو شواہد موجود ہیں ان سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی[1]۔ اس کے برخلاف اس وقت نیپال پر تبت کا اقتدار تھا۔ نیپال کے راجہ انشو ورمن نے اپنی لڑکی کی شادی تبت کے راجہ شرونگ ہشن گیمپو (تقریباً ۶۲۹ ـ ۶۵۰ء) کے ساتھ کر دی۔

نیپال کی اگلی دو صدیوں کی تاریخ تاریکی میں ہے۔ بس ہم اتنا جانتے ہیں کہ غالباً لچھوی حکومت وہاں پھر سے قائم ہوگئی، اور ملک میں تبت کا اقتدارِ اعلیٰ بدستور برقرار رہا۔ ۸۷۹ ـ ۸۸۰ء میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا جس کا مقصد شاید غیر ملکی طوقِ غلامی سے نجات دلانا تھا۔ اس کے بعد سوا سو سال کے لیے نیپال کی تاریخ پر تاریکی ایک بار پھر چھا جاتی ہے۔ لیکن دربار لائبریری اور دوسرے مقامات پر جو قلمی دستاویزات محفوظ ہیں اُن کے تحت گیارھویں صدی سے راجاؤں کے سلسلے وار ناموں کا پتہ دیتے ہیں۔ ان راجاؤں نے کوئی قابلِ تعریف کام انجام نہیں دیا۔ نیپال کی تاریخ کا سلسلہ ہندوستان، تبت اور چین کے ساتھ بدستور جاری رہا اور اہلِ نیپال کی خوش حالی اور دولت مندی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ ہمیں مزید معلوم ہوتا ہے کہ بارھویں صدی کے نصف اول میں نیپال پر ترہت کے کرناٹک سردار نانیہ دیو نے اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا۔ اس کے بعد ۱۷۶۸ء تک نیپال کی تاریخ یعنی جب گورکھوں نے اسے فتح کر لیا، عام قاری کے لیے دل چسپی سے خالی ہے۔

بُدھ مَت

بُدھ مَت کی ابتدا نیپال میں غالباً اس وقت ہوئی جب اشوک وہاں پہنچا، لیکن اس کی ترقی کی رفتار کا حال ہمیں کچھ نہیں معلوم، اور نہ یہ معلوم ہے کہ تانتری مہایان عقاید وہاں کیوں کر پھیلے۔ ایک زمانے کے بعد بدھ مذہب انحطاط پذیر ہوگیا اور نظم و ضبط کی پابندی میں اس درجہ بے پروائی اور نرمی برتی جانے لگی کہ دنیا دار اور ازدواجی زندگی گزارنے والوں کو بھی پاک باطن اور صاف ضمیر بھکشو سمجھا جانے لگا۔ نیپالی بدھ مذہب کی خصوصیت

---

[1] ملاحظہ ہو ہسٹری آف قنوج، ص۳۳ ـ ص۹۹۔ اس سے موازنہ کریں— अत्र परमेश्वरेण तुषार शैलभुवो दुर्गाया गृहीतः करः (ہرش چرت، کلکتہ کا ایڈیشن، ص۱۱۱، ص۲۹۹)

یہ ہے جیسے آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ بُدھ مذہب آہستہ آہستہ ہندو دھرم میں ضم ہوتا جارہا ہے۔ نیپال کا خاص ہندوانی دیوتا پشوپتی (شیو) ہے۔

فصل (۳)

شکمبھری کے چاہمان

اصل

ہم سیرمہاکاویہ اور پرتھوی راج وجے کی سند کے مطابق چاہمان خاندان (چوہان) اس مشہورو معروف چاہمان کی اولاد تھا جسے سورج کا بیٹا بتایا جاتا ہے اور اسی کے نام سے پورا خاندان منسوب ہے۔ اس کے برخلاف روایات انھیں اگنی کلوں کی چار میں سے ایک شاخ قرار دیتی ہیں۔ جس کے معنی غالباً یہ ہیں کہ پرتی ہاروں کی طرح ان کی اصل بھی غیر ملکی تھی اور آگ (اگنی) کی رسم ادا ہو جانے کے بعد انھیں بھی ہندو سماج میں کافی اونچا مقام دے دیا گیا[1]

خاص خاص حکمران

چاہانوں نے ہندوستان کے سیاسی میدان میں بڑا نمایاں کام انجام دیا۔ قبیلہ کی کئی شاخوں میں سب سے اہم شاکمبھری یا سام بھر قبیلہ تھا۔ ہرشں کے پتھروالے کتبہ سے جس پر ۱۰۳۰ وکرم سمبت، مطابق ۹۷۳ء مندرج ہے ہمیں خاندان کی سب سے پہلی تاریخ معلوم ہوجاتی ہے[2] یہ سن ہمیں بہت پہلے گووک اول تک پہنچا دیتا ہے جو ناگ بھٹ دوم پرتی ہار کا معاصر تھا لیکن ادبی تصانیف ان کا شجرہ ایک اور قدیم ترشخصیت واسودیو سے ملاتی ہیں۔ اس شاخ کے جو راجہ ہوئے ان پر ہمیں یہاں زیادہ توجہ کی ضرورت نہیں ہے۔

---

[1] اگنی کلوں کے بارے میں اس داستان کے مفہوم کو بعض عالموں نے مشتبہ قرار دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ رسم ان کے تزکیۂ روحانی کو ظاہر نہیں کرتی جو غیر ملکی قبیلوں کو انجام دینی ہوتی تھیں۔

[2] ایپی گرافیہ انڈکا، دوم، ص۱۱۶-صفحہ۱۳۰۔

اَجے راج

بارھویں صدی عیسوی کے شروع میں اَجے راج نے اَجے میرؤ یا اجمیر شہر کی بنیاد رکھی اور اسے خوب صورت محلوں اور مندروں سے آراستہ کیا۔

وِگرَہ راج چہارم وِیسل دیو

خاندان کا ایک اور مشہور رکن وِگرَہ راج چہارم وِیسل دیو (۱۱۵۳-۱۱۶۴ء) تھا۔ اس نے ہمالیہ اور وندھیا پہاڑوں کے درمیانی علاقے کو اپنا باجگزار بنالیا[1] بلاشبہ یہ ایک مبالغہ ہے اور حرف بہ حرف صحیح نہیں ہے، لیکن بجولیہ (میواڑ) میں جو کتبہ دریافت ہوا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ دہلی فتح کرنے کا سہرا اسی کے سَر رہا اور ہماری رائے میں دہلی کو اس نے وجے چندر گاہڑوال سے حاصل کیا۔[2] ایک کامیاب سپہ سالار ہونے کے ساتھ ساتھ وِگرَہ راج وِیسل دیو ایک باکمال شاعر بھی تھا اور علم وادب کا سرپرست بھی۔ "اڑھائی دن کا جھونپڑا[3]" نامی مسجد کی دیوار میں لگے ہوئے ایک تراشیدہ پتھر پر ہرکلی ناٹک کے کچھ حصے کندہ ہیں جن کے بارے میں دعویٰ ہے کہ یہ وِگرَہ راج کے مصنف ہیں۔ اسی طرح ایک اور ناٹک لَلِتا وِگرَہ راج جو اسی طرح کہیں سے دریافت ہوا ہے مہاکوی سوم دیو کی تصنیف ہے جو اس نے وِگرَہ راج کی شان میں لکھا تھا۔

پرتھوی راج سوم

اس گھرانے کا سب سے بڑا حکمران مسلمان مورخین کا رائے پتھورا یا پرتھوی راج سوم (۱۱۷۹-۱۱۹۲ء) تھا۔ اس کی شخصیت کے اردگرد رومان کا ایک عجیب و غریب ہالہ ہے جس نے اسے شمالی ہندوستان میں مقبول عوام بے شمار گیتوں کا ہیرو بنادیا ہے۔ قنوج کے جے چندر سے

---

[1] انڈین اینٹی کوئریز، انیسواں، صفحہ ۲۱۹

[2] جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۵۵، حصہ اول، (۱۸۸۶)، صفحہ ۴۲، اشلوک ۲۲

[3] کہتے ہیں کہ پہلے یہ ایک درسگاہ تھی جسے وگرہ راج نے قائم کیا تھا۔

اس کے تعلقات دوستانہ نہیں تھے۔ روایات اس کی تصدیق کرتی ہیں کہ جب جے چندر نے اپنی لڑکی سنیوگتا کا سوئمور (دولہا کے انتخاب کی رسم) منعقد کیا تو پرتھوی راج ٹھیک رسموں کی ادائیگی کے دوران بڑی جرأت کے ساتھ وہاں پہنچ گیا اور سنیوگتا کو اپنے ساتھ بھگا کرلے گیا۔ پرتھوی راج نے چندیلہ راجہ پرماردی یا پرمل (۱۱۶۵ - ۱۲۰۳ء) پر بھی حملہ کیا اور مہوبہ نیز بندیلکھنڈ کے دوسرے قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ پرتھوی راج کا دوسرا معاصر جس سے اس کے دو دو ہاتھ ہوئے گجرات کا بھیم دوم چالوکیہ (تقریباً ۱۱۷۹ - ۱۲۴۰ء) تھا۔ پرتھوی راج چونکہ سانبھر اور دہلی کے علاقوں کا حکمراں تھا اس لیے جب شہاب الدین غوری ہند کے سرسبز و شاداب میدانوں کی طرف بڑھنے لگا تو اس کا مقابلہ کرنا پرتھوی راج کے لیے ضروری ہو گیا۔ پہلی مڈبھیڑ تراوڑی کے مقام پر ۵۸۷ھ مطابق ۱۱۹۱ء میں ہوئی جس میں قسمت نے پرتھوی راج کا ساتھ دیا اور مسلم فوجوں کو ایسی زبردست شکست ہوئی کہ چوہانوں کے شدید حملوں کی تاب نہ لا کر شہاب الدین بڑی مشکل سے اپنی جان بچا سکا۔[1] یہ ہزیمت اٹھانے کے بعد سلطان مسلسل بے چین رہا۔ اس نے اپنی فوجوں کو از سر نو منظم کیا اور اگلے ہی سال ۵۸۸ھ مطابق ۱۱۹۲ء میں اس ہزیمت کا بدلہ لینے ہندوستان پھر آیا۔ پرتھوی راج نے اپنے پڑوسی حکمرانوں سے مدد کے لیے اپیل کی۔ ان سب نے اپنے ہم وطن کی آواز پر بڑے جوش کے ساتھ لبیک کہا۔[2] جے چندر بہر حال اس خطرے کے خلاف جس سے فوراً بعد اسے خود دوچار ہونا پڑا، اس زبردست کوشش میں شامل نہ ہوا۔ جنگ میں مسلمانوں نے "موت اور تباہی" کا ایسا بازار گرم کیا کہ غروبِ آفتاب تک ہندو لشکر میں بالکل ابتری پھیل گئی۔ پرتھوی راج نے جانِ عزیز کو بچانے کے لیے میدانِ جنگ سے فرار اختیار کیا، لیکن سرسوتی (سرسوتی) کے قریب اسے پکڑ لیا گیا اور قتل کر دیا گیا۔ اجمیر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور فوراً بعد دہلی بھی فاتحین کے ہاتھ میں چلا گیا۔ شہاب الدین نے خاندان کا استیصال نہیں کیا اور دور اندیشی سے کام لے کر اس وعدے پر اجمیر کا ملک پرتھوی راج کے ایک بیٹے[*] کے حوالے کر دیا کہ وہ "شہاب الدین کو ایک بھاری رقم بطور خراج پابندی سے ادا کرتا رہے گا۔"[3]

---

[1] برگس، فرشتہ (ہسٹری آف دی رائز آف محمڈن پاور)، جلد ۱، ص ۱۷۳

[2] ایضاً، ص ۱۷۵

[3] برگس، فرشتہ ص ۱۷۷، ص ۱۷۸۔ نیز ملاحظہ ہو تاج المآثر، ایلیٹ، ہسٹری آف انڈیا، دوسرا، ص ۲۱۴، ص ۲۱۵، ص ۲۱۹۔

[*] پرتھوی راج کے اس لڑکے کا نام گورل یا گولہ تھا۔

لیکن اپنے چچا ہری راج کی سرگرمیوں کے باعث راجکمار رنتھمبور چلا گیا جہاں چاہانوں کی ایک شاخ حکومت کرتی رہی تاآں کہ علاؤالدین خلجی نے ۱۳۰۱ء میں اسے تسخیر کر لیا۔ بہرحال قطب الدین نے سرکش ہری راج کو شکست دے دی اور چوہانوں کے تمام علاقے کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

فصل (۴)

سندھ

رقبہ

جنوبی وادیٔ سندھ یعنی ملتان سے لے کر نیچے سمندر تک کا علاقہ سندھ کہلاتا تھا۔ مغرب میں بعض اوقات اس میں بلوچستان کے کچھ حصے شامل ہو جاتے تھے اور مشرق میں اس کے حدود ہندوستان کے ریگستان تک پھیلے ہوئے تھے۔

ناقص معلومات

اس کی قدیم تاریخ کے بارے میں ہماری معلومات حد درجہ ناقص ہے اور جو کچھ عرب مورخین نے لکھ دیا ہے اس سے زیادہ ہمارے پاس تقریباً کچھ نہیں ہے۔ ان سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کے حملوں کے وقت سندھ پر ایک خاندان حکومت کر رہا تھا جس کا بانی چچھ نامی برہمن تھا۔

رائے خاندان

اس سے پہلے رائے خاندان کی حکومت تھی جس میں پانچ راجہ ہوئے۔ کہتے ہیں کہ انھوں نے ۱۳۷ سال حکومت کی الور (موجودہ روہڑی کے قریب) ان کی راجدھانی تھی۔ جب ہندوستان میں یوآن چوانگ سفر کر رہا تھا (۶۲۹ - ۶۴۵ء) سندھ پر شوذر (شوٗ تُو لُو) ذات[1] کے ایک بدھ حکمراں کا راج تھا، اور اگر یہ حکمراں سہرس رائے کے مماثل ہے جو کافی حد تک قرین قیاس ہے، تو گویا

---

[1] واٹرس، دوم، ص ۲۵۲

رائے خاندان کی اصل کے بارے میں ہمیں کافی معلومات فراہم ہو جاتی ہے۔ اغلب یہ ہے کہ یہی وہ حکمراں تھا جس نے ہرش وردھن کا مقابلہ کیا[1]

چچھ کا سلسلہ

آخری رائے ساہسی کے انتقال کے بعد اس کے چچھ نامی برہمن وزیر نے بیوہ رانی سے شادی کر لی اور خود گدی کا مالک بن گیا۔ اس کے چالیس سال کے طویل دور میں ریاست کے حدود اختیارات میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ اس کی سرحدیں کشمیر سے جا ملیں۔

مسلمانوں کی آمد

چچھ کے لڑکے داہر کو جو چچھ کے بھائی چندر یا چندر کے بعد گدی پر بیٹھا، عربوں کے ایک زبردست حملے کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ لنکا کے راجہ نے ایران کے گورنر حجاج کے لیے ایک جہاز پر بیش قیمت تحفے بھیجے تھے۔ اہل دیبل نے اس پر قبضہ کر لیا تھا اور داہر نے انھیں کوئی سزا نہیں دی۔ داہر کے خلاف جو فوج بھیجی گئی تھی اس کا سالار محمد بن قاسم تھا۔ اس نے ۹۳ھ مطابق ۷۱۲ء میں دیبل پر چڑھائی کی، بہمن آباد پر قبضہ کر لیا اور ۷۱۳ء میں ملتان کو تسخیر کر لیا۔ اس طرح فتح سندھ بالکل مکمل ہو گئی۔ یہ گویا عربوں کی غارت گری کا نقطۂ آخر تھا جس کی ابتدا بہت پہلے ۱۵ھ، مطابق ۶۳۶-۶۳۷ء میں عمرؓ کی خلافت کے دوران ہوئی تھی۔ سندھ پر قابو پانے کے بعد عربوں نے سختی کے ساتھ توسیع سلطنت کی پالیسی پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ جنید جو خلیفہ ہشام کے زمانے میں سندھ کا گورنر تھا، خصوصیت کے ساتھ سرگرم عمل ہو گیا۔ اس نے اُبّیَنْ مَل (بھِنْ مَل؟)، جُرز (مغربی ہندوستان کی گرجر ریاست) اور دوسرے علاقوں کو فتح کر لیا۔ لیکن اجین کے خلاف وہ صرف ایک یلغار کر سکا۔ اس میدان میں اُسے غالباً ناگ بھٹ اول نے پیچھے ہٹا دیا۔ اس کے بعد پرتی ہار راجہ مستقل طور پر مسلمانوں اور ان کے مذہب کے سبب سے بڑے دشمن قرار پائے۔ اس سبب سے مسلمان بلہروں (ولبھ راجاؤں)

---

[1] ہرش چرت، ترجمہ کاول اور ٹامس، ص۷۶۔ اس سے موازنہ کریں۔ अत्र पुरुषोत्तमेन सिन्धु- राजं प्रमथ्य लक्ष्मीः आत्मीकृता (ہرش چرت، کلکتہ اڈیشن، ص۱۲۱، ص۲۴)

یعنی مانیئہ کمیت کے راشٹرکوٹوں سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اگر پرتی ہار جم کر مخالفت نہ کرتے تو عجب نہیں مسلمان ہندوستان کے اندرونی حصہ میں اور زیادہ کامیابیاں اصل کرتے۔

ربط کے نتائج

سندھ میں فاتحین نے رواداری کی دور اندیشانہ پالیسی پر عمل کیا[1] اس میں شک نہیں کہ اسلام پھیلا، لیکن عیسائیوں کے مندروں، یہودیوں کے عبادت خانوں اور آتش پرستوں کی قربان گاہوں کی طرح ہندو مندر بھی محفوظ و مستحکم رہے۔ برہمنوں کو یہ بھی اجازت تھی کہ وہ چاہیں نئے مندر تعمیر کریں چاہیں پرانے مندروں کی مرمت کرائیں۔ یہ ضرور تھا کہ عرب فوجی دستے فوجی مرکزوں پر تعینات تھے، لیکن اندرونی انتظام زیادہ تر دیسی لوگوں کے ہاتھوں میں رہا جنھیں خراج اور جزیہ ادا کرنا ہوتا تھا۔ بعض باتوں میں عربوں نے ہندوستانی ماحول کے لطیف اثرات قبول کیے۔ مثال کے طور پر انھوں نے ہندوؤں سے ہیئت اور ریاضی سیکھی، اور چرک کی تصنیف اور پنچ تنتر کی حکایتوں کا عربی میں ترجمہ کیا[2]

تاریخ مابعد

سندھ کے بعد کی تاریخ مقامی اہمیت رکھتی ہے۔ ہمیں بڑی خوں ریز جنگوں اور ملتان اور منصورہ جیسی چھوٹی چھوٹی عرب ریاستوں کے عروج و زوال کا حال معلوم ہوتا ہے۔ گیارھویں صدی عیسوی میں رفتہ رفتہ عربوں کی جگہ غزنویوں نے لے لی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ محمود غزنوی

---

[1] عرب فاتحین نے یہ پالیسی واضح طور پر عوام کو راضی رکھنے اور سندھ میں اپنی حکومت کی بنیادیں مضبوط کرنے کے لیے اختیار کی۔ اس کے علاوہ خون کی آمیزش نے بھی ان کے طرز فکر پر کسی حد تک ضرور اثر ڈالا ہوگا۔ یہ ضروری تھا کیونکہ فاتحین اپنے ساتھ عورتیں نہیں لائے تھے۔

[2] ڈائینیسٹک ہسٹری آف ناردرن انڈیا، جلد اول، صفحہ ۲۳۔ میں نے بڑی احتیاط سے دونوں جلدوں سے استفادہ کیا ہے۔ ان سے عہد وسطی کے ہندو خاندانوں کی تاریخ کے بارے میں مجھے بڑی مفید اور کارآمد معلومات بہم پہنچی ہے۔

کی فتوحات جتنی مکمل شمالی سندھ میں رہیں اتنی جنوبی سندھ میں نہیں رہیں۔ چنانچہ جنوبی سندھ اس کے مرنے کے فوراً بعد بالفعل خود مختار ہوگیا اور ہندوستمرُوں کے قبضے میں چلاگیا جنھوں نے تین صدیوں تک وہاں حکمرانی کی اور چوتھی صدی کے وسط میں وہ سُمرُوں کے قبضے سے نکل کر سَمُوں کے قبضے میں چلا گیا۔

فصل (۵)

کابل اور پنجاب کے شاہی

ترکی شاہی

کُشن سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا لیکن ان کا وجود صفحۂ تاریخ سے قطعی طور پر نہیں مٹا۔ سُمدرگپت کے الٰہ آباد والے ستون کتبہ میں "دیوپُتر شاہی شاہانشاہی" کی اصطلاح کا مطلب یہ نکالا گیا ہے کہ کُشن نسل کے راجاؤں کا وجود پنجاب اور وادئ کابل میں تقریباً چوتھی صدی عیسوی تک باقی رہا۔ عظیم مسلم عالم البیرونی[1] ہمیں کچھ اس سے زیادہ معلومات بہم پہنچاتا ہے۔ اس کی سند کے مطابق بَرہَتِگین کے ورثا، جن میں سے ایک کَنِک (کنشک) تھا، جنھیں وہ ہندو ترکوں سے تعبیر کرتا ہے، ساٹھ پشتوں تک کابل پر حکومت کرتے رہے۔ وہ شاھیہ لقب رکھتے تھے جو واضح طور پر سنسکرت کے شاہی یا کُشن "شاہ" کی دوسری شکل ہے۔ البیرونی کا یہ قول کہ تمام حکمران ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، یا یہ کہ ان کی تعداد ٹھیک ساٹھ ہی تھی ممکن ہے درست ہو ممکن ہے نہ ہو، لیکن یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ وہ نسلاً کُشن تھے اور شاھیہ (شاہی) لقب رکھتے تھے۔ عام طور پر عالموں کا خیال ہے کہ ان میں سے ایک "کیاپِشی" (کپیشہ) کے راجہ کے مماثل تھا جو نسلاً کشتری

---

[1] البیرونیز انڈیا، زخاؤ کا انگریزی ترجمہ، جلد دوم، صفا ـ صلا۔ اس کا پورا نام ابوریحان محمد تھا۔ اس نے مکمل طور پر سنسکرت میں مہارت حاصل کی۔ اس کتاب میں ادب اور سائنس کے میدان میں ہندوؤں کی کارگزاریوں کا تفصیلی حال ملتا ہے۔ اس کا زمانہ ۹۷۳ - ۱۰۴۸ء ہے۔

اور مذہباً بدھ تھا۔ اس کا ذکر یوآن چوانگ نے بھی کیا ہے۔ چینی زائر نے جو اشارہ راجہ کی ذات کی طرف کیا ہے اس سے مندرجہ بالا نظریے کی کسی طرح بھی تردید نہیں ہوتی۔ اس سے صرف یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس کے دورے کے وقت تک غیر ملکی کشن ہندو سماج میں مکمل طور پر ضم ہو گئے تھے۔ اس موقع پر یاد کیجیے بعض بڑے بڑے کشن راجاؤں کا وہ رجحان کہ وہ ہندو دیوتاؤں سے عقیدت رکھتے تھے اور ہندو نام اختیار کرتے تھے۔ ترکی شاہیوں کے متعلق ہمیں اس سے زیادہ نہیں معلوم کہ وہ حملہ آوروں کے ساتھ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ساتویں صدی سے لے کر نویں صدی عیسوی کے وسط تک جنگ میں مصروف رہے[1] کہتے ہیں کہ خاندان کے آخری رکن لگ تورمان کو اس کے برہمن وزیر کلر نے گدی سے اتار دیا[2]

ہندو شاہی

گدی پر غاصبانہ قبضہ کرنے کے بعد کلر نے ایک نئے خاندان کی بنیاد رکھی جسے البیرونی نے 'ہندو شاہیہ' سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے بعد سلسلے وار سامند (سامنت) الکو، بھیم (بھیم) جے پال، انند پال، ترو جن پال (ترلوچن پال) اور بھیم پال گدی پر بیٹھے[3] سکوں سے البیرونی کی اس فہرست کی جزوی طور پر تائید ہوتی ہے لیکن شاہیوں اور کشمیر کے راجاؤں کے درمیان لڑائیوں کے سلسلے میں کلہن نے کئی اور ناموں کا ذکر کیا ہے۔ چناں چہ اس کا "للی یہ" جس نے شنکر ورمن (۸۸۳-۹۰۲ء) کے گرجر حریف کو مدد پہنچائی تھی، غالباً متذکرہ بالا کلر کے مماثل ہے۔

سامنت دیو

آگے چل کر ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ گوپال ورمن (تقریباً ۹۰۲-۹۰۴ء) کے وزیر پربھاکر دیو نے ایک "باغی شاہی" کو جس کا نام معلوم نہیں، زبردست شکست دی۔ اس "باغی شاہی" کو

---

۱ عرب مورخین نے ان حکمرانوں کو رتبیل کہا ہے جس کا مطلب واضح نہیں ہے (دی انیشنٹ ہسٹری آف نارتھ انڈیا، جلد اول، ص ۲)

۲ البیرونیز انڈیا، ترجمہ زخاؤ، جلد دوم، ص ۱۳

۳ ایضاً

سامنتا یا سامنت کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ اس کا ذکر "اُدْ بھانڈ پور کے شاہی" کی حیثیت سے کیا گیا ہے، کیوں کہ ۲۵۶ھ مطابق ۸۷۰-۸۷۱ء میں یعقوب ابن لیثِ صفار نے کابل فتح کرنے کے بعد اپنا دارالسلطنت وہاں منتقل کر دیا تھا۔ سامنت کے سکّے بہت بڑی تعداد میں افغانستان اور پنجاب سے دریافت ہوئے ہیں۔ ان سب پر بیل اور سوار کی ضرب ہے اور سیدھے رُخ پر "شری سامنت دیو" کا سجع کندہ ہے[1]۔ "راج ترنگنی" کا دعویٰ ہے کہ فتح یاب ہونے کے بعد کشمیری وزیر نے شاہی ریاست تورمان کے سپرد کر دی۔ یہ تورمان وہی ہے جس کا ذکر البیرونی نے کملو کے نام سے کیا ہے۔ اگلا تاج دار بھیم، کشمیر کی رانی دِدّا کا نانا تھا جس نے کشمیر میں کشیم گپت (۹۵۰-۹۵۸ء) کے عہد میں بھیم کیشوَ نام کا مندر تعمیر کرایا۔ بھیم کا حال ہمیں اس کے سکوں سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

جے پال

جے پال کے وقت سے مسلمان برابر شاہیوں کو دباتے رہے۔ شاہیوں کے ہاتھ سے رفتہ رفتہ افغانستان کے تمام علاقے نکل گئے اور وہ بھٹنڈا کو (جو اب ریاست پٹیالہ میں ہے) اپنی راجدھانی بنانے پر مجبور ہو گئے۔ جب جے پال، سُبکتگین کی غارت گری سے تنگ آ گیا تو اس نے دشمن کے علاقے پر حملہ کرنے کے لیے ایک فوج تیار کی۔ ہندو لشکر کو پسپائی ہوئی اور جے پال کو شرمناک شرائط کے ساتھ صلح کرنی پڑی[2]۔ لیکن جب وہ اپنی راجدھانی میں پہنچ کر محفوظ ہو گیا تو اس نے شرائط صلح سے روگردانی اختیار کر لی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس نے سلطان کے افسروں کو قید کر لیا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان نادیبًا اس پر پھر حملہ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ جے پال نے اس بار تمام بڑی بڑی ہندو ریاستوں — مثلاً دہلی، اجمیر، کالنجر اور قنوج کو روپیہ پیسہ اور فوجوں کے ساتھ مدد کے لیے بُلایا۔ وہ سب مقابلے میں شریک ہوئے لیکن اس کے باوجود لمغان (ضلع جلال آباد) کے قریب انھیں شکستِ فاش ہوئی[3]۔ اگلا حملہ ۳۹۲ھ مطابق ۱۰۰۱ء میں

---

[1] اس قسم کے سکّے کئی صدی بعد تک جاری کیے جاتے رہے۔

[2] ایلیٹ، ہسٹری آف انڈیا، دوسرا، ص۲۱؛ برگس، فرشتہ، پہلا، ص۱۸

[3] اس کے برخلاف ریورٹی کا خیال ہے کہ محاذِ جنگ وادیٔ قرم تھی (نوٹس آف افغانستان، ص۳۲۱) فرشتہ نے متحدہ یلغار کے جتھے کا ذکر کیا ہے (برگس جلد اول، ص۱۸) لیکن العتبی نے تاریخ یمینی میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے (ایلیٹ، دوسرا، ص۲۳)

محمودؔ نے کیا۔ اس مرتبہ بھی جنگ کا فیصلہ "شاہی" حکمراں کے خلاف ہوا۔ اس ہزیمت کے بعد وہ اس قدر مایوس ہو گیا کہ اس نے راج پاٹ کا کام اپنے بیٹے انندؔ پال کے سپرد کر دیا اور خود آگ میں جل کر فنا ہو گیا۔[1]

آنندؔ پال

حوصلہ مند محمودؔ نے نئے حکمراں کو بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ آخر کار ۳۹۹ھ مطابق ۱۰۰۸ء میں دونوں کا باہم مقابلہ ہوا۔ باپ کی طرح انندؔ پال نے بھی معاصر ہندو راجاؤں سے مدد مانگی۔ لیکن متحدہ افواج کا کچھ بس نہ چلا اور محمودؔ کی فوجیں پہلے کی طرح ظفریاب ہوئیں۔ چھ سال بعد انندؔ پال کا انتقال ہوا تو اس کا لڑکا ترلوچنؔ پال گدی پر بیٹھا اور اسے بھی ہمیرؔ (محمود) کے خلاف شکست ہوئی۔ اس کی خاص وجہ یہ ہوئی کہ اس کے کشمیر کے حلیف سے فوجی ترتیب میں غلطیاں سرزد ہو گئیں۔ آخر کار ترلوچنؔ پال ۴۱۲ھ مطابق ۱۰۲۱ء میں مارا گیا۔ پانچ سال بعد ۱۰۲۶ء میں اس کے بیٹے اور جانشین بھیمؔ پال کا بھی یہی انجام ہوا۔ اس طرح ہندوستان کے دروازے پر غیر ملکی حملہ آوروں کا بہادری کے ساتھ مقابلہ کرتے کرتے "شاہی" خاندان نیست و نابود ہو گیا اور بہت جلد لوگ اسے بالکل بھول گئے۔

فصل (۶)

کشمیر

جغرافیائی حدود

قدیم زمانے میں کشمیر کا رقبہ بہت مختصر علاقے میں محدود تھا بمقابلہ موجودہ ریاست کے رقبے کے جو شمال میں پامیر سے لے کر جنوب میں پنجاب تک اور مشرق میں تبت کی سرحد سے لے کر مغرب میں دریائے یارخون تک پھیلا ہوا ہے۔ سچ پوچھیے تو اس وقت کشمیر کی ریاست

---

[1] فرشتہ نے ہندوؤں کی ایک رسم کا ذکر کیا ہے کہ "جس راجہ کو غیر ملکی دشمن دو بار مغلوب کر لیتے تو اس سے حکومت چھین لی جاتی تھی" (برگس، پہلا، ص۴۵)، العتبی اس سے ذرا مختلف بات کہتا ہے (ملاحظہ ہو ایلیٹ، دوسرا، ص۲۴۰)

وِتستا (جہلم) کی شمالی وادی اور اس کے معاون دریاؤں کے میدانوں پر مشتمل تھی۔ البتہ بعض راجاؤں کے زمانے میں ان علاقوں میں اضافہ ضرور ہوا۔ چوں کہ کشمیر اور باقی تمام ملک کے درمیان پہاڑوں کی اونچی اونچی دیواریں حائل ہیں اس لیے کشمیر ہندوستانی تاریخ کی رفتار سے عام طور پر متاثر نہیں ہوا۔ چناں چہ وہاں مخصوص اداروں اور اپنے جداگانہ کلچر کا نشوونما ہوا۔

ابتدائی تاریخ

وادیٔ کشمیر کے حالات و واقعات کے بارے میں ہماری معلومات کی بنیاد کلیتاً کلہن کی راج ترنگنی[5] اور اس کے ضمیمے ہیں جن کا بعد میں اضافہ کیا گیا ہے[6] لیکن کلہن کبھی جس نے اپنی عظیم کتاب ۵۰-۱۱۴۹ء میں مکمل کی، ساتویں صدی سے پہلے کی تاریخ پر ہمیں کوئی مدد نہیں پہنچاتا۔ یہ یقینی بات ہے کہ اشوک کے زمانے میں کشمیر موریہ سلطنت کا جزو تھا، کیوں کہ وہاں بے شمار استوپ اور مٹھ بنوانے نیز سری نگر شہر کی بنیاد رکھنے کا سہرا اسی کے سر ہے۔ درحقیقت یوآن چوانگ تو یہاں تک کہتا ہے کہ اشوک نے "کشمیر کی کل ریاست بدھ مذہب کے لیے وقف کر دی تھی"[7] اشوک کے بعد کشمیر خود مختار ہو گیا اور اس کا بیٹا جالوک وہاں حکومت کرنے لگا۔ کئی صدیوں کے بعد کشمیر پر کشن راجاؤں کنشک اور ہوشک نے حکومت کی لیکن گپت راجاؤں کا تسلط اس پر کبھی نہیں ہوا۔ البتہ تہرکل کو جب اندرون ملک سے معزول کر کے نکال دیا گیا تو اس نے وہاں اپنی ریاست قائم کر لی۔

کرکوٹک خاندان

درلبھ وردھن

تسلسل کے ساتھ کشمیر کی تاریخ ساتویں صدی عیسوی کے اوائل یعنی اس وقت سے شروع

---

[5] راج ترنگنی، شایع کردہ درگا پرشاد، بمبئی، ۱۸۹۲ء؛ انگریزی ترجمہ از آرل اسٹین، لندن، ۱۹۰۰ء۔ تفصیلی حوالوں کے لیے اس کتاب کو ملاحظہ کریں۔ نیز ڈائنیسٹک ہسٹری آف نارتھ انڈیا، اول، باب سوم، ص ۱۰۷۔ ۱۸۴ بھی دیکھیں۔

[6] مثال کے طور پر ملاحظہ ہو جون راج کی دوسری تتمہ راج ترنگنی، شایع کردہ پیٹرسن (بمبئی ۱۸۹۶ء)

[7] بیل، اول، ص ۱۵۰؛ واٹرس، اول، ص ۲۶۷

ہوتی ہے جب دیوبالا کے خیالی گونند خاندان کا خاتمہ ہوگیا اور دُرلبھ وَرَدھَن تخت نشین ہوا۔ وہ ناگ کرکوٹک کی اولاد ہونے کا دعوے دار تھا اور اسی جہت سے خاندان کا نام کرکوٹک پڑگیا۔ دُرلبھ وَرَدھَن کا عہدِ حکومت ایک طویل عرصہ یعنی ۳۶ سال باقی رہا۔ اس نے بدھ کے متبرک دانت کا بیش قیمت تحفہ ہرش وردھن کو پیش کیا تاکہ وہ اسے قنوج میں محفوظ کرلے اور اس طرح اس نے ہرش کی دوستی حاصل کرلی۔ اگر درلبھ وردھن وہی راجہ ہے جس کے دربار میں یوآن چوانگ نے دو سال (۶۳۱-۶۳۳ء) بڑے آرام وآسائش کے ساتھ گزارے اور یہ بات کافی قرینِ قیاس ہے، تو اس کے یہ معنی ہیں کہ کشمیر اس وقت ایک اہم ریاست تھی اور کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں مثلاً سِنگھ پور (کیتش)، اُرشا (ہزارہ)، پنچ اور راجپور (راجوری) اس کے ماتحت تھیں۔

لَلتادِتیہ مُکتاپیڈا

اس سلسلے کا سب سے طاقتور حکمراں دُرلبھک کا تیسرا بیٹا لَلتادِتیہ مُکتاپیڈا (تقریباً ۷۲۴-۷۶۰ء) تھا۔ لَلتادِتیہ کی دِگ وِجے کا حال ہوسکتا ہے مبالغہ آمیز ہو۔ لیکن قنوج کے یشو وَرمن کے خلاف ۷۴۲ء میں اس کی کامیابی وکامرانی، پنجاب کے ایک حصّے کی فتح، اور تخارستان (سیحون کی بالائی وادی) اور دَرَدَدیش (دَردِستان شمالی کشمیر) میں اس کی مہیں یقیناً حقیقت پر مبنی ہیں۔ لَلتادِتیہ کے بارے میں مزید معلوم ہوتا ہے کہ اس نے گوڑ کے ایک راجہ کو جس کا نام معلوم نہیں، شکست دی تھی اور اپنی فوجیں بھوٹوں (اہلِ تبت) کے ملک میں لے گیا تھا۔ لَلتادِتیہ مُکتاپیڈا یا چینی مورخ کے مؤتوپی نے شہنشاہ ہیون تسنگ (۷۱۳-۷۵۵ء) کے دربار میں ایک سفارت بھی بھیجی تھی۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ اس وقت چین کو کشمیر پر اقتدارِ اعلیٰ حاصل تھا۔ تانگ تاریخ کی تاریخوں سے یہ بات ثابت ہے کہ چین تؤلوپی لی یا چندراپیڈا نے جو مکتاپیڈا سے دو پشت اول اس کا پیش رو تھا ۷۲۰ء میں چین کے شہنشاہ سے بحیثیت کشمیر کے راجہ کے سندِ تقرری حاصل کی تھی۔ لَلتادِتیہ نے بدھوں کے لیے ہشک پور اور دیگر مقامات میں وِہار تعمیر کرائے اور برہمن دیوتاؤں — بھوتیش (شیو) اور پری ہاس کیشو (وشنو) کے نام مندر منسوب کیے۔ اس کی سب سے مشہور تعمیر سورج کا مارتنڈ مندر تھا جس کے

ملاحظہ ہو ہسٹری آف قنوج، ص ۱۴۳، ص ۲۰۵

کھنڈر آج بھی زبانِ حال سے اس کی اگلی شان و شوکت کی گواہی دے رہے ہیں۔

جیاپیڈا وِنے آدِتیہ

لِلتادِتیہ کا پوتا جیاپیڈا وِنے آدِتیہ (۷۷۹ء - ۸۱۰ء) اس گھرانے کا ایک اور نامور رکن تھا۔ اس نے قنوج کے ایک راجہ کو شکست دی اور اُسے گدّی سے اتار دیا۔ یہ راجہ وِجرآیُدھ یا اندرآیُدھ کے مماثل ہے۔ لیکن کلہن نے نیپال اور پونڈر وردھن (شمالی بنگال) کے جینت نامی ایک بالکل غیر معروف راجہ کے خلاف کشمیری حکمراں کی مہموں کا جو ذکر کیا ہے وہ افسانہ معلوم ہوتا ہے، وہ خالص تاریخ ہرگز نہیں ہے۔ جیاپیڈا علم و ادب کا ایک زبردست سرپرست تھا، اور اُدبھٹ، وامن اور دامودر گپت (کُٹّنی مت کا مصنف) جیسے عالم و فاضل اس کے دربار کی زینت تھے۔ آخر عمر میں جیاپیڈا غالباً اپنی لڑائیوں کی وجہ سے یا خزانہ خالی ہونے کے باعث حرص و طمع اور ظلم و تشدد کی طرف مائل ہو گیا۔ جیاپیڈا کے بعد کئی کمزور حکمراں گدّی پر بیٹھے۔ ان کے عہد میں کرکوٹکوں کی طاقت زوال پذیر ہو گئی، یہاں تک کہ نویں صدی کے وسط تک ان کی جگہ اُتپل خاندان نے لے لی۔

اُتپل خاندان

اَونتی وَرمن

اَونتی ورمن نے ۸۵۵ء میں اُتپل خاندان کی بنیاد ڈالی۔ اس کے حالات ایسے نہ تھے کہ وہ فتوحات کی طرف متوجہ ہوتا، کیوں کہ آخری کرکوٹک راجاؤں کے دور میں ریاست مالی اور سیاسی پریشانیوں میں مبتلا رہ چکی تھی۔ اس لیے اونتی ورمن نے بڑی سختی کے ساتھ انتظامِ حکومت میں اصلاح، ریاست میں امن و امان قائم کرنے اور ریاست کے ذرائع آمدنی کو مستحکم بنانے کی کوشش کی۔ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ ڈامروں کی طاقت کو بڑھنے سے روکا۔ یہ دیہاتی امرا کا ایک سرکش طبقہ تھا۔ اِس کے بعد اُس کے رفاہِ عامہ کے وزیر سیا کے انجینئری کے کاموں کا ذکر کیا جا سکتا ہے جس کا نام موجودہ شہر سوپور (سُیّا پور) کی وجہ سے آج تک زندہ ہے۔ اس نے آبپاشی کے لیے نہریں نکلوائیں اور طوفانوں کی روک تھام کے لیے دریائے وِتستا (جہلم)

کے بہاؤ کا رُخ تک بدل دیا۔ اس کے بعد بڑے بڑے دلدلی علاقوں میں خوب کاشت ہونے لگی۔ ان تمام رفاہِ عام کے کاموں سے ملک کی خوشحالی میں اضافہ ہوگیا۔ چناں چہ چاول کی ایک کھاری ۳۶ دینار کو ملنے لگی، جب کہ اس سے پہلے ۲۰۰ دینار میں ملتی تھی۔

اَونتی وَرمَن نے مندر تعمیر کرائے، ان کے لیے اوقاف قائم کیے اور برہمنوں کو بڑی بڑی رقمیں دان کیں۔ اس نے ادیبوں کی بھی سرپرستی کی۔ ان میں سب سے نمایاں آنند وَردھَن تھا جس نے دَھوَنیہ لوکَ تصنیف کی۔ اونتی ورمن کا نام موجودہ شہر وَنتی پور یا اَونتی پور کی وجہ سے آج تک زندہ ہے۔

شَنکر وَرمَن

۸۸۳ء میں اونتی ورمن کے انتقال کے بعد ریاست میں خانہ جنگی کے ہنگامے شروع ہوگئے۔ اس خانہ جنگی کا فیصلہ بالآخر اس کے بیٹے شنکر ورمن کے حق میں ہوا۔ شنکر ورمن نے اپنے باپ کی پُرامن پالیسی کو بالکل تبدیل کردیا اور دوسری ریاستوں سے لڑائیوں میں الجھ گیا۔ اُس نے دَروابھسار (وِتَستا اور چندر بھاگا کے درمیان کے علاقے) پر حملہ کیا، تری گرُت (کانگڑا) کے علاقہ میں اپنا اثر قائم کیا اور گرجر راجہ آلکھان کو شکست دی جسے لَلیہ شاہی نے مدد پہنچائی۔ شنکر ورمن نے مہیندر پال پرتی ہار سے وہ علاقے بھی از سرِنو حاصل کرلیے جن پر کبھی پہلے میر بھوج نے قبضہ کرلیا تھا اور انھیں ٹھکیہ راجہ کے حوالے کردیا۔ جب وہ ہزارہ کے علاقے (اُرشا) کے راستے سے ایک مہم سے لوٹ رہا تھا تو ۹۰۲ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔

شنکر ورمن کی فوجی مہموں نے خزانے کو بالکل خالی کردیا۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اس نے روپیہ وصول کرنے کے عجیب عجیب طریقے اختیار کیے۔ اس نے یہاں تک کیا کہ بعض مندروں کو لوٹ لیا اور مذہبی رسوم پر محصول لگا دیا۔ اس قسم کے جارحانہ محصول عاید کرنے کا انجام یہ ہوا کہ لوگ رفتہ رفتہ بالکل مفلس ہوگئے۔ اس دور میں چوں کہ علم وفن سرپرستی سے محروم رہے اس لیے وہ بھی مضمحل ہوگئے۔

اتپل خاندان کے بعد والے راجہ

شنکر ورمن کے لڑکے گوپال ورمن کا عہد خاص طور سے اس لیے یاد رکھنے کے قابل

ہے کہ اُس کے وزیر پربھاکر دیو نے شاہی راجہ کو شکست دی، جسے البیرونی کے سامند (سامنت دیو) کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ ہمیں مزید معلوم ہوتا ہے کہ فاتح نے اپنے حریف کو معزول کر دیا اور شاہی راج گدّی پر تورمان کملوک (کملو) کو بٹھا دیا۔ ۹۰۴ء میں گوپال ورمن کے انتقال سے لے کر ۹۳۹ء میں اتپل خاندان کے زوال تک جو زمانہ گزرا اس میں زیادہ تر تنتریوں کا اقتدار رہا۔ یہ پیدل سپاہیوں کی ایک جماعت تھی جو ایکانگوں (ایک قسم کی فوجی پولس) سے رقابت رکھتی تھی، لیکن اس رقابت کے باوجود تنتریوں نے بادشاہ گر کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ اس صورت حال کی ذمہ داری ایک بڑی حد تک اتپل راجاؤں کی اپنی نااہلی اور ان کے حرص و طمع پر تھی۔ مثال کے طور پر نابالغ راجہ پارتھ کے وقت میں جب ۹۱۷-۹۱۸ء میں کشمیر میں قحط پڑا تو رعایا کی تکلیف و پریشانی دور کرنے کے لیے حکومت نے کچھ بھی نہیں کیا۔ کلہن بڑے افسوس کے ساتھ کہتا ہے کہ "اِدھر لاکھوں آدمی بھوک سے مر رہے تھے اور اُدھر شاہی خاندان کے لوگ مزے اڑا رہے تھے اور وزرا اور تنتری بڑی بے دردی کے ساتھ دولت جمع کر رہے تھے اور اپنے چاول کے ذخیرے انتہائی گراں قیمتوں پر فروخت کر رہے تھے۔" آخری سے پہلا راجہ اُنمتّاورمن (۹۳۷-۹۳۹ء) حقیقتاً "حد سے زیادہ بدکار و بداعمال تھا۔" اس نے اپنے باپ پارتھ کو، جب وہ جیندر وہار سے واپس لوٹ رہا تھا، قتل کر دیا اور اپنے تمام سوتیلے بھائیوں کو بھوکا مار دیا۔ اُنمتّاورمن کی طینت میں سفاکی تھی۔ وہ ظالمانہ سلوک کر کے حظ حاصل کرتا تھا۔ وہ حاملہ عورتوں کا رحم نکلوا ڈالتا تھا۔ خوش قسمتی سے وہ بہت جلد مر گیا، اور اُس کے فرضی لڑکے شوُرورمن دوم کے مختصر دور کے ساتھ ۹۳۹ء میں اتپل خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

پرَوگپت

شوُرورمن دوم کے بعد برہمنوں نے گوپال ورمن کے وزیر پربھاکر دیو کے بیٹے یشَسکر کو راجہ چن لیا۔ اس کے نو سال (۹۳۹-۹۴۸ء) کے کامیاب دورِ حکومت میں امن و امان اور خوش حالی ملک میں پھر لوٹ آئی۔ اس کے بیٹے اور جانشین سنگرام کو ۹۴۹ء میں پرَوگپت نامی وزیر نے قتل کر دیا اور گدی پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ اس سلسلے کی سب سے زیادہ دل چسپ شخصیت بھیم شاہی کی پوتی اور لوہار (ریاست پونچھ) کے راجہ سنگھ راج کی

کی بیٹی دِدّا تھی۔ وہ ایک حوصلہ مند اور جوشیلی عورت تھی۔ اس کی شخصیت کو تقریباً پچاس سال ـــ اول راجہ کشیم گپت (۹۵۰-۹۵۸ء) کی بادشاہ بیگم کے روپ میں، پھر ولی کے طور پر اور آخر میں حکمران کی حیثیت سے (۹۸۰-۱۰۰۳ء) ـــ کشمیر کی سیاسیات میں سب سے بلند و بالا مقام حاصل رہا۔ اس زمانے میں درباری ریشہ دوانیوں کا سلسلہ مستقل جاری رہا۔ لیکن ڈامروں (جاگیردار امرا) اور برہمنوں کی مخالفت کے باوجود اُس نے تُنگا نامی ایک پنچ ذات کھَس کی مدد سے، جس سے وہ عشق کرتی تھی، اپنا اقتدار قائم رکھا۔

لوہار خاندان کے راجہ

۱۰۰۳ء میں مرنے سے پہلے دِدّا نے جانشینی کے مسئلے کا فیصلہ اپنے بھتیجے سنگرام راج کے حق میں کر دیا۔ یہ لوہار راج کمار وِگرہ راج کا بھائی تھا۔ سنگرام راج (۱۰۰۳-۱۰۲۸ء) ایک کمزور حکمراں ثابت ہوا۔ اس کے عہد کے ابتدائی دور میں ریاست کی تمام طاقت تُنگا کے ہاتھ میں رہی۔ ۱۰۱۴ء میں محمود کے خلاف جس نے بہرحال ہندوؤں کی متحدہ افواج کو شکست فاش دے دی، ترلوچن شاہی کی امداد کے لیے تُنگا ہی گیا تھا۔ ۴۱۲ھ مطابق ۱۰۲۱ء میں سلطان نے وادی کشمیر کو فتح کرنے کی کوشش کی۔ وہ دامنِ کوہ تک بڑھا چلا گیا، لیکن چوں کہ وہ لوہ کوٹ کے قلعے پر قبضہ کرنے میں ناکام رہا اس لیے وہ لاہور کو واپس لوٹ گیا۔ عمدہ انتظامِ حکومت کے مختصر وقفوں کو چھوڑ کر، کشمیر کی بعد کی تاریخ ہوا و ہوس، ظلم و تشدد، بدنظمی اور جابرانہ محاصل کی طویل داستان ہے۔ اتنا خوب صورت ملک اپنے اگلے حکمرانوں کے دور میں اتنا بدقسمت شاید کبھی نہیں رہا تھا۔ ان ہی سے ایک ہرش تھا (۱۰۸۹-۱۱۰۱ء) جس نے ایک اچھے منتظم، فوجی رہنما اور موسیقی اور شاعری جیسے فنونِ لطیفہ کے سرپرست کی حیثیت سے بڑی عمدہ ابتدا کی تھی، لیکن بعد میں وہ بگڑ گیا اور ایک عیاش، ظالم اور لا مذہب انسان میں تبدیل ہو گیا۔ اس کی بے انتہا فضول خرچی اور بے حد بدکاری نے بہت جلد سر سے اونچا پانی کر دیا۔ اس نے اپنی فوج میں "تُرُشک" (مسلم) سپہ سالار مقرر کیے اور مندروں کو لوٹنے کھسوٹنے اور مورتیوں کی بے حرمتی کرنے کی ایک باقاعدہ پالیسی پر عملدرآمد شروع کر دیا۔ اس نے لوگوں سے روپیہ وصول کرنے کے دوسرے طریقے بھی استعمال

کیے۔ آخرکار طاقت ور ڈامروں نے عَلَمِ بغاوت بلند کر دیا اور کچھ عرصے کے لیے ریاست میں طوائف الملوکی پھیل گئی۔ بالآخر کشمیر کی راج گدّی پر اُچھل نے قبضہ کر لیا۔ عصائے شاہی، بہرحال، بڑی تیزی سے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتا رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام خانہ جنگیوں، بدانتظامیوں اور امرا کی سازشوں کے دباؤ سے چیخ اٹھے۔ اس طرح ہندو حکومت ریاست میں ۱۳۳۹ء تک کسی نہ کسی طرح گھسٹتی رہی۔ ۱۳۳۹ء ہی میں شاہ میر نامی ایک مسلم جانباز نے اپنے خاندان کی حکومت قائم کی جو شری سُلتن دین یا شمس الدین کے لقب سے مشہور ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ابتدائی مسلمان بادشاہوں کے زمانے میں برہمنوں کی سیاسی اہمیت باقی رہی اور ریاست کی اہم ترین زبان سنسکرت رہی۔

سولھواں باب

قرونِ وسطیٰ میں شمالی ہند کے ہندو خاندان

فصل (۱)

آسام[1]

کام رُوپ کے حدود

آسام کے مرکزی علاقہ، یعنی اس خطہ ملک کو جو گوال پارا سے گوہاٹی تک پھیلا ہوا ہے، آج کام رُپ (کامَ روُپ) کا نام دیا جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں، بہرحال، اس میں تمام صوبۂ آسام نیز شمالی اور مشرقی بنگال کے بعض حصے بھی شامل تھے۔ اس ریاست کی راجدھانی پراگ جیوتش پور تھا جو غالباً موجودہ گوہاٹی کی جائے وقوع سے کچھ زیادہ دور نہ تھا۔

داستانوں کے فرضی حکمراں

کتبے اور ادب یکساں طور پر اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ راجہ روپ کے دیومالا والے نَرَک کی اولاد تھے جن کے بیٹے بھگ دتّ نے کورُووں کی طرف سے مہا بھارت کی جنگ میں نمایاں حصّہ لیا تھا۔ ان روایات کی اصلیت کچھ بھی ہو، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ عوام

---

[1] سرایڈورڈ گیٹ، ہسٹری آف آسام، دوسرا ایڈیشن، (کلکتہ ۱۹۲۶ء) بی کے۔ ایل۔ بیرُوا، ہسٹری آف آسام؛ ڈائنیسٹک ہسٹری آف نارتھ انڈیا، پہلا، بائیسواں باب، صفحہ ۲۳۵ – صفحہ ۲۷۰

کے نزدیک اس گھرانے کی قدامت مسلمہ تھی ۔ ساتویں صدی کے وسط میں یوآن چوانگ بھی کہتا ہے کہ اس کے ہم عصر آسام کے راجہ، اور خاندان کے بانی کے درمیان ایک ہزار... کا فصل تھا[1]۔

قدیم لوحی اسناد

کام روپ کا قدیم ترین حوالہ، جس کی تاریخی اہمیت ہے، الہ آباد کے ستونی کتبہ میں ملتا ہے جس میں مندرج ہے کہ یہ ایک سرحدی ریاست تھی جس نے سمدرگپت کی اطاعت قبول کرلی تھی۔ اپھساڈ کے کتبے سے ہمیں مزید معلوم ہوتا ہے کہ آخری دور کا گپت راجہ مہاسین گپت اپنی فوجیں دریائے لوہتیا، یا لوہتیا (برہم پتر) کے کنارے تک لے گیا اور سستھت ورمن کو اس نے شکست دی[2]، جسے بجا طور پر کام روپ کے ہمنام کے مماثل قرار دیا گیا ہے جس کا ذکر ندمن پور کی تختیوں میں آیا ہے[3]۔

بھاسکر ورمن

سستھت ورمن کے لڑکے بھاسکرورمن کا دورِ حکومت اس لیے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اسی زمانے میں یوآن چوانگ، ۶۴۳ء میں کام روپ پہنچا۔ بھاسکرورمن کو اپنے پڑوسی کرن سورن کے راجہ شاشانک سے مستقل خطرہ رہتا تھا، اس لیے اس نے (بھاسکر ورمن نے) بالکل ابتدائی زمانے میں ہرش سے "دائمی دوستی" کرلی۔ بھاسکرورمن یا کمار راج (جو اس کا دوسرا نام تھا) نے اپنے عظیم حلیف کی طلبیدہ دو دینی مجلسوں میں شرکت کی، قنوج میں بھی اور پریاگ میں بھی۔ اس بات سے کہ اس نے ان بدھ اجتماعات میں شرکت کی، نیز اس بات سے کہ وہ یوآن چوانگ کے ساتھ جو بدھ مذہب کا ماننے والا تھا، عزت و احترام کے ساتھ پیش آیا، ظاہر ہوتا ہے کہ بھاسکرورمن، اگرچہ ذات کا برہمن تھا، لیکن ایک

---

[1] اس بیان کو بہت احتیاط سے جانچنے کی ضرورت ہے

[2] کارپس انسکرپشنم انڈیکارم، تیسرا، صـ۲۰۳، صـ۲۰۶، اشلوک ۱۳۔

[3] ایپی گرافیہ انڈیکا، بارھواں، صـ۶۵، صـ۷۹۔ ندمن پور کی تختیوں کے مطابق اس سلسلے کا بانی پشیا ورمن تھا (ایضاً، صـ۷۳، صـ۷۶)

وسیع القلب آدمی تھا۔ بعض عالموں کا خیال ہے کہ چینی زائر کی شہادت سے کام روپ کے راجہ کا برہمن مذہب ظاہر ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس نے وانگ ہیون ٹسنگ کی بھیجی ہوئی سفارت کو مدد پہنچائی۔ ہرشن کے تخت کے غاصب اول ناآشن یا ارجن نے ۶۴۸ء میں اسی کا مقابلہ میدانِ جنگ میں کیا تھا۔ ندھن پور کی تختیاں بھاسکر ورمن کو "سینکڑوں راجاؤں" کے فاتح کی حیثیت سے پیش کرتی ہیں، اور ایک فرمانِ جاگیر کا ذکر کرتی ہیں جو اس نے اپنی راجدھانی کرن سوُرن کی چھاؤنی سے جاری کیا تھا[1] کرن سوُرن کو اس نے اپنی قلمرو میں یقیناً اس وقت شامل کیا جب ہرشن کے مرنے کے بعد سلطنت میں بدنظمی پھیلی۔ اس طرح بھاسکر ورمن کا دورِ حکومت ساتویں صدی کی ابتدا سے لے کر تقریباً درمیان تک رہا۔

بعد کی تاریخ

بھاسکر ورمن کے اگر کوئی جانشین ہوئے تو ان کا حال ہمیں کچھ نہیں معلوم۔ اس خاندان کے سالستمبھ نامی ایک مقامی جانباز نے، معلوم ہوتا ہے اس خاندان کا بہت جلد خاتمہ کر دیا۔ سالستمبھ نے ایک نئے خاندان کی بنیاد ڈالی جس کی جگہ نویں صدی عیسوی کے اوائل میں ایک دوسرے خاندان نے لے لی۔ سوائے ایک دو حکمرانوں کے کسی ایک کا دائرۂ حکومت آسام کی حدود سے باہر نہیں پہنچا۔ کہتے ہیں کہ آٹھویں صدی کے وسط میں شری ہرش نامی حکمراں نے، جو نیپال کے جے دیو کا خسر تھا، گوڑ، اودر (اڑیسہ) کلنگ، کوشل، اور دوسرے ملک فتح کیے[2] اسی طرح گیارھویں صدی کے نصف اول میں ایک دوسرے راجہ رتن پال بن برہم پال کے قبضے میں کافی علاقہ آگیا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ گرجر سردار، گوڑ کا (پال) حکمراں، اور داکشناتیہ راجہ (یعنی وکرمادتیہ ششم، چالوکیہ)، سب اس کا لوہا مانتے تھے۔ آخرالذکر نے اپنے باپ سوم ایشور اول کے دورِ حکومت میں کام روپ، کیرلیش (غالباً راجیندر اول چول؟)، باکوں اور تاکوں (تاجکوں؟) وغیرہ یا ستوں پر حملہ کیا[3]

---

[1] ایضاً، نیز ص۶۵، ص۳۶ [2] انڈین اینٹی کوئریز، جلد ۹، ۱۸۸۰ء، سطر ۱۵ [3] دیکھیں اگلے صفحات

[3] جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۹۸ء، حصہ ۱، ص۱۳۱۔ کیا ان تاکوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو محمود غزنوی اور مسعود کی قیادت میں شمالی ہندوستان پر حملہ آور ہوئے؟ یہ لوگ، بہرحال، مشرق کی جانب بنارس سے آگے نہیں بڑھے۔

پالوں کے حملے

کام روپ پال حکمرانوں کے دلیرانہ حملوں سے محفوظ نہ رہ سکا۔ بھاگلپور کے کتبے کی سند کے مطابق دیوپال (تقریباً ۸۱۵-۸۵۵ء) نے اپنے عمزاد جے پال کی سرکردگی میں ایک مہم بھیجی، جس میں جے پال کو پراگ جیوتش کے راجہ کے خلاف تھوڑی بہت کامیابی ہوئی (اشلوک ۶)۔ یہ ثابت کرنے کے لیے کافی شواہد موجود ہیں کہ بارھویں صدی کے تیسرے دہے میں آسام نے کمار پال کی اطاعت قبول کر لی تھی، اور اس کا وزیر ویدیہ دیو وہاں کافی بااختیار تھا۔

غیر ملکی یورشیں

کام روپ کی تاریخ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کے شدید حملوں کے خلاف ہتھیار نہیں ڈالے باوجودیکہ مسلمانوں نے اسے فتح کرنے کے لیے پے درپے کوششیں کیں۔ ان کوششوں کی ابتدا ۶۰۱ھ مطابق ۱۲۰۵ء میں محمد بختیار کے تبت پر حملے سے ہوئی تھی جس میں اُسے سخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ آسامیوں نے فوجی مصلحت سے ایک پُل بنا دیا تھا۔ وہ پُل تباہ ہوگیا اور اس کے ساتھ محمد بختیار کی تمام سپاہ تباہ ہوگئی۔ ان کی انتہا ۱۶۶۲ء میں اورنگ زیب کے مشہور سپہ سالار میر جملہ کے حملے پر ہوئی۔ بہرحال آسام پر تیرھویں صدی میں اہوموں نے تسلط قائم کر لیا جو شن قبیلہ کی ایک شاخ تھے۔ ۱۸۲۵ء تک آسام پر انہیں کا قبضہ رہا اور اسی سال وہ انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا۔ آسام کا نام غالباً انھیں اہوم فاتحین کے نام پر آسام پڑا ہے۔

مذہب

آسام بدھ مذہب کا اور ہندو تانتری فرقہ، دونوں کا مرکز ہے۔ وہاں جادو ٹونے

لہ انڈین اینٹی کوئریز، پندرھواں، ص ۳۰۵، ص ۳۰۶، اشلوک ۶۔ ڈاکٹر ایچ. سی. رے نے جے پال کا آسامی معاصر ہرجر یا اس کے لڑکے ونمال کو قرار دیا ہے (ڈائنسٹک ہسٹری آف نارتھ انڈیا، جلد اول، ص ۲۴۵)

کا رواج عام ہے۔ گوہاٹی کے قریب کاماکھیہ کی خانقاہ کو وہاں سب سے مقدس مانا جاتا ہے جہاں شاکت فرقے کے ہندو دیوی کی پوجا کرتے ہیں۔ آسام کا ملک اس کی بہترین مثال ہے کہ ہندو دھرم وہاں کے قدیم باشندوں میں اور ان منگول قبیلوں میں جو وقتاً فوقتاً وہاں آکر آباد ہوئے، رفتہ رفتہ کیوں کر پھیلا۔

فصل (۲)

پال خاندان[1]

بنگال کی ابتدائی تاریخ

قدیم زمانے میں بنگال کی قسمت مگدھ سے وابستہ رہی۔ نند خاندان جسے پریٰ آئی اور گنگری دائی قوموں کا حکمراں بتایا گیا ہے، جنوبی وادیٔ گنگا پر اقتدار رکھتا تھا، اور اسی طرح بعد میں موریہ خاندان کا وہاں اقتدار رہا۔ کشن سلطنت وہاں تک کبھی نہیں پہنچی، البتہ گپت خاندان کا قبضہ بنگال پر ضرور رہا۔ گپت سلطنت کا شیرازہ بکھرا تو وہاں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوگئیں۔ موکھری اِشان ورمن کا ہرہا والا کتبہ چھٹی صدی عیسوی میں "ساحل سمندر پر بسنے والے گوڑوں" کی فوجی سرگرمیوں کا پتہ دیتا ہے[2] ساتویں صدی کے اوائل میں بنگال پر شاشانک کی حکومت تھی جس نے تھانیشور کے راجہ وردھن کو قتل کردیا اور کچھ عرصے کے لیے موکھری راجدھانی قنوج پر اس کا قبضہ ہوگیا۔ ہیوان چوانگ نے شاشانک کو کرن سورن کا راجہ لکھا ہے۔ درآنحالیکہ ایک کتبے کے مطابق جس پر ۳۰۰ گپت سمبت، مطابق ۶۱۹ء مندرج ہے گنجم کے علاقے کا حکمران سَیلوِدبھَو اُس کی سرداری تسلیم کرتا تھا[3]۔ اس طرح "مہاراجہ

---

[1] ڈی۔ اے۔ اسمتھ "بنگال کا پال خاندان"، انڈین اینٹی کوئری، ارتیس (۱۹۰۹)، ص۲۳۳ تا ص۲۴۸: آر۔ ڈی۔ بینرجی، "بنگال کے پال"، میموائرس آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، جلد ۵، نمبر ۳؛ آر۔ سی مجمدار، ارلی ہسٹری آف بنگال (ڈھاکہ ۱۹۲۴)؛ ایچ۔ سی رَے، ڈائنسٹک ہسٹری آف ناردرن انڈیا، پہلا، باب چھٹا، ص۲۷۱ تا ص۳۹۰

[2] دیکھیں اگلے صفحات

[3] اپی گرافیہ انڈیکا، چھٹا، ۱۴۱، حاشیہ۔ اصل مقام جہاں سے یہ کتبہ دریافت ہوا ہے معلوم نہیں ہے۔ لیکن یہ ضرور معلوم ہے کہ کچھ عرصے یہ گنجم کے کلکٹر کے دفتر میں پڑا رہا۔

دھراج، شاشانک کافی طویل و عریض علاقے کا حکمراں تھا۔ وہ شیومت کا پیرو تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے بدھوں پر مظالم کیے۔ اس کے زوال یا انتقال کے بعد بنگال جس میں پونڈر وردھن، سم تٹ، تامرلپتی (تملوک) اور کرن سُوَرن شامل تھے، ہرش وردھن کے قبضے میں چلا گیا۔ ۶۴۷ء میں ہرش کے انتقال کے بعد گڑبڑ پھیل گئی اور بیرونی حملوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اندازہ ہے کہ بھاسکر ورمن نے کرن سُوَرن کو اسی وقت اپنی قلم رو میں شامل کیا۔ آٹھویں صدی کے ربع دوم میں قنوج کے یشو ورمن نے مگدھ اور گوڑ کے راجہ کو شکست دے دی۔ کشمیر کے لِلتا دتیہ، کام روپ کے شری ہرش اور دوسرے حملہ آوروں نے بھی اسے تاخت و تاراج کیا۔ جب اس طرح ملک میں طوائف الملوکی پھیل گئی تو لوگ ایک جگہ جمع ہوئے اور انھوں نے گوپال کو اپنا راجہ چُن لیا۔

پال کون تھے؟

یہ بات معنی خیز ہے کہ پال اپنا سلسلۂ نسب کسی قدیم ہیرو سے نہیں ملاتے۔ پال خاندان کا نام "پال" اس لیے پڑا ہے کہ اس کے افراد کے ناموں کے آخر میں "پال" لگا ہوا ہے۔ ایک کتبہ سے جو کھلیم پور سے دستیاب ہوا ہے، ہمیں صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ اس خاندان کا بانی دَے اِت وِشنو تھا جس کا بیٹا وَپ یٹ تھا۔ غالباً اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ کوئی عالی نسب خاندان نہیں تھا۔ ابتدا میں اس کی حیثیت معمولی تھی لیکن بعد میں اس نے ترقی کر لی۔ بہرحال ان کا شجرہ سمندر اور سُوریہ سے ملانے کی کوششیں بھی بعد میں کی گئیں۔

گوپال

اگرچہ گوپال کی زندگی کی تفصیلات ہمیں نہیں معلوم لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس نے ریاست میں امن و امان قائم کر دیا اور مستقبل میں اپنے خاندان کی عظمت کی بنیاد رکھ دی۔ تبتی لاما تاراناتھ کے بقول گوپال نے اُوتنت پور (موجودہ بہار) کی مشہور و معروف خانقاہ تعمیر کرائی اور پینتالیس سال حکومت کی۔ ہمیں مسٹر ایلن کی اس رائے سے بہرحال اتفاق ہے کہ اس مدت سے اس کے پورے عروج کا دور مراد نہیں ہے۔ غالباً اس کی

تاریخیں تقریباً ۷۶۵ – ۰۷۷ ء ہیں۔[1]

دھرم پال

گوپال کا لڑکا اور جانشین دھرم پال ایک جوشیلا نوجوان تھا۔ باپ نے ریاست کے داخلی انتظامات مکمل و مستحکم کر ہی دیے تھے، اس لیے اُسے خارجی مہیں سر کرنے کا خوب موقع ملا۔ اُس کا سب سے مشہور کارنامہ یہ تھا کہ اس نے اندراج (اندرایدھ) کو شکست دی۔ اُسے گدی سے اتار دیا اور اس کی جگہ قنوج کی گدی پر چکرایدھ کو بٹھایا۔ گوڑ کے راجہ نے معاملے کو جس طرح طے کر دیا اُسے شمالی ہند کی تمام معاصر ریاستوں۔ مثلاً بھوج، متسیہ، مدر، کرو، یدو، یون، اونتی، گندھار، اور کیسا۔ نے "بخوشی تسلیم کر لیا۔"[2] دوسرے معاصرین سے دھرم پال کی لڑائیاں معلوم ہوتا ہے اس کی فوج کے حق میں بہرحال تباہ کن ثابت ہوئیں۔ کتبے شاہد ہیں کہ وتس راج، پرتی ہار اور دھروو راشٹر کوٹ دونوں دھرم پال کے شاہانہ عزائم کو برداشت نہ کر سکے اور دونوں نے الگ الگ اسے شکست دی۔ کہتے ہیں کہ جب گوڑ کے راجہ نے "گنگا اور جمنا کے درمیان میں فرار اختیار کیا"[3] تو اس وقت دھروو غالب آیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دھروو سے اس کا مقابلہ گنگا کے دوآبہ میں ہوا۔ سنجن کی تختیاں مزید تصدیق کرتی ہیں کہ گووند سوم راشٹر کوٹ (تقریباً ۷۹۴–۸۱۴ء) کے خلاف "دھرم (دھرم پال) اور چکرایدھ نے از خود ہتھیار ڈال دیے۔" آخر میں، جب ناگ بھٹ دوم پرتی ہار نے چکرایدھ سے قنوج چھین لیا، تو دھرم پال کے شمالی ہند میں اقتدار حاصل کرنے کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اپنے آوردہ کی معزولی پر دھرم پال کو بہت غصہ آیا، مگر وہ کیا کر سکتا تھا۔ مدگگری (مونگھیر) کے مقام پر بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں دھرم پال کو شکست ہوئی۔[4]

---

[1] کیمبرج شارٹ ہسٹری آف انڈیا، ص ۱۴۲

[2] ایپی گرافیہ انڈکا، چوتھا، ص ۲۴۸، ص ۲۵۲

[3] ایضاً، اٹھارہواں ص ۲۴۴، ص ۲۵۲، سطر ۱۴

[4] ایضاً، ص ۲۰، ص ۱۳، اشلوک ۱۰

دھرم پال بدھ مذہب کا پیرو تھا۔ کہتے ہیں کہ وکرم شیلا (پتھر گھٹ، ضلع بھاگلپور) کا مشہور و معروف دارالعلوم اسی نے قائم کیا تھا۔ اس کے عظیم الشان مندر اور خانقاہیں زبانِ حال سے دھرم پال اور دوسرے معطیوں کی فیاضی کی شہادت دے رہی ہیں۔

دیوپال

دھرم پال نے طویل مدت[1] تک حکومت کی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا دیوپال گدی پر بیٹھا۔ دیوپال کا شمار پال خاندان کے سب سے زیادہ جلیل القدر حکمرانوں میں کیا جاتا ہے۔ لوحی شواہد پتہ دیتی ہیں کہ اسے بے شمار فتوحات کا فخر حاصل ہوا۔ کہتے ہیں کہ اس نے ریوا کے مورث (وِندھیا) اور گوری کے باپ (ہمالیہ) کے درمیان تمام "روئے زمین کو باجگزار بنالیا"، اور جنوب میں رام کے پُل تک اس سے "استفادہ کیا۔"[2] یہ بلاشبہ بے بنیاد مبالغہ ہے، لیکن بدل کا ستونی کتبہ[3] شاہد ہے کہ دیوپال نے اپنے دانش ور وزیروں یعنی دربھپانی اور کیدار مشر کے مشورے سے "اُتکلوں کے قبیلے کا استیصال کیا، ہُونوں کے گھمنڈ کو باطل کیا، اور دراوڑ اور گُرجر حکمرانوں کے غرور کو پاش پاش کردیا۔" بھاگلپور کے کتبے (اشلوک ــ ۶)[4] سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اتکل (اڑیسہ) اور پراگ جیوتش (آسام) سے اطاعت قبول کروانے کا ذمہ دار دیوپال کا عمزاد جے پال تھا۔ دیوپال کے گرجر حریف کو مہر بھوج (۸۳۶ ــ ۸۸۵ء) کے مماثل قرار دیا جاسکتا ہے۔ مہر بھوج ہی نے مشرق کی طرف اپنی طاقت بڑھانے کی کوشش کی تھی۔ ابتدا میں اُسے کامیابی نصیب ہوئی، لیکن گوڑ کے راجہ نے اُسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ ایک تانبے کی تختی جو نالندا سے دریافت ہوئی ہے، نشان دہی کرتی ہے کہ دیوپال نے پانچ گاؤں ــ چار راج گرہہ

---

[1] کھلیم پور کی تختی کے مطابق دھرم پال کا دورِ حکومت ۳۲ سال رہا۔ اس کے برخلاف تاراناتھ نے ۶۴ سال متعین کیے ہیں۔ اس لیے ہم اندازاً حقیقت سے قریب قریب نزدیک پہنچنے کے لیے دونوں مدتوں کی درمیانی مدت ۴۸ سال قرار دے سکتے ہیں۔

[2] موازنہ کریں مونگھیر کے فرمان کے پندرھویں اشلوک سے، ایپی گرافیہ انڈیکا، اٹھارھواں، صفحہ ۳۰۴، صفحہ ۳۰۸

[3] ایضاً، دوم، صفحہ ۱۶۰، صفحہ ۱۶۷

[4] موازنہ کریں نارائن پال کے بھاگلپور والے فرمان سے، انڈین اینٹی کوئریز، پندرھواں، صفحہ ۳۰۵، صفحہ ۳۱۰

وِشیئو ضلع) اور ایک گیا وِشیئہ میں ۔ بھکشوؤں کے "آرام و آسائش"، "دھرم تنوں کی تصنیف، اور بدھ خانقاہ کے مصارف کے لیے وقف کیے تھے۔ یہ خانقاہ سُوَرنَددیپ اور یَوبھومی کے راجہ بال پُتر دیو نے تعمیر کرائی تھی۔ ایک رائے یہ ظاہر کی گئی ہے کہ یہ دونوں نام ساٹرا اور جاوا کے مماثل ہیں۔ اگر یہ درست ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ہمارے پاس قطعی شہادت اس بات کی موجود ہے کہ پال ریاست مشرق بعید کے ان جزائر سے روابط رکھتی تھی۔[1]

ایک عظیم فاتح ہونے کے علاوہ، دیوپال بدھ مت کا سرپرست بھی تھا اور اس نے مگدھ میں مندر اور خانقاہیں تعمیر کرائیں۔ اس طرح فنِ تعمیر اور دیگر فنون میں تازہ روح پیدا ہوگئی۔ نالندا بدھ علوم و فنون کے مرکز کی حیثیت سے بدستور پھلتا پھولتا رہا۔ دیوپال کے عہدِ حکومت کی حدیں تقریباً ۸۱۵ اور ۸۵۵ء کے درمیان میں قائم کی جا سکتی ہیں۔

نارائن پال

دوسرا قابلِ ذکر حکمران نارائن پال تھا جس نے ۵۴ سال حکومت کی (تقریباً ۸۵۸ — ۹۱۲ء) وہ ہے ہیۂ (چیدی) نسل کی راج کماری لَجّا کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ بھاگلپور کا کتبہ[2] نشان دہی کرتا ہے کہ اپنے عہدِ حکومت کے سترھویں سال میں اس نے مُدگری (مونگھیر) سے ایک گاؤں تیر بُھکتی (ترہُت) میں شیو کی خانقاہ کے لیے وقف کیا، اور شیو ہی کے اعزاز میں ایک ہزار مندر تعمیر کرائے۔ نارائن پال کے ابتدائی دَور میں مگدھ پالوں کے قبضے میں رہا، لیکن بعض کتبے جن پر مہیندرپال اول کا سنِ جلوس مندرج ہے، ثابت کرتے ہیں کہ بعد میں مگدھ شمالی بنگال کے ساتھ پرتی ہاروں کے قبضے میں چلا گیا۔[3] ان علاقوں پر مہیندرپال کا قبضہ یقیناً اس کی تخت نشینی کے فوراً بعد عمل میں آیا، کیوں کہ اس کے پیشرو مہر بھوج کی فتوحات یا اس کے کتبوں کے مقاماتِ دریافت اس رائے کی تائید نہیں کرتے کہ اُسے

---

[1] ایپی گرافیہ انڈیکا، سترھواں، صفحہ ۳۱۰ — ۳۲۷ (ملاحظہ ہو دیوپال دیو کی نالندا والی تانبے کی تختی)

[2] انڈین اینٹی کویریز، پندرھواں، صفحہ ۳۰۴: صفحہ ۳۱۰

[3] ملاحظہ ہو ہسٹری آف ترہت، صفحہ ۳۴ اور صفحہ ۳۵

شرقی مہموں میں کوئی نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ اس طرح جب مگدھ اور شمالی بنگال پرتی ہاروں کے قبضے میں چلا گیا اور مشرقی بنگال چندروں کے قبضے میں تو پالوں کی حکومت مغربی اور جنوبی بنگال تک محدود رہ گئی۔ لیکن نارائن پال کے عہدِ حکومت کے اواخر میں بھوج دوم اور مہی پال دونوں بھائیوں میں آپس میں جنگ چھڑ گئی۔ نارائن پال نے اس سے فائدہ اٹھا کر اُدنڈ پور (موجودہ شہر بہار) پر از سرِ نو قبضہ کر لیا۔ ۹۱۶-۹۱۷ء میں راشٹر کوٹ اند سوم کے حملے کے باعث پرتی ہاروں نے جب ایک اور جھٹکا اٹھایا تو راجیہ پال (تقریباً ۹۱۲-۹۳۶ء) نے دریائے سون سے مشرق کی طرف کے تمام آبائی مقبوضات پھر حاصل کر لیے۔

مہی پال اوّل

وِگرہ پال دوم کا لڑکا مہی پال اس خاندان کا ایک اور طاقت ور حکمر تھا۔ اس کے کتبوں کے مقاماتِ دریافت سے ظاہر ہوتا ہے کہ پال خاندان کی حکومت کا ایک بار ما ہوا۔ اس کی ریاست میں پٹنہ، گیا اور ٹپرا شامل تھے؛ نیز دِناج پور اور مظفر پور جیسے مقا ت بھی شامل تھے جو ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر واقع تھے۔ گوپال دوم کے عہدِ حکومت کے تقریباً اواخر میں کموج خاندان کے ایک "گوڑ راجہ" نے (جو اصلاً منگول تھا) شمالی بنگال اس سے چھین لیا تھا۔ مہی پال اوّل نے اُسے پھر فتح کر لیا۔ کموج خاندان کے اس غاصب حکمراں نے، جس کا نام معلوم نہیں، بن گڑھ (ضلع دیناج پور) میں شیو کا ایک مندر بنوایا۔ مہی پال کے ایک کتبے سے ہمیں وِکرم سموت یعنی ۱۰۸۳ (وکرمی) مطابق ۱۰۲۶ء حاصل ہوا ہے، اور یہ سن پال خاندان کی سلسلہ وار تاریخ کی ایک اہم کڑی ہے[1]۔ یہ کتبہ سارناتھ میں دریافت ہوا ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکالنا چاہیے کہ یہ علاقہ پال ریاست میں شامل تھا۔ اس کے ذریعے سے صرف گندھ کٹی کی تعمیر کو، نیز دھرم راجک استوپ اور دھرم چکر کی مرمت کو ضبطِ تحریر میں لایا گیا ہے۔ مرمت کا کام مہی پال نے دو بھائیوں استھر پال اور وسنت پال کے ذریعے مکمل کروایا۔ یہ سب خالص مذہبی کام تھے، کوئی سیاسی اہمیت ان کی نہیں تھی۔ ادبی تصانیف میں کرناٹوں سے مہی پال کی لڑائیوں اور

---

[1] سارناتھ کا پتھر کا کتبہ، انڈین اینٹی کوئریز، چودھواں (۱۸۸۵)، ص ۱۳۹، ص ۱۴۰: نیز ملاحظہ ہو جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۹۰۶، ص ۴۴۵، ص ۴۴۶: گوڑ لیکھ مالا، ص ۱۰۴، ص ۱۰۹

تیرمُھکتی (ترہُت) کے اس کے ہاتھ سے نکل جانے کی طرف جو اشارے ملتے ہیں وہ بہت مبہم ہیں۔ تیرمُھکتی میں ۱۰۷۶ وکرمی مطابق ۱۰۱۹ء گانگیہ دیو حکومت کر رہا تھا جسے اسی کے ہم نام کلاچوری گانگیہ دیو کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔[1] مہی پال کے عہدِ حکومت کا سب سے اہم واقعہ یہ تھا کہ ۱۰۲۱ اور ۱۰۲۵ء کے درمیان کسی سال میں راجیندر چول نے شمال کی طرف سے حملہ کیا۔[2] کہتے ہیں کہ وہ اڑیسہ، جنوبی کوشل، دنڈ بھکتی (بلسور اور مدناپور کے اضلاع) سے گزرتا ہوا آگے بڑھا اور تکن لاڈم نیز رن شور (جنوبی رادھا ہاوڑہ اور ہگلی کے اضلاع) اور ونگال دیش (مشرقی بنگال) میں گووند چندر وغیرہ مقامات فتح کر لیے۔ اُس کے بعد حملہ آور نے شمال کا رُخ کیا اور مہی پال سے ٹکر لی جسے اس نے شکست دے دی۔ بہرحال، پال راجہ اس میں کامیاب ہو گیا کہ اس نے فاتح کو گنگا سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ اگر یہ بات درست ہے کہ مشرقی اور مغربی بنگال کی ریاستیں الگ الگ تھیں، جس کی تائید ترِمَ لے (شمالی ارکاٹ کا ضلع) کے چٹانی کتبہ سے ہوتی ہے تو یہ بات بھی طے ہے کہ مہی پال کے دورِ حکومت کے اواخر میں اس کے علاقوں میں ضرور کمی واقع ہو گئی تھی۔

نَیَہ پال

مہی پال کے بعد اس کا لڑکا نَیَہ پال گدی پر بیٹھا جس کا عہد خاص کر اس لیے یادگار ہے کہ اس کے جلوس کے پندرھویں سال میں وشو روپ نے، جو گیا میں اس کا گورنر تھا، گدادھر کا مشہور و معروف مندر اور دوسری چھوٹی چھوٹی خانقاہیں تعمیر کرائیں۔[3] تبتی ماخذ سے پتہ چلتا ہے کہ نَیَہ پال نے لکشمی کرن (تقریباً ۱۰۴۱ - ۱۰۷۲ء) سے اسی دوران میں جنگ کی۔ جنگ میں کبھی ایک کا پلہ بھاری ہوا کبھی دوسرے کا۔ لیکن جب مغرب کے کرنیہ کے سپاہی مولی گاجر کی طرح کٹنے لگے تو نامور بھکشو دیپ انکر شری گیان یا اتیش نے جو اس وقت مہابودھی وہار میں رہتے تھے، اپنی جان کے خطرے سے بے نیاز ہو کر مداخلت کی اور فریقین

---

[1] ڈائنسٹک ہسٹری آف ناردرن انڈیا، جلد اول، ص ۳۲۷

[2] ایضاً ص ۳۱۸۔ ص ۳۲۳

[3] میموائرس آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، جلد پانچ، نمبر ۳، ص ۵۹

میں صلح کرادی۔ اگرچہ اس لڑائی میں فتح کسی کی نہیں ہوئی تھی، لیکن تعجب ہے کہ چیدی دستاویزات میں بڑے فخریہ انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ گوڑ کے راجہ نے کرن کی اطاعت قبول کرلی۔

نیہ پال کے جانشین

اس کے برخلاف ایسے اشارے بھی ملتے ہیں کہ نیہ پال کے بیٹے وِگرہ پال سوم نے کرن کو شکست دی اور غالباً جب جنگ ختم ہوگئی اور دوستانہ تعلقات بحال ہوگئے تو وِگرہ پال نے کرن کی لڑکی یَوَن شری کے ساتھ شادی کرلی۔ لیکن بہت جلد پال راجہ پر ایک اور مصیبت نازل ہوگئی۔ کہتے ہیں کہ سومیشور اول چالوکیہ (تقریباً ۱۰۴۲ - ۱۰۶۸ء) کے بیٹے وِکرمادتیہ نے اپنے شمالی حملوں کے دوران گوڑ اور کام روپ کے راجاؤں کو زیر کرلیا۔[۱] وِگرہ پال کی موت کے بعد پھر گڑبڑ کا زمانہ آگیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وِگرہ پال کے تینوں بیٹوں میں آپس میں رقابت تھی اور تینوں میں ہر ایک اپنے لیے گدی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ ہر ایک نے باری باری گدی حاصل کی۔ اِدھر یہ آپس میں لڑ رہے تھے اور اُدھر مشرقی بنگال اور پال علاقوں میں ورمن اپنی طاقت بڑھا رہے تھے۔ یہ علاقے خود ہی گھٹ کر بہار اور شمالی بنگال کے کچھ حصوں تک محدود رہ گئے تھے، بلکہ اس سے بھی کم رہ گئے تھے۔ وارِیندر میں کیوَرت نامی ایک دیسی قبیلے کے سردار نے جس کا نام دِوّیَہ یا دِوّوک تھا، بغاوت کردی۔ اسے فرو کرنے کی کوشش میں مہی پال مارا گیا۔ اس طرح یہ باغی سردار شمالی بنگال میں ایک خودمختار ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

رام پال

اپنے سوتیلے بھائی سورپال کے مختصر دور کے بعد رام پال گدی پر بیٹھا۔ اس نے اپنے آپ کو بہت نازک حالات سے دوچار پایا۔ کیورتوں کے خطرے کے علاوہ اسے سرکش جاگیرداروں کا مقابلہ کرنا پڑا جو پال راجاؤں کی ناکامیوں سے فائدہ اٹھارہے تھے۔ سندھیاکرنندی[۲]

---

[۱] ملاحظہ ہوں گذشتہ صفحات۔ [۲] ایچ پی۔ شاستری: میموائرز آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، جلد۳، نمبر۱

کی ۱۳ چرت کے مطابق رام پال بذاتِ خود ان کے پاس گیا اور عالی ظرفی سے کام لے کر بڑی چابکدستی کے ساتھ ان پر قابو پایا۔ ان جاگیرداروں نیز اپنے ماموں راشٹر کوٹ متھن کی مدد سے اس نے کیورتوں پر چڑھائی کردی۔ اس کے سپہ سالار شیو راج نے اول قراول دستہ کے ذریعے جائزہ لیا اور اس کے بعد پال فوجوں نے گنگا پار کرلی اور کیورتوں کے سردار بھیم کو جو اپنے باپ دِوّوک کا جانشین تھا، شکست دے دی اور اُسے قید کرلیا۔ قیدی کو بعدازاں قتل کروا دیا گیا اور رام پال نے شمالی بنگال میں اپنے آبائی علاقے پھر سے حاصل کرلیے۔ اس کامیابی نے اس کے حوصلے بڑھا دیے اور اس کے بعد ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کلنگ اور کام روپ کو بھی تاخت و تاراج کیا۔ مشرقی بنگال کے یادَو وَرمن نے بھی اس کے حفظ و امان میں آنے کی کوشش کی۔

خاندان کا خاتمہ

پال خاندان کے اقتدار کا یہ احیا بہرحال عارضی ثابت ہوا۔ تقریباً ۴۵ سال حکومت کرنے کے بعد رام پال فوت ہوگیا اور اس کے ساتھ خاندان کی طاقت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ اس کے بیٹے کمار پال کے زمانے میں کام روپ میں بغاوت ہوگئی۔ اس بغاوت پر کمار پال کے وزیر دیئہ دیو نے قابو تو پا لیا لیکن وہ خود اس کے بعد فی الواقع خود مختار ہوگیا۔ کمار پال کے جانشین سب اسی کی طرح کمزور تھے اور وہ خاندان کے تنزل کی رفتار کو روکنے میں ناکام رہے۔ تمام جاگیردار رفتہ رفتہ زور پکڑ گئے۔ شمالی بنگال میں وجے سین نے اپنا سکہ جما لیا اور مدن پال کو معزول کردیا پال خاندان کی ریاست بہار کے کچھ حصوں پر محدود رہ گئی، اور وہاں بھی کچھ عرصہ ان کی حالت ڈانواڈول رہی۔ پھر اُسے مشرق میں سینوں نے اور مغرب میں گہڑوالوں نے گھیر لیا۔ آخری پال حکمراں کی ایک جھلک ہمیں ایک کتبے میں دکھائی دیتی ہے جس پر ۱۲۳۲ وکرمی مطابق ۱۱۷۵ء مندرج ہے۔ یہ کتبہ گووندپال کے جلوس کے چودھویں سال کا ہے، لیکن گووندپال کے بارے میں ہمیں اس سے زیادہ کچھ نہیں معلوم۔[ف]

پال خاندان کے کارنامے

چناں چہ کافی نشیب و فراز کے ساتھ ۴۰۰ سال سے زائد عرصے بہار و بنگال پر حکومت کرنے کے بعد پال خاندان تاریخ

ف جرنل آف بہار اینڈ اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی۔ دسمبر ۱۹۲۸ء ص ۵۳۱

کے اسٹیج سے غائب ہو گیا۔ تاریخ کے عالم اب تک ان کی راجدھانی کا پورے یقین سے ساتھ تعین کرنے میں ناکام رہے ہیں، لیکن قیاس ہے کہ مُدگِری (مونگھیر) ان کی راجدھانی تھی کیوں کہ پال راجاؤں نے کئی فرمان وہیں سے جاری کیے۔ خاندان کے سب سے زیادہ طاقت ور افراد دھرم پال اور دیو پال تھے۔ براہِ راست ان کے تصرف میں جو علاقے تھے وہ تو تھے ہی، لیکن ان کے اثرات اور سرگرمیوں کا حلقہ وسیع تر تھا۔ پال خاندان کے راجہ علوم وفنون کے بڑے سرپرست تھے۔ وِنسینٹ اسمتھ نے دو فنکاروں کے ناموں کا ذکر کیا ہے — دِھمان اور اس کا لڑکا وِت پال — جنھوں نے "مصوری، مجسمہ سازی اور کانسہ ڈھالنے کے فن میں بڑی مہارت حاصل کر لی تھی اور ان فنون میں بڑا نام پیدا کر لیا تھا"۔ بدقسمتی سے اس زمانے کی کوئی عمارت آج باقی نہیں ہے لیکن ان کے عہد میں جو بے شمار تالاب اور نہریں بنوائی گئی تھیں وہ شہادت دیتی ہیں کہ پال خاندان کے راجہ رفاہِ عام کے کاموں سے کس قدر دلچسپی رکھتے تھے۔ وہ بدھ مت کے سچے پیرو تھے۔ ان کے عہد میں بدھ مت میں تنتری طرز کی جدتیں پیدا ہوگئیں اور ان کی سرپرستی نے مذہب میں تازہ روح پھونک دی۔ انھوں نے بدھ مذہب کے لیے فیاضی کے ساتھ خانقاہیں وقف کیں جو اس وقت علم وفن اور مذہب کی توسیع وترقی کا بہترین ذریعہ ثابت ہوئیں۔ کہتے ہیں مشہور بھکشو اَتیشا بدھ مذہب کی تبلیغ کے لیے گیارھویں صدی کے وسط میں تبت گیا۔ پال خاندان کے راجہ ہندو دھرم کے بھی مخالف نہیں تھے۔ وہ برہمنوں کو بھی کھلے عام دان دیتے تھے اور انھوں نے ہندو دیوتاؤں کے اعزاز میں مندر تعمیر کرائے۔

فصل (۳)

سین خاندان

اصل

سین جنھوں نے بنگال میں پالوں کی طاقت کا خاتمہ کر دیا، غالباً جنوبی اصل رکھتے تھے۔ بعض

؎ اسلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، ص۴۱۲

؎ جی۔ ایم سرکار، "اسلی ہسٹری آف بنگال" (سین عہد) جرنل ڈپارٹمنٹ آف لٹریچر، سولھواں (۱۹۲۷) ص۱-۸۲

عالموں کی رائے ہے کہ سومیشور اول (تقریباً ۱۰۴۲ - ۱۰۶۸ء) کے بیٹے وکرمادتیہ چالوکیہ کی شمالی مشرقی مہم کے بعد جو گڑبڑی پھیلی اس کے نتیجے میں سینوں نے رادھا (مغربی بنگال) میں اپنی ایک چھوٹی سی ریاست علیٰحدہ قائم کرلی[1] خاندان کے بانی سامنت سین کو ویرسین کی اولاد میں بتایا گیا ہے جو "چندرونش" میں پیدا ہوا تھا۔ سامنت سین کو "کرناٹ کشتریوں (یا برہم کشتریوں) کا سرتاج" بھی کہا گیا ہے۔ اس اصطلاح کا مطلب شاید یہ ہے کہ سین خاندان والے پہلے برہمن تھے لیکن بعد میں انھوں نے فوجی پیشہ اختیار کرلیا اور چھتری کہلانے لگے۔

وجے سین

سامنت سین کے پوتے وجے سین نے ۶۲ سال سے کچھ زیادہ حکومت کی (تقریباً ۱۰۹۵ - ۱۱۵۸ء) اور اس عرصے میں خاندان کے نام کو چار چاند لگا دیے۔ اس نے فنِ جنگ میں ممتاز مقام حاصل کیا اور بہت سے علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ کہتے ہیں کہ اس نے گوڑ کے راجہ پر "بڑی تیزی سے حملہ کیا"[2] گوڑ کے راجہ کو عام طور پر مدن پال کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ وجے سین نے پالوں کو شمالی بنگال سے بے دخل کردیا تھا۔ یہ بات اس کتبے سے ثابت ہوتی ہے جو راج شاہی ضلع میں دیوپاڑا کے مقام پر دریافت ہوا ہے[3] نیز اس تختی سے بھی ثابت ہے جو بارک پور سے ملی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ اُس نے پونڈر وردھن بُھکتی میں ایک گاؤں دان کیا تھا[4] چوں کہ یہ فرمان وکرم پور سے اس کے جلوس کے باسٹھویں سال میں جاری ہوا اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ حکومت کے آخری دنوں میں مشرقی بنگال بھی وجے سین کے تصرف میں آگیا تھا۔ ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کسی زمانے میں اس کا بیڑا "مغربی علاقوں کی کھیل کھیل میں فتح کے لیے دریائے گنگا کے بہاؤ پر ادھر سے اُدھر تک تیرا کرتا تھا"۔ اس نے اپنے بہت سے معاصرین کو شکست دی جن میں ترہت کا نانیہ دیو اور کام روپ

---

[1] ملاحظہ ہو ڈائنسٹک ہسٹری آف نادرن انڈیا، جلد اول، صفحہ ۳۳۱، صفحہ ۳۵۶

[2] ایپی گرافیہ انڈیکا / اول، صفحہ ۳۰۵، صفحہ ۳۱۵

[3] ایضاً، پندرھواں، صفحہ ۲۷۸ - صفحہ ۲۸۶

[4] ایضاً، اول، صفحہ ۳۰۹، صفحہ ۳۱۰، صفحہ ۳۱۳

اور کلنگ کے راجہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں[1]۔ قیاس ہے کہ آخرالذکر، کامارنو (تقریباً ۱۱۴۷ - ۱۱۵۶ء) یا راگھو (تقریباً ۱۱۵۶ - ۱۱۷۰ء) کے مماثل ہے، کیوں کہ ہمارے پاس اس کی تھوڑی بہت شہادت موجود ہے کہ ان کا باپ اننت ورمن چوڑ گنگا (تقریباً ۱۰۷۷ - ۱۱۴۷ء) وجے سین سے دوستانہ تعلقات رکھتا تھا۔ وجے سین شیومت کا سچا پیرو تھا اور فیاضی کے ساتھ شرد تریوں کی سرپرستی کرتا تھا۔ اس نے ایک مصنوعی جھیل کھدوائی اور دیو پاڑا میں ایک عالی شان مندر پردیومنیشور شیو کے اعزاز میں تعمیر کرایا۔

وَلّال سین

وجے سین کا جانشین اس کا بیٹا وَلّال سین ہوا جس کی ماں وِلاس دیوی تھی جو مغربی بنگال کے شوُر خاندان کی راجکماری تھی۔ اس نے اپنی ریاست کو جیوں کا تیوں برقرار رکھا لیکن خود کوئی قابلِ ذکر فتوحات حاصل نہیں کرسکا۔ روایات بتاتی ہیں کہ اس نے بنگال میں "کلین" رسوم کا اجرا کیا اور ذاتوں کی از سرِ نو ترتیب کی۔ اس کی ان سماجی اصلاحات کی تائید بہرحال لوحی شواہد سے نہیں ہوتی۔ باپ کی طرح وَلّال سین شیومت کا پیرو تھا۔ دو مشہور تصانیف —— دان ساگر اور ادبھُت ساگر اس سے یادگار ہیں جو اس نے اپنے گرو کی رہنمائی میں تصنیف کیں۔

لکشمن سین

لکشمن سین یا رلنے لکھ منیا، خاندان کا آخری اہم رکن تھا۔ اُسے بہت سی فتوحات نصیب ہوئیں۔ بہت ممکن ہے کہ اس نے اپنے ابتدائی دَور میں کام روپ اور کلنگ کے پڑوسی علاقوں کو تاخت وتاراج کیا ہو۔ لیکن اس کے دوسرے فوجی کارنامے اور بنارس اور الٰہ آباد میں[2] اس کے "ستونِ فتح مندی" نصب کرنے کی روایتیں محض ڈینگیں ہیں اور حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان دونوں شہروں پر گہڑوالوں کا قبضہ تھا اور یہ بات بالکل خلافِ

---

[1] ایپی گرافیہ انڈیکا، اول ص ۳۰۹ - ص ۳۱۰، ص ۳۱۴ (دیو پاڑا کا پتھر کا کتبہ)

[2] موازنہ کریں کیشو سین کے ایدلپور کے کتبے سے، جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، نیو سیریز سوسائٹی، دسواں (۱۹۱۴)، ص ۹۸ - ص ۱۰۱: مدھیا نگر کا فرمان، ایضاً، نیو سیریز سوسائٹی، پانچواں (۱۹۰۹)، ص ۴۷۳، ص ۴۷۶، اشلوک ۷۔

قیاس ہے کہ لکشمن سین نے ان شہروں کو جے چندر جیسے طاقت ور حکمراں سے، جس کی ریاست مشرق میں کم از کم گیا تک پھیلی ہوئی تھی، چھین لیا ہو۔ اس کے علاوہ اگر مسلم مورخین کا اعتبار کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ لکشمن سین انتہائی بزدل آدمی تھا۔ ان کے بیانات ہیں پتہ دیتے ہیں کہ محمد بختیار خلجی کی آمد کی خبر سن کر لکشمن سین اپنے محل کے چور دروازے سے نکل کر بھاگ گیا اور تھوڑی بہت مقاومت بھی نہ کر سکا۔ محمد بختیار خلجی غالباً ۱۱۹۷ء میں بہار فتح کرنے اور "سر منڈے برہمنوں" (بدھ بھکشوؤں) کا قتل عام کرنے کے بعد، ایک قلیل فوج کے ساتھ ۱۱۹۹ء کے اواخر میں ندیا کی طرف بڑھ گیا۔ لکشمن سین کی حکومت ظاہر ہے بالکل ہی از کار رفتہ ہو چکی تھی، ورنہ بختیار کی مجال نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ دارالسلطنت تک پہنچ جائے اور کل اٹھارہ سو سواروں کی مدد سے اچانک اس پر قبضہ کر لے[1]۔ لکشمن سین پھر گنگا پار کر کے مشرقی بنگال کی طرف نکل گیا، جہاں اس نے تقریباً ۱۲۰۶ء تک حکومت کی۔ منہاج الدین کا بیان ہے کہ اس کا دورِ حکومت ۸۰ سال رہا لیکن یہ بات یقیناً غلط ہے۔ بڑے مضبوط شواہد ہمارے پاس اس کے موجود ہیں کہ لکشمن سین کی تخت نشینی ۱۱۸۰ء میں ہوئی تھی[2]۔ اس کے انتقال کے بعد سین خاندان کی حکومت مشرقی بنگال (بنگ) میں تقریباً نصف صدی اور رہی اور اس کے بعد وہ بھی مسلمانوں کے قبضے میں چلا گیا۔

بہت سے قدیم راجاؤں کی طرح لکشمن سین نے ادب لطیف کی بہت افزائی کی۔ ان ادبی ہستیوں میں جو اس کے دربار کی رونق تھے، دھوئیک جس نے 'پَوَن دُوت' تصنیف کی اور گیت گووند کا نامور مصنف جے دیو خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں لکشمن سین خود بھی تھوڑا بہت شاعر تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے اپنے باپ کی شروع کی ہوئی 'اَدبھوت ساگر' کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

---

[1] اس تعداد کی صحت سے قطع نظر، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ بختیار نے سینوں کی راجدھانی پر ست قلیل فوج کے ساتھ حملہ کیا۔ ۱۱۱۹ء والے سمبت کا بانی لکشمن سین نہیں تھا۔ اس کے نام سے یہ سمبت بعد میں منسوب کر دیا گیا۔ نیز ملاحظہ ہو "لکشمن سین کا سمبت" سر آشوتوش مکرجی سلور جبلی رالیوم، جلد ۳، اورنٹیلیا، صا۔ صہ

فصل (۴)

کلنگ اور اُوڈر[1]

وسعت

کلنگ کے حدود ہمیشہ گھٹتے بڑھتے رہے ہیں۔ اندازاً کلنگ گوداوری اور مہاندی کے درمیان والے ساحلی علاقے سے مطابقت رکھتا تھا۔ اکثر اسے اوڈر سے علیحدہ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن ایسے اشارے موجود ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ وسیع معنوں میں قریب قریب تمام موجودہ اڑیسہ کے صوبے کا نام کلنگ تھا۔

ناکافی معلومات

زیرِ غور دور میں ہندوستان کے اس حصۂ ملک کی تاریخ انتہائی تاریکی میں ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس وقت کوئی مضبوط مرکزی طاقت موجود نہیں تھی اور دوسری یہ تھی کہ سلسلہ وار تاریخ کی ترتیب غیر یقینی ہے۔ کلنگ اور اوڈر پر جن خاندانوں نے مختلف نشیب و فراز کے ساتھ حکومت کی ان میں بھونیشور کے کیشری[2] اور کلنگ نگر (ضلع گنجم میں کلنگ پٹن یا مکھ لنگم؟) کے مشرقی گنگ سب سے اہم تھے۔

کیشریوں کے فنی کارنامے

بدقسمتی سے کیشریوں کے مستند سیاسی حالات ہمیں زیادہ نہیں معلوم۔ وہ شیومت کے سچے پیرو تھے۔ بھونیشور میں بہت سے عالی شان مندر تعمیر کرکے انھوں نے اپنے عہد کو زندہ جاوید بنا دیا۔[3] انسانی، حیوانی اور نباتی زندگی کے نقش و نگار کی افراط ان مندروں کی

---

[1] آر۔ ڈی۔ بنرجی۔ ہسٹری آف اڑیسہ؛ بی۔ سی۔ مزمدار۔ اڑیسہ ان دی میکنگ ڈبلیو۔ ڈبلیو۔ ہنٹر۔ اڑیسہ (لندن ۱۸۷۲)

[2] ایچ۔ سی۔ رے ڈائنسٹک ہسٹری آف نارتھ انڈیا، اول، باب ساتواں، ص ۳۹۱، ۴۶۳

[3] ان کا نشان شیر تھا۔

امتیازی خصوصیت ہے" لنگ راج کا عظیم الشان مندر (تقریباً گیارھویں صدی) جو فی الحقیقت سنگتراشی اور نقاشی کا ایک نادر شاہ کار ہے، آج بھی ان کی شان و شوکت کی یاد تازہ کر رہا ہے دنیا میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے[۱] اس کا مینار اونچا اور نوکدار ہے، جس کے پہلو چوٹی کو چھوڑ کر، اوپر سے نیچے تک عمودی ہیں پیش دہلیز کی مخروطی چھت قدیم مندروں کے مقابلے میں زیادہ اونچی ہے۔ لیکن ستون آج بھی غائب ہیں۔ اس مقام پر یہ کہنا غالباً بے محل نہ ہوگا کہ اڑیسہ کا طرزِ تعمیر کچھ امتیازی خصوصیات کا حامل ہے۔ ہر مندر میں ایک وِمان (مینار والا مٹھ)، جگ موہن (دیوانِ عام)، نٹ منڈپ (ناچ گھر)، اور بھوگ منڈپ (رسوئی) ضرور ہوتے تھے۔ آخرالذکر دو کا اضافہ بعد کی بات ہے۔ بہرحال اونچا کلس (شکھر) اور سنگ تراشی کی افراط اڑیسہ کے مندروں کی نمایاں خصوصیت ہے۔

مشرقی گنگ[۲]

مشرقی گنگوں نے کلنگ میں اپنی حکومت آٹھویں صدی عیسوی کے اوائل میں قائم کی، اصلاً وہ کولاہل (کولر) سے تعلق رکھتے تھے اور اس طرح میسور کے گنگوں کی ایک شاخ تھے قدیم گنگوں کے متعلق ہمیں مشکل ہی سے کوئی بات معلوم ہے جن کے زمانے میں کلنگ نے بیرونی حملوں کے کئی جھٹکے برداشت کئے۔ مثال کے طور پر آٹھویں صدی کے وسط میں آسام کے شری ہرش نے کلنگ اور اوڈر کو فتح کیا؛ اور نویں صدی میں مشرقی چالوکیہ راجہ وجے آدتیہ (۸۴۴ء - ۸۸۸ء) نے اسے تاخت و تاراج کیا۔ بہرحال گیارھویں صدی کے ربع آخر کے قریب آننت ورمن چوڑ گنگا کے عہد حکومت میں گنگ خاندان معراج کمال پر پہنچ گیا۔ آننت ورمن کا نام چوڑ گنگا اس لیے پڑا کہ وہ راجہ راج کی چول بیوی راج سندری کے بطن سے پیدا ہوا تھا جو راجیندر چوڑ کی بیٹی تھی۔ چوڑ گنگا نے ۷۰ سال حکومت کی۔ اس کے دورِ حکومت کی صدیں جو معلوم ہیں ۹۹۹ - ۱۰۶۹ شک سمبت مطابق ۱۰۷۷-۱۱۴۷ء

---

[۱] ملاحظہ ہو آر۔ ایل۔ مترز دی اینٹی کوئیٹز آف اڑیسہ؛ ایم۔ ایم۔ گنگولی اڑیسہ اینڈ ہر ریمنس۔

[۲] ملاحظہ ہو ایم۔ ایم چکرورتی، "اڑیسہ کے مشرقی گنگ راجاؤں کی سلسلہ وار تاریخ" جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۱۹۰۳ء، صـ۹۵ تا صـ۱۴۵

ہیں۔ روایات پُوری کے مشہور مندر کی تعمیر اسی سے منسوب کرتی ہیں۔ اس نے اپنی ریاست کی حدود میں بھی کافی اضافہ کیا۔ اس نے اُتکل کے راجہ کو شکست دی، اور "گوداوری اور گنگا کے تمام علاقے سے خراج وصول کیا" آننت ورمن کا وینگی کے حکمراں سے بھی تصادم ہوا، لیکن وہ سین خاندان کے معاصر وجے سین کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتا تھا۔[1] اس کے باوجود وجے سین نے اپنے جانشین کے لڑکے کا مدنو یا رگھو کے عہد میں کلنگ پر حملہ کر دیا۔ اس کے بعد لکشمن سین نے اُسے لوٹا کھسوٹا۔ تیرھویں صدی کے اوائل میں مسلمانوں نے شرقی گنگوں کو پریشان کرنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں کی تباہ کاریوں کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ "جاج نگر" یا اڑیسہ آخرکار سولھویں صدی میں مسلمانوں کے قبضے میں چلا گیا۔

فصل (۵)

تری پوری کے کلَ چوُری

ان کا سلسلۂ نسب

کہتے ہیں کہ کلَ چوُری یا کٹ چوُری کارت وِیریہ آرجن کی اولاد تھے۔ اس طرح وہ عظیم ھَے ھَییہ نسل کی ایک شاخ تھے جو رزمیہ نظموں اور پرانوں کی روایات کے مطابق وادیٔ نرمدا میں حکومت کرتی تھی اور ماہشمتی یا مَان دھاتا ان کی راجدھانی تھی۔

کوکلّ اوّل

کلَ چوُریوں[2] نے کوکلّ اول کے عہد میں شہرت حاصل کی۔ اس نے ڈہال، یعنی

---

[1] اگر رام پال کی اس شیخی میں کوئی اصلیت ہے تو چوڑ گنگا نے یقیناً اس کا لوہا مانا۔

[2] بعض مقامات پر انھیں چیدی کہا گیا ہے کیوں کہ ان کی حکومت چیدی دیس میں تھی۔ چیدی خاندان کی تاریخ کے لیے ملاحظہ ہو ہیرالال کی "تری پوری کے کل چوری"، اینلس آف دی بھنڈارکر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۲۷، صفحہ ۲۸۰۔ صفحہ ۳۴۵؛ آر۔ ڈی۔ بینرجی "تری پوری کے ھے ھیے اور ان کے آثار قدیمہ"، میموائرس آرکیالاجیکل سروے آف انڈیا، نیشنل (۱۹۳۱)؛ ماجندر سنگھ "تری پوری کا اتہاس" (دہلی)؛ ایچ۔ سی۔ رے، "ڈائنسٹک ہسٹری آف نارتھ انڈیا" دوسرا، بارھواں باب، صفحہ ۷۳۸۔ صفحہ ۸۲۰۔

علاقہ جبل پور میں تری پوری (موجودہ تیوار) کے مقام پر ایک ریاست کی بنیاد ڈالی۔ نویں صدی کے آخری دہوں میں اور دسویں صدی کے اوائل میں اس کی حکومت پورے عروج پر تھی۔ اس کے ازدواجی رشتوں اور سیاسی سرگرمیوں نے خاندان کی عظمت کو دوبالا کر دیا۔ اس نے نٹا دیوی نامی ایک چندیل راجکماری سے شادی کی، اور اپنی لڑکی کو کرشن دوم (تقریباً ۸۷۵ء - ۹۱۱ء) کے ساتھ بیاہ دیا۔ کتبوں[1] سے ہمیں مزید معلوم ہوتا ہے کہ کوکل اول کے راشٹرکوٹ داماد اور غالباً وینگی کے چالوکیہ حکمراں وجے آدتیہ سوم کے درمیان لڑائی چھڑی تو کوکل نے اپنے داماد کی حمایت کی اور اُسے مدد پہنچائی[2]۔ اسی طرح جب اس کے سوتیلے بھائی مہی پال اور راجہ بھوج کے درمیان، جسے بھوج دوم کے مماثل قرار دیا گیا ہے، پرتی ہار تخت کے لیے جھگڑا ہوا تو اس نے راجہ بھوج کی حمایت کی[3]۔ کوکل کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس نے "تمام روئے زمین کو فتح کر لیا تھا" اور اپنے بہت سے معاصر راجاؤں کے خزانوں کو لوٹ لیا تھا لیکن اس قسم کی شیخیوں کا کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

گانگیہ دیو

کوکل اول کے ورثا میں گانگیہ دیو تک ہمیں کوئی اہم بات نہیں ملتی۔ گانگیہ دیو کی تاریخ ۱۰۱۹ء سے ۱۰۴۱ء تک کوئی بھی ہو سکتی ہیں۔ اس نے "وکرما دتیہ" کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ ایک چندیل کتبے میں جو مہوبا سے دریافت ہوا ہے، اسے "فاتح عالم" کہا گیا ہے[4]۔ حالاں کہ یہ مبالغہ ہے لیکن اس خیال کے لیے کافی گنجائش ہے کہ اس نے کیر دلیس یا وادی کانگڑہ تک تمام شمالی ہندوستان کو تاخت و تاراج کیا اور پرتی ہاروں کے زوال کے بعد پریاگ (الہ آباد) اور وارانسی (بنارس) کو اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ تاریخ السبکتگین کا مصنف البیہقی

۱۔ بلہری کے کتبے سے موازنہ کریں۔ ایپی گرافیہ انڈیکا، اول، ص۲۵۶، ص۲۶۴، اشلوک ۱۷؛ بنارس کی تانبے کی تختی؛ ژمان، ایضاً، دوم، ص۳۰۰، ص۳۰۶، اشلوک ۔

۲۔ میموائرس آف آرکیلاجیکل سروے آف انڈیا، نمبر ۲۳ - (۱۹۳۶)، ص۴

۳۔ ہسٹری آف قنوج، ص۲۵۵، ص۲۵۶

۴۔ ایپی گرافیہ انڈیکا، اول، ص۲۹، ص۲۲۲، سطر ۱۴

وضاحت کے ساتھ تائید کرتا ہے کہ جس وقت پنجاب کے گورنر احمد نیالتگین نے مسعود اول (تقریباً ۱۰۳۱ - ۱۰۴۰ء) کے زمانے میں ۴۲۴ھ مطابق ۱۰۳۳ء میں حملہ کیا تو بنارس گنگ دگانگیہ) کے قبضے میں تھا[1] مزید برآں، سنسکرت زبان میں رامائین کے ایک نیپالی نسخہ کے تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ گانگیہ نے ۱۰۷۶ وکرمی مطابق ۱۰۱۹ء سے کچھ پہلے تیر بھکتی (ترہُت) پر قبضہ کر لیا تھا[2] ایک اور کتبے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اُتکل (اڑیسہ) اور کنتل (کناڑی علاقہ) کو بھی تسخیر کر لیا تھا[3] جب بھوج پرمار کی طاقت کو عروج ہوا اور بھوج نے گانگیہ دیو پر فتح پائی تو گانگیہ دیو کی حکومت گہن میں آگئی۔

لکشمی کرن

گانگیہ دیو کا فرزند و جانشین، لکشمی کرن یا کرن، کل چوری حکمرانوں میں سب سے زیادہ بااثر اور طاقت ور راجہ تھا۔ اس کے طویل دورِ حکومت میں (۱۰۴۱ - ۱۰۷۲ء) شمالی ہند پر زیادہ تر اسی کا اقتدار رہا، اور اس نے اپنے حدودِ سلطنت کو کافی وسعت دے دی۔ اس کی حکومت بنارس میں تسلیم کی جاتی تھی جہاں اس نے شیو کا عالی شان مندر تعمیر کرایا جسے کرن میرُو کہتے تھے[4] ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی فوجیں شمال و مغرب میں کافی دور کیر دیس (کانگڑا) تک بھی پہنچ گئی تھیں۔ چناں چہ کرن نے اپنے باپ کی طرح یقیناً شمال میں خوب غارت گری کی اور شمال کی پرتی ہار ریاست میں جو منتشر ہو چکی تھی، اپنا اثر قائم کیا۔ یہ بات اہم ہے کہ بسہی کی تختی میں گاہڑ والوں کے عروج سے پہلے "دھرتی کے دکھ" کے سلسلے میں بھوج کے ساتھ اس کا نام بھی مندرج ہے[5] کرن نے اپنے چندیل معاصر کو بھی شکست دی جسے وجے پال

---

[1] ایلیٹ، ہسٹری آف انڈیا، دوسرا، ص۱۳۳، ص۱۲۴

[2] ڈائنسٹک ہسٹری نارتھ انڈیا، جلد ۲، ص۱۲۴

[3] موازنہ کریں گوبردا کی تختیوں سے، ایپی گرافیہ انڈیکا، گیارھواں، ص۱۴۳، اشلوک ۱۷

[4] ایپی گرافیہ انڈیکا، دوسرا، ص۳، ص۵، اشلوک ۱۲۔ کرن نے تمکا پوری کے قریب اپنی راجدھانی کرن وتی بنائی (موجودہ کرن بیل)

[5] انڈین اینٹی کوئریز، اٹھارھواں، ص۲۱۴، سطر ۱۱

[6] ایضاً، چودھواں، ص۱۴۳، سطر ۳

یا دیو ورمن کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ مشرق میں کل چوری حکمراں نے بنیہ پال اور اس کے لڑکے وگرہ پال سوم سے جنگ کی لیکن اس مقابلے میں معلوم ہوتا ہے وگرہ پال کا پلہ بھاری رہا۔ اس کے بعد کرن نے گجرات کے بھیم اول چالوکیہ (تقریباً ۱۰۲۲ - ۱۰۶۴ء) کی مدد سے دھارا کے بھوج پرمار کو شکست فاش دی۔ چوڑ، کلنگ، پانڈیہ وغیرہ کے راجہ سب اس کا لوہا مانتے تھے۔ لیکن آخر عمر میں کرن کو ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑا۔ بھیم اول نے اس سے دوستانہ تعلقات منقطع کر لیے اور اُسے زک پہنچائی۔ اُدے آدتیہ کے زمانے میں مالوہ بھی خود مختار ہو گیا۔ کرن کو چالوکیہ سومیشور اول آہو ملّ (تقریباً ۱۰۴۲ - ۱۰۶۸ء) اور کیرتی ورمن چندیل کے ہاتھوں بھی ہزیمتیں اٹھانی پڑیں۔

کرن کے جانشین

لکشمی کرن غالباً آخر عمر میں جب حکومت کا بوجھ سنبھالنے سے معذور ہو گیا تو اپنے بیٹے یشہ کرن کے حق میں جو ہون نسل کی آول دیوی کے بطن سے تھا، تخت و تاج سے دست بردار ہو گیا۔ اس کا عہد تقریباً ۱۰۷۳ سے ۱۱۲۰ء تک رہا۔ کہتے ہیں کہ اس نے چمپارنیہ (ضلع چمپارن) کو تاخت و تاراج کیا اور آندھر کے حکمراں کو جسے بجا طور پر وینگی کے مشرقی چالوکیہ وجے آدتیہ ہفتم (تقریباً ۱۰۶۰ - ۱۰۷۶ء) کے مماثل قرار دیا گیا ہے "بڑی آسانی سے نیست و نابود کر دیا۔" یشہ کرن خاندان کے زوال کی رفتار کو بہر حال نہ روک سکا۔ لکشم دیو پرمار نے کل چوریوں کی راج دھانی تری پوری پر اچانک دھاوا کر کے ان سے بھر پور انتقام لے لیا۔ شمال میں گاہڑوالوں نے کانیہ کبج اور بنارس میں اپنی حکومت قائم کر لی[۱] اور چیدیوں کو نقصان پہنچا کر اپنی طاقت کو بڑھایا۔ اسی طرح یشہ کرن کے بیٹے اور جانشین گیا کرن کے عہد میں چندیل مدن ورمن (تقریباً ۱۱۲۸-۱۱۶۴ء) نے کئی فوجی کامیابیاں حاصل کیں اور جنوبی کوشل میں کل چوریوں کی رتن پور والی شاخ خود مختار ہو گئی۔ گیا کرن کے جانشین سب کمزور اور بودے تھے۔ ان کے زمانے میں تری پوری کا کل چوری خاندان ہمیشہ کے لیے گوشۂ گمنامی میں چلا گیا۔

۱۔ ڈائنسٹک ہسٹری آف نارتھ انڈیا، دوسرا، ص۱۹۱، ص۱۹۲

فصل (۶)

جیجاک بھکتی (بندیلکھنڈ) کے چندیل

اصل

چندیلوں کی اصل اب تک ایک سربستہ راز بنی ہوئی ہے۔ ایک حکایت یہ ہے کہ چندیل چاند (چندما) اور ایک برہمن دوشیزہ کے وصل کا نتیجہ ہیں۔ یہ سب خرافات ہے اور خاندان کو شرافتِ نسبی سے متصف کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے۔ بہرحال ونسنٹ اسمتھ کی رائے ہے کہ چندیل دیسی قبیلوں بھر یا گونڈ کی اولاد ہیں اور ان کا اصل مسکن ریاست چھترپور میں دریائے کین کے کنارے منیا گڑھ نامی مقام تھا۔[۱]

حکومت کی ابتدا

نویں صدی کے اوائل میں چندیلوں نے ننک نامی سردار کی قیادت میں جنوبی بندیلکھنڈ میں شہرت حاصل کی۔ اس کے پوتے کا نام جیجا یا جے شکتی تھا۔ اسی کے نام پر ریاست کا نام جیجاک بھکتی پڑ گیا۔ روایات نیز لوحی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ خاندان کے پہلے چند سردار قنوج کے عظیم پرتی ہار راجاؤں کے جاگیردار کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن ہرش دیو چندیل نے اپنے بھائی یا سوتیلے بھائی بھوج دوم کے مقابلے میں مہی پال (کشتی پال) کو راج گدی پر بٹھا کر خاندان کی عظمت و طاقت کو دوبالا کر دیا۔ یشوورمن کے عہد میں چندیلوں نے یک گونہ آزادی حاصل کر لی اور اپنی پڑوسی ریاستوں چیدی، مالو اور کوشل وغیرہ کو زک پہنچا کر اپنی قوت کو بڑھایا۔ کھجراہو میں پائے گئے ایک کتبے کے مطابق یشوورمن[۲] گرجروں

---

[۱] ونسنٹ اسمتھ "تاریخ بندیلکھنڈ پر مقالات"، جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۸۸۱، جلد اول، حصہ اول، ص ۱ تا ۵۔ "بندیلکھنڈ کے چندیل (چندیل) خاندان کی تاریخ اور سکے"، انڈین اینٹی کوئریز، ۳۷ (۱۹۰۸)، ص ۱۳۱ تا ۱۴۸؛ ایچ۔ سی۔ رے، ڈائنسٹک ہسٹری آف ناردرن انڈیا، دسواں باب، گیارہ، ص ۲۳۵، ص ۲۳۶۔

[۲] انڈین اینٹی کوئریز، ۳۷ (۱۹۰۸)، ص [illegible]، ص [illegible]۔

کے لیے جلانے والی آگ ثابت ہوا[4]، نیز یہ کہ اس نے "کالنجر کا قلعہ، جو پرتی ہاروں کا ایک مضبوط گڑھ تھا، بڑی آسانی سے فتح کر لیا[1]" کہتے ہیں کہ اس نے دیوپال پرتی ہار کو وکنٹھ (وشنو) کی ایک نامی گرامی مورتی اس کے حوالے کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس مورتی کو یشوورمن نے کھجوراہو کی ایک شان دار خانقاہ میں نصب کرا دیا[2]۔

دھنگ

تعجب کی بات یہ ہے کہ یشوورمن کا بیٹا اور جانشین دھنگ (تقریباً ۹۵۰ - ۱۰۰۲ء) ۱۰۱۱ وکرمی مطابق ۹۵۴ء میں پرتی ہار راجہ (وِنایک پال دوم) کا نام لے کر اپنے حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے دہائی دیتا ہے[3]۔ اس لیے جاننا چاہیے کہ دکن کے نظام یا اودھ کے نوابوں کی طرح، جو فی الحقیقت خود مختار تھے لیکن دہلی کے شہنشاہ مغلیہ کی فرماں روائی برائے نام تسلیم کرتے تھے، چندیل راجہ نے بھی قنوج کے کمزور راجہ کی حکومت سے سیاسی تعلقات یکسر منقطع نہیں کر لیے، بلکہ کچھ عرصہ ظاہر داری کے لیے اس کی اطاعت قبول کیے رہا۔ دھنگ کا دورِ حکومت ریاست جیجاک بھکتی کے لیے خوش حالی اور فارغ البالی کا دور ثابت ہوا۔ ایک کتبے سے جو ننوؤرسے دریافت ہوا ہے، پتہ چلتا ہے کہ دھنگ نے "کانیہ کبج کے راجہ کو شکست دینے کے بعد اقتدارِ اعلیٰ حاصل کر لیا[4]۔" چندیلوں کی کامیابی کی تصدیق کھجوراہو کی ایک لوح سے ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ دھنگ ساری زمین پر حکومت کرتا تھا جسے اس نے "کھیل کے طور پر اپنی فوجی قوت سے کالنجر تک اور بھاس وت تک، جو دریائے مالو کے کنارے پر واقع تھا، اور یہاں سے دریائے کالندی (جمنا) کے کنارے تک، اور یہاں سے چیدی دیس کی سرحد تک، بلکہ اس سے بھی آگے اس پہاڑ تک جو عجائبات کا مسکن ہے، تمام[5]

---

1. ایپی گرافیہ انڈیکا، اول، ص ۱۲۲، اشلوک ۲۳، ص ۱۳۳، اشلوک ۳۱
2. ایضاً، ص ۱۳۴، اشلوک ۴۳
3. ایپی گرافیہ انڈیکا، اول، ص ۱۳۵
4. ایضاً، ص ۱۹۷، ص ۲۰۳، اشلوک ۳۔
5. ایپی گرافیہ انڈیکا، ص ۱۳۲، ص ۱۴۳، اشلوک ۴۵۔ یہ عبارت اس لیے اہم ہے کہ اس سے دھنگ کی سلطنت کے حدود ظاہر ہوتی ہیں۔

ملک حاصل کر لیا۔[1] پرتی ہاروں کے ہاتھ سے گوالیار کے نکل جانے سے ان کی قوت کو سخت نقصان پہنچا، کیوں کہ چندیلوں کے قبضے میں فوجی اہمیت کا ایک ایسا مقام آگیا جسے وہ اپنی آئندہ پیش قدمیوں کے لیے بہ آسانی محاذ کے طور پر استعمال کر سکتے تھے۔ دراصل عین ممکن ہے کہ اپنے عہد کے اواخر میں دھنگ نے بنارس پر فوج کشی کی ہو، کیوں کہ وہاں سے اس نے ۱۰۵۵ وکرمی، مطابق ۹۹۸ء میں ایک گاؤں برہمنوں کو دان کیا۔[2] ۹۸۹ یا ۹۹۰ء میں جب شاہی راجہ جے پال نے ممتاز ہندو ریاستوں کو سبکتگین کے مقابلے کے لیے دعوت دی تو دوسرے راجاؤں کے ساتھ دھنگ بھی سپاہ اور روپیہ پیسہ کے ساتھ بروقت اس کی مدد کے لیے پہنچ گیا اور متحدہ افواج کو جو نقصان پہنچا اس میں برابر کا شریک رہا۔

گنڈ

اسی طرح دھنگ کا بیٹا گنڈ اس ایتلاف میں شریک ہوا جو شاہی راجہ آنند پال نے ۱۰۰۸ء میں محمود کے حملے کو دفع کرنے کے لیے ترتیب دیا تھا۔ لیکن ہندوؤں کے کچھ کام نہ آیا اور سلطان نے ان کی افواج کو بری طرح شکست دی۔ اس کے بعد گنڈ نے اپنے ولی عہد ودیا دھر کی سرکردگی میں ایک مہم قنوج کے راجیہ پال کو سزا دینے کے لیے بھیجی جس نے ۱۰۱۸ء میں بڑی بزدلی کے ساتھ محمود کی اطاعت قبول کرلی۔ پرتی ہار راجہ کو قتل کر دیا گیا۔ لیکن جب یہ خبر غزنی پہنچی تو سلطان اتنا غضب ناک ہوا کہ نند (گنڈ)[3] کی اس گستاخی کا جواب دینے کے لیے اس نے فوج کو فوراً کوچ کا حکم دے دیا۔ ۴۱۰ھ مطابق ۱۰۱۹ء میں دونوں حریف ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے۔ بہرحال عین وقت پر مسلم لشکر کی دلیری اور طاقت نے چندیل راجہ کے چھکے چھڑا دیے اور رات کی تاریکی میں وہ "اپنے تھوڑے سے سازوسامان کے ساتھ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا"[4] ۴۱۳ھ مطابق ۱۰۲۲ء میں محمود نے چندیل

---

[2] انڈین اینٹی کوئریز، سولھواں، صفحہ ۲۰۳۔ صفحہ ۲۰۴

[3] اس کے برخلاف ڈاکٹر ایچ۔ سی۔ رے کی رائے ہے کہ بید (ودیادھر) نے گنڈ کو غلطی سے نند پڑھ لیا گیا ہے (ڈائنسٹک ہسٹری آف ناردرن انڈیا، جلد اول، صفحہ ۶۰۶)

[4] ایلیٹ، ہسٹری آف انڈیا، جلد ۲، صفحہ ۴۶۴

علاقوں پر ایک بار پھر فوج کشی کی۔ ۱۰۲۳ء میں گوالیار پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے کالنجر کا محاصرہ کر لیا۔ ننّد یا گنّڈ نے بڑی بزدلی کے ساتھ حملہ آور کی پھر اطاعت قبول کر لی۔ محمود نے مفتوحہ قلعے اُسے واپس کر دیے اور کثیر مالِ غنیمت کے ساتھ وطن واپس لوٹ گیا۔

کیرتی ورمن

اگلا ممتاز فردِ خاندان کیرتی ورمن تھا۔ اس نے چندیل طاقت کا احیا کیا جو کل چوری راجاؤں گانگیہ دیو اور لکشمی کرن کی فوجی سرگرمیوں کے باعث اس کے آبا و اجداد کے زمانے میں گہن میں آ گئی تھی۔ ابتدا میں کیرتی ورمن کو لکشمی کرن نے شکست دی۔ لیکن کتبوں سے نیز پربودھ چندرودیہ پر کرشن مشر کے پیش لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ چندیل حکمراں کو نتیجہ میں اپنے زبردست چیدی حریف کے مقابلے میں فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی۔ واضح رہے کہ پربودھ چندرودیہ ایک مجازی تمثیل ہے جو وشنو کے اعزاز اور ویدانت فلسفے کی توصیف میں لکھی گئی ہے۔

مدن ورمن

ایک اور قابلِ ذکر شخصیت مدن ورمن کی تھی جس کی پہلی تاریخ جو ہمیں معلوم ہوئی ہے ۱۱۲۹ء ہے اور آخری ۱۱۶۳ء ہے۔ اس نے "گُرجر کے راجہ" کو شکست دی جسے گجرات کے سدھ راج جے سنگھ (تقریباً ۱۰۹۵ - ۱۱۴۳ء) کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ مہو سے دریافت کیا گیا ایک کتبہ مزید تصدیق کرتا ہے کہ مدن ورمن نے چیدی حکمراں (غالباً گانگیہ کرن) پر قابو پا لیا، اپنے پرمار معاصر یعنی مالوے کے حکمراں کا استیصال کیا؛ اور "کاشی کے راجہ" کو جو غالباً وجے چند گاہڑوال کے مماثل ہے، مجبور کیا کہ وہ اس کے ساتھ "اپنا وقت دوستانہ طریقے سے گزارے"۔

پرمار دی

پرمار دی یا مقبول عوام روایات کا پرمل، آخری چندیل راجہ تھا جس نے ممتاز مقام حاصل

له ایپی گرافیا انڈیکا، اول، ص ۱۹۵، ص ۲۰۳

کیا۔ اس نے تقریباً ۱۱۶۵ء سے ۱۲۰۳ء تک حکومت کی۔ ہمیں مدن پور کے کتبے[۱] سے نیز چاند کی سماسوئے سے، معلوم ہوتا ہے کہ اُسے پرتھوی راج چوہان کے ہاتھوں، جو مہوبہ اور بندیلکھنڈ کے دوسرے قلعوں پر قابض تھا ۱۱۸۲ - ۱۱۸۳ء میں ہزیمت اٹھانی پڑی۔ لیکن پرمار دی مکمل تباہی سے بچ گیا اور بعد میں اس نے کھوئے ہوئے علاقے پھر حاصل کر لیے۔ ۵۹۹ھ مطابق ۱۲۰۳ء میں کالنجر کے محاصرے کے دوران اس نے قطب الدین ایبک کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ یہ دیکھ کر کہ دشمن کا پلہ بھاری ہے، پرمار دی نے ہتھیار ڈال دیے۔ لیکن مقررہ شرائط پوری کرنے سے پہلے اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے وزیر اَج دیو نے دفاع کا سلسلہ جاری رکھا، لیکن بہت جلد اس نے بھی ہتھیار ڈال دیے۔ اس کے بعد قطب الدین نے مہوبہ فتح کیا اور مفتوحہ علاقے کا انتظام اپنے مسلمان گورنر کے سپرد کر دیا۔ اس طرح چندیل خاندان ذلیل و خوار ہو گیا، حالاں کہ چھوٹے چھوٹے سرداروں کی حیثیت میں اس کے افراد کا وجود سولھویں صدی تک باقی رہا۔

چندیلوں کے شہر اور جھیلیں

چندیل ریاست میں تین شہر بہت اہم تھے — کھجوراہو، کالنجر اور مہوبہ۔ وِنسنٹ اسمتھ کہتا ہے کہ "پہلے شہر میں عظیم الشان مندر بھرے ہوئے تھے اس لیے اُسے مذہبی مرکز کی، دوسرے میں مضبوط قلعے تھے اس لیے اسے فوجی چھاؤنی کی اور تیسرے میں راج محل تھا اس لیے اُسے راجدھانی کی حیثیت حاصل تھی[۲]۔" چندیل راجاؤں نے بندیلکھنڈ کو خوب آراستہ کیا اور اس کی رونق بڑھا دی۔ انھوں نے بے شمار عالی شان مذہبی عمارتیں تعمیر کرائیں اور کافی تعداد میں جھیلوں پر بند لگوائے اور پشتے بنوائے۔ ان میں سے ایک مَدن ساگر تھا جس کی بنیاد مَدن ورمن نے مہوبہ میں رکھی تھی۔

فصل (۷)

مالوہ کے پرمار[۳]

پرمار کون تھے؟

روایت میں ہے کہ پرمار (جنھیں بعض اوقات پُرمُر یا پووآر بھی کہا جاتا ہے) مشہور ہیرو

(اس صفحے کے فٹ نوٹ اگلے صفحے پر دیکھیے)

پرمار کی اولاد تھے جسے وششٹھ نے اپنی ارزانی کی گائے نندنی کو وشوامتر سے بچانے کے لیے آبو پہاڑ پر اپنے اگنی کنڈ سے خلق کیا تھا۔ آگ (اگنی کل) کے اس افسانوی استنباط کا ایک ممکن مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ پرتی ہاروں اور دوسرے قبائل کی طرح پرمار بھی غیر ملکی اصل رکھتے تھے اور اگنی کی رسمیں ادا کرنے کے بعد وہ بھی اس قابل ہو گئے کہ انھیں ہندو ذات پات میں داخل کر لیا گیا۔ لیکن حال ہی میں ایک کتبہ کی بنیاد پر جو ہرسول (ضلع احمد آباد[۴]) سے برآمد ہوا ہے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ "پرمار راشٹر کوٹ نسل کے لوگ تھے"، نیز یہ کہ ان کا تعلق دکن سے تھا۔ جو "کسی زمانے میں راشٹر کوٹ راجاؤں کا مسکونہ و مقبوضہ علاقہ تھا"۔[۵]

حکومت ابتدائی منزل میں

کسی دوسرے مقام پر ہم اس موضوع پر روشنی ڈال چکے ہیں کہ کانیہ کبج کی فتح سے پہلے، پرتی ہاروں کا صدر مقام اجینی (اجین) تھا۔ یہ علاقہ درحقیقت پرتی ہاروں اور ان کے دیرینہ دشمن مانیہ کھیٹ (مل کھید) کے راشٹر کوٹوں کے درمیان متنازعہ فیہ مسئلہ تھا۔ راشٹر کوٹوں نے اس علاقے کو دھرووّ، برزوپم، گووند سوم، اندر سوم، اور کرشن سوم کے شمالی حملوں کے درمیان فتح کر لیا تھا۔ بہرحال مستقل طور پر اجین پر قبضہ ان میں سے کوئی قائم نہ کر سکا۔ کیوں کہ ایسے شواہد ہمارے پاس موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ پرتی ہار راجہ — ناگ بھٹ دوم، مہر بھوج، مہیندر پال اول، بھی پال، اور مہیندر پال دوم کم از کم اپنی زندگی میں اس پر ضرور قبضہ رکھتے تھے۔ بہرنیج پرتاپ گڑھ کا کتبہ[۶] واضح طور پر ہمیں بتاتا ہے کہ ان میں سے آخر الذکر راجہ نے

(پچھلے صفحے کے فٹ نوٹ) [۱] پراگرس رپورٹ آف ارکیالوجیکل سروے آف انڈیا ۱۹۰۳ - ۱۹۰۴، ص۵۵

[۲] انڈین اینٹی کویٹیز اسپیتیش (۱۹۰۸) ص۱۳۲

[۳] ملاحظہ ہو سی.ای. لوئرڈ اور کے کے لیلی، پرمارس آف دھار اینڈ مالوہ (بمبئی ۱۹۰۸)؛ ڈی.سی. گنگولی ہسٹری آف دی پرمار ڈائنسٹی (ڈھاکا ۱۹۳۳)؛ ایچ.سی. رے ڈائنیسٹک ہسٹری آف نادرمن انڈیا، دوسرا، باب چودھواں، ص۸۴۳ ص۹۳۲ (نوٹ صفحہ ہذا)

[۴] ایپی گرافیہ انڈیکا، انیسواں، ص۲۳۶، ص۲۴۷

[۵] ڈی.سی. گنگولی ہسٹری آف دی پرمار ڈائنسٹی (ڈھاکا ۱۹۳۳)، ص۹

[۶] ایپی گرافیہ انڈیکا، چودھواں، ص۱۷۶ - ص۱۸۷

۱۰۰۳ وکرمی مطابق ۹۴۶ء میں اپنے "سب سے بڑے جاگیردار راجہ اور گورنر" کو اجین میں تعینات کیا تھا۔ اور ایک دوسرا افسر شری شرمن منڈپکا (مانڈو) میں حکومت کا کام انجام دے رہا تھا۔ اس طرح پرمار خاندان کا بانی اُپیندر یا کرشن راج اور اس کا جانشین پرتی ہاروں یا راشٹرکوٹوں کے، اس وقت باجگذار رہ چکے تھے جب انھوں نے یکے بعد دیگرے مالوہ (قدیم اونتی) میں اقتدار حاصل کیا۔ ان میں پہلی اہم شخصیت سی یک ہرش کی تھی جس کے دورِ حکومت کی حدیں، جو ہمیں معلوم ہو سکی ہیں، ۱۰۰۵ وکرمی مطابق ۹۴۹ء اور ۱۰۲۹ وکرمی مطابق ۹۷۲ء ہیں۔ یہ پرتی ہار بادشاہت کے انحطاط کا دور تھا۔ سی یک ہرش نے اپنی طاقت بڑھانے کے لیے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ لیکن سی یک ہرش کے عروج سے اس کا راشٹرکوٹ معاصر بالکل بے تعلق نہیں رہ سکتا تھا، اس لیے دونوں کے درمیان جنگ ناگزیر ہو گئی۔ اُدے پور کے کتبے کے مطابق سی یک ہرش نے "جنگ میں کھوٹگ کی دولت چھین لی"[۱] کھوٹگ کو اسی نام کے راشٹرکوٹ راجہ (تقریباً ۹۴۰-۹۵۵ء) کے مماثل قرار دیا گیا ہے، جو کرشن سوم (تقریباً ۹۴۰-۹۵۵ء) کے بعد گدی پر بیٹھا۔ ڈاکٹر بیوہکر نے مزید ثابت کیا ہے کہ مانیہ کھیٹ کی غارت گری کی تائید ایک پراکرت تصنیف دھن پال کی پائیہ لچھی سے ہوتی ہے[۲] دوسری قابلِ ذکر فتح سی یک ہرش کو ایک سردار کے مقابلے میں حاصل ہوئی جو ہون نسل سے تعلق رکھتا تھا۔

واک پتی منج

سی یک ہرش کے بعد اس کا نامور فرزند واک پتی عرف منج گدی پر بیٹھا، جسے اُت پل راج، شری ولبھ، یا امو گھ ورش وغیرہ ناموں سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ آخری دو نام راشٹرکوٹوں کے امتیازی لقب تھے۔ اس کی سب سے پہلی تاریخ جو ہمیں معلوم ہے وہ ۱۰۳۱ وکرمی، مطابق ۹۷۴ء ہے۔ اس لیے ہم بجا طور پر اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ وہ ایک سال پہلے تخت نشین ہوا۔ وہ ایک بہادر سپاہی تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے تری پوری کے کلچوری

---

[۱] ایضاً، اول، ص ۲۳۵، ص ۲۳۶ شلوک

[۲] ایضاً، ص ۲۳۶

حکمراں یوُراآج دوم پر فتح پائی۔ اس کے علاوہ اُدے پور کی لوحی شہادت سے مزید ثابت ہوتا ہے کہ واک پتی منج نے لاٹوں، کرناٹوں، چولوں اور کیرلوں سے اپنا لوہا منوالیا۔[1] دوسرے حکمراں خاندانوں سے بھی اس کی ٹکر ہوئی۔ لیکن اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے چالوکیہ تیلپ دوم کو کم از کم چھ بار شکست دی۔ میرُتنگ کہتا ہے کہ ساتویں مہم میں وہ اپنے وزرا کے معقول مشورے کو نظرانداز کرکے آگے بڑھتا چلا گیا اور گوداوری کو پار کرکے چالوکیہ ریاست میں داخل ہوگیا جہاں اُسے مصیبت میں مبتلا ہونا پڑا۔ اسے قید کرلیا گیا اور بعد ازاں تہ تیغ کردیا گیا۔ ڈاکٹر ایچ۔ سی۔ رے کی رائے ہے کہ یہ سانحہ جس کی تائید چالوکیہ کتبوں سے ہوتی ہے یقیناً ۱۰۵۰ وکرمی مطابق ۹۹۳-۹۹۴ء (جو واک پتی منج کی آخری مستند تاریخ ہے) اور ۹۱۹ شک سمبت مطابق ۹۹۷-۹۹۸ء (جو تیلپ دوم کی موت کی تاریخ ہے) کے درمیان میں پیش آیا۔[2] واک پتی منج نے زمانۂ امن کے فنون کو بھی نظرانداز نہیں کیا۔ اس نے بہت سی مصنوعی جھیلیں بنوائیں، جن میں سے ایک یعنی منج ساگر کے باعث جو بمقام دھر (دھارا) واقع ہے، اس کا نام آج تک باقی ہے۔ اس نے اپنی سلطنت کے خاص خاص شہروں میں عالی شان مندر بھی تعمیر کرائے۔ ہمیں مزید معلوم ہوتا ہے کہ وہ اعلیٰ درجے کا شاعر بھی تھا اور عالموں کی بڑی فیاضی کے ساتھ سرپرستی کرتا تھا۔ پدم گپت، دھننجے، جس نے دش روپ لکھی دش رو پاؤلوک کا مصنف دھنک، بھٹ ہلا یدھ[3] اور دیگر نامور ہستیاں اس کے دربار کی زینت تھیں۔

سندھوراج

بعض جین تصانیف مثلاً میروتنگ کی پربندھ چنتامنی، ظاہر کرتی ہیں کہ واک پتی منج کے فوراً بعد بھوج گدی پر بیٹھا، لیکن لوحی شہادت کے مطابق، جو زیادہ معتبر ہے ان دونوں کے درمیان میں بھوج کے چھوٹے بھائی سندھول، یعنی سندھوراج یا نوساہ سانک

---

[1] ایضاً اشلوک - ۱۴

[2] ڈائنیسٹک ہسٹری آف ناردرن انڈیا، جلد دوم، صفحہ ۸۴۹ تا ۸۵۵

[3] ابھی دھان رتن مالا اور چرت من جیتی کا مصنف

نے حکومت کی۔ اس کے کارناموں کو پدم گپت نے اپنی نوَساہَسانک چرِت میں غیر فانی بنا دیا ہے۔ نوَساہسانک چرِت تصدیق کرتی ہے کہ سندھوراج کو ہون راجہ اکوشل یا دکشِنا کوشل کے (یعنی تمتان کے کل چوری) راجہ، لاٹ کے چالوکیہ راجہ، اور دوسرے پڑوسی راجاؤں کے مقابلے میں فوجی کامیابیاں نصیب ہوئیں۔

بھوج[1]

سندھوراج کے مختصر دورِ حکومت کے بعد اس کا لڑکا بھوج، راجہ ہوا۔ پرمار حکمرانوں میں یہ سب سے زیادہ نمایاں اور ہمہ گیر شخصیت کا مالک تھا۔ اس نے اپنی راجدھانی دھارا کی رونق کو دوبالا کر دیا۔ وہ ایک کامیاب سپاہی بھی تھا اور ایک چابک دست مدبر بھی۔ یہ دونوں صلاحیتیں اس میں بیک وقت موجود تھیں جو بہت کم لوگوں میں بہم ہوتی ہیں اس لیے ہندوستان کے بیشتر حصہ میں اس کا اثر قبول کیا جاتا تھا۔ ایک کتبے میں اُسے سارو بھوم (شہنشاہ) کا لقب دیا گیا ہے۔ اُدے پور کی پرشستی (لوح) ظاہر کرتی ہے کہ وہ کیلاش سے مالیہ پہاڑ تک زمین پر قبضہ رکھتا تھا۔[2] حقیقت میں دیکھا جائے تو یہ مبالغہ ہے؛ لیکن اس کا کافی ثبوت ہمارے پاس موجود ہے کہ بھوج نے بڑے بڑے علاقے فتح کیے، اور اپنی عالی حوصلگی کی وجہ سے وہ معاصر ریاستوں کے ساتھ مسلسل جنگ میں مصروف رہا۔ غالباً سب سے پہلے اس نے اپنی توجہ کرناٹوں، یعنی کلیانی کے چالوکیوں کی طرف مبذول کی جن سے وہ واک پتی منج کے قتل کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ بھوج نے اپنے جنوبی حریف جسے وکرمادتیہ پنجم (جلوس ۱۰۰۸ء)[3] کے مماثل بتایا گیا ہے، بڑی آسانی سے شکست دے دی اور قتل کر دیا۔ پرمار راجہ نے تمام دکن کی دفاعی قیادت حاصل کرنے کے لیے جو کوشش ۹۴۱ شک سمبت مطابق ۱۰۱۹ء سے کچھ پہلے، یعنی اس وقت کی جب چالوکیہ جے سنگھ (تقریباً ۱۰۱۶ – ۱۰۴۲ء) نے مالوٗ کی

---

[1] پروفیسر پی۔ٹی۔ایس۔ آئنگر، بھوج راج (مدراس ۱۹۳۱)؛ بی۔ این۔ ریو، راجا بھوج (ہندی میں: الہ آباد ۱۹۳۲)

[2] اپی گرافیہ انڈیکا، اول، ص ۲۳۷، ص ۲۳۵

[3] سر آر۔ جی۔ بھنڈارکر نے وکرمادتیہ کہنا زیادہ پسند کرتے ہیں (ارلی ہسٹری آف دی دکن (۱۹۲۸)، ص ۱۴۰، حاشیہ – ۱۵۔ اس کے برخلاف دوسرے عالموں کا خیال ہے کہ بھوج نے چالوکیہ ریاست پر جے سنگھ دوم کے زمانے میں حملہ کیا (ہسٹری آف دی پرمارس ڈائنسٹی، ص ۹۰، ص ۹۱)

متحدہ ریاستوں" کو "نیچا دکھایا" (یا "مار بھگایا") وہ بہرحال ناکام ہو گئی۔[1] مزید برآں بھوج کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس نے چیدی کے راجہ یعنی تری پوری کے گانگیہ دیو اور دوسرے سرداروں اِندرَرتھ اور توگل کو جن کی شناخت نہیں ہو سکی ہے، شکست دی۔ اس کے علاوہ بسہی کی تختی[2] سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے شمال میں بھی غارت گری کی اور کچھ مدت تک کانیہ کُبج کے علاقے پر اس کا قبضہ بھی رہا۔ اس نے تُرشکوں یعنی شمالی ہند کے مسلمان قزاقوں پر بھی فتح پائی، لیکن وِدیا دھر چندیل اور گوالیار کے کچھپ گھاٹ راجہ، کیرتی راج سے جو اس کی جھڑپیں ہوئیں اُن سے اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ آخر میں، بھوج، لاٹ (جنوبی گجرات) کے راجہ، جو ایک دوسرے کیرتی راج کے مماثل ہے[3] اور گجرات کے بھیم اول (تقریباً ۱۰۲۲ء - ۱۰۶۴ء) پر حاوی ہو گیا۔ ان تمام معرکوں کے باوجود اس کا انجام بخیر نہیں ہوا۔ مسلسل جنگ و جدال نے اس کا خزانہ خالی کر دیا۔ اس کے علاوہ، چالوکیہ سومیشور اول آہو مل (تقریباً ۱۰۴۲ء - ۱۰۶۸ء) کے ہاتھوں اُسے بڑی شرمناک ہزیمت اٹھانی پڑی۔ سومیشور نے مالوہ اور اس کے دارالسلطنت کو تاخت و تاراج کیا اور بھوج کو میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ بہرحال بھوج نے بہت جلد واپس آ کر اپنے مقبوضات پھر حاصل کر لیے۔ تھوڑے عرصے بعد بھوج کے جین سپہ سالار کُل چندر نے اَنہل واڑہ کے راجہ کی عدم موجودگی میں اَنہل واڑہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت اَنہل واڑہ کا راجہ مسلمانوں کے خلاف مہم پر گیا ہوا تھا۔ چناں چہ بھیم اول نے کل چوری راجہ لکشمی کرن کے ساتھ ایتلاف قائم کیا اور دونوں راجاؤں کی متحدہ فوجوں نے دو طرف سے پرمار ریاست پر بڑی شدومد کے ساتھ حملہ کیا۔ جنگ کے دوران بھوج کا انتقال ہو گیا۔ میروتنگ کے بیان کے مطابق بھوج نے "پچپن سال، سات ماہ اور تین دن" حکومت کی۔ اس کی موت نے حالات متحدہ طاقتوں کے حق میں سازگار کر دیے۔ انھوں نے دھارا کی راجدھانی پر قبضہ کر لیا اور مالوہ کو خوب تاخت و تاراج کیا۔

معلوم ہوتا ہے بھوج نے سیف و قلم کے یکساں جوہر دکھائے۔ ایک کتبے میں اُسے کوی راج

---

[1] انڈین اینٹی کوئریز، پانچواں، ص۱۱

[2] ایضاً، چودھواں، ص۱۰۱، سطر ۳-۴

[3] یہ کیرتی راج گوگی راج چالوکیہ کا لڑکا تھا۔

کہا گیا ہے، اور تقریباً دو درجن کتابوں کا نام نہاد مصنف اُسے ٹھہرایا گیا ہے۔ یہ کتابیں مختلف موضوعات پر ہیں، مثلاً طب، ہیئت، مذہب، قواعد، فنِ تعمیر، النکاح (شعریات) فرہنگ نویسی اور فنونِ لطیفہ وغیرہ۔ اس مقام پر ہم ان میں سے چند کا ذکر کرتے ہیں:۔ آیوروید سَروَسْوَ، سَماجَ رِمِری کَانَک، وِیُوَھادَ سَمُچیہ، شَبدَ انُوشاسَن، سَمَرانگَن سوتر دھار، سَرَسْوَتی کَنتھا بھرَن، نام مَالِکا، یُکتی کَل پترُو، وغیرہ۔ یہ بات بہرحال مشتبہ ہے کہ اس قدر مسلسل فوجی سرگرمیوں کے درمیان بھوج نے اتنی کتابیں خود تصنیف کرنے کے لیے کیسے وقت نکالا۔ اس لیے اس کا قوی امکان ہے کہ ان میں سے بعض تصانیف جو اس سے منسوب کی گئی ہیں وہ اصلاً اس کے درباری متوسلین کی ہیں۔ مزید برآں بھوج نے علم و فضل کی بڑی فیاضی کے ساتھ سرپرستی کی۔ اس نے دھارا میں ایک مدرسہ قائم کیا جہاں دور دور سے طالبِ علم اپنی ذہنی پیاس بجھانے جمع ہوتے تھے۔ پتھر کی سلوں پر جو دیواروں میں جڑی ہوئی دستیاب ہوئی ہیں بڑی اہم تحریریں کندہ ہیں۔ اس کے تعمیر کردہ "بھوج شالہ" کو جسے عوام اب بھی اسی نام سے جانتے ہیں مالوہ کے مسلمان حکمرانوں نے مسجد میں تبدیل کر دیا تھا۔

بھوج شیومت کا سچا پیرو تھا۔ وہ عمارتیں بنوانے کا بھی شوقین تھا۔ اُدے پور کا کتبہ ہمیں بتاتا ہے کہ اس نے ملک کو بے شمار عالی شان مندروں سے آراستہ کیا[1] دھارا کے شہر کی اس نے توسیع کی اور موجودہ بھوپال کے جنوب میں بھوج پور کا شہر آباد کیا۔ اسی کے قریب ایک لمبی چوڑی جھیل اس کے حکم سے تعمیر ہوئی۔ بھوج کے انجینئروں کی یہ شاندار یادگار پندرھویں صدی کے اوائل یعنی اُس وقت تک باقی رہی جب مانڈو کے شاہ حسین نے اس کی بنیادوں سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے جھیل کے پشتوں کو مسمار کرا ڈالا۔

خاندان کی تاریخ مابعد

بھیم اول اور لکشمی کرن کا اتحاد زیادہ دنوں باقی نہیں رہا کیوں کہ ایسے شواہد موجود ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ ان میں مالِ غنیمت کی تقسیم پر آپس میں اختلاف ہو گیا۔ جے سنگھ نے

---

[1] ایپی گرافیہ انڈیکا، اول، ص ۲۳۸، اشلوک ۲۰

موقع سے فائدہ اٹھایا اور خاندان کے دیرینہ دشمن سومیشور اول چالوکیہ سے امداد طلب کی۔ چناں چہ سیاسی توازن قائم کرنے کے لیے سومیشور اول نے مالوہ کو فاتح فوج سے پاک کیا اور پرمار گدّی پر جے سنگھ کو بٹھا دیا۔ نئے حکمراں کا دور بہت مختصر رہا۔ اس کے دور کی ابتدائی تاریخ جو ہمیں معلوم ہے ۱۱۱۲ وکرمی، مطابق ۱۰۵۵ء اور آخری تاریخ ۱۱۱۶ وکرمی، مطابق ۱۰۵۹ء ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس کی ان ریشہ دوانیوں سے اُسے کچھ حاصل نہیں ہوا، بلکہ الٹا کرناٹکوں اور گجرات کے چالوکیوں سے وہ بڑی خوں ریز جنگ میں الجھ گیا۔ جے سنگھ کے جانشین اُدیا دِتیہ (۱۰۵۹ - ۱۰۸۸ء) نے جسے بھوج کا بَندھو' (رشتہ دار) بتایا گیا ہے[1]، اپنے خاندان کے بگڑے ہوئے حالات کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ اس نے کرن کو شکست دی جسے عام طور پر کل چوری لکشمی کرن کے مماثل کہا جاتا ہے، لیکن ڈاکٹر گنگولی نے اسے بھیم اول کے اسی نام کے ایک بیٹے (تقریباً ۱۰۶۴ - ۱۰۹۴ء) کے مماثل قرار دیا ہے۔ عظمت کی اس ہلکی سی رمق کے بعد پرماروں کی اہمیت اور اثر رفتہ رفتہ بالکل زائل ہو گیا۔ بارھویں صدی میں انحطاط کی رفتار پے در پے کمزور جانشینوں کے دور میں بدستور جاری رہی۔ ان کے مقامی تنازعات اور معمولی رقابتوں سے عام قاری کو کوئی دل چسپی نہیں ہو سکتی۔ عالی حوصلہ حملہ آور بار بار مالوہ کی رعایا کو آزار پہنچا رہے تھے، یہاں تک کہ ۱۳۰۵ء میں علاء الدین خلجی کے ایک سپہ سالار عین الملک کے حملے نے، جو فتوحات کرتا ہوا مانڈو، اجین، دھارا اور دوسرے شہروں کی طرف بڑھتا چلا گیا، ہندو حکومت کا بالکل خاتمہ کر دیا۔

فصل (۸)

انھل[2] واڑہ کا چالوکیہ خاندان

بانیٔ خاندان کا نسب اور حالاتِ زندگی اُنھل واڑہ یا انھل پاٹک کے چالوکیہ (سولانکی)

---

[1] قیاس ہے کہ مادّے آدتیہ پرمار خاندان کی کسی نئی شاخ سے تعلق رکھتا تھا۔ اودے پور (ایپی گرافیہ انڈیکا، اول، ص ۲۳۳۔ ص ۲۳۶) اور ناگپور (ایضاً دوسرا، ص ۱۸۰۔ ص ۱۸۵) کے کتبوں کے مطابق وہ بھوج کا پہلا جانشین تھا۔

[2] ہسٹری آف دی پرمار ڈائنیسٹی، ص ۱۲۷، ص ۳۳۔

[3] بمبئی گزیٹیر ۱۸۹۶، جلد اول ودوم؛ ٹاڈ کی اینلس اینڈ اینٹی کوئیٹیز آف راجستھان، شایع کردہ کروک، بیلی ہسٹری آف گجرات (لندن ۱۸۶۶)؛ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد ۳؛ ایچ۔ سی۔ رے ڈائنیسٹک ہسٹری آف ناردرن انڈیا، دوسرا، پندرھواں باب ص ۹۳۲ تا ۱۰۲۵۔

خاندان کا بانی مؤل راج تھا۔ بدقسمتی سے ہماری موجودہ معلومات ناقص ہے اور ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ مؤل راج کے خاندان کا دکن کے قدیم چالکیوں سے کیا تعلق تھا، جن کی اصل اور تاریخ پر اگلے باب میں روشنی ڈالی جائے گی۔ اور نہ ہمارے پاس اس کا کوئی ثبوت ہے کہ مؤل راج سوراشٹر (کاٹھیاواڑ) کے چالوکیہ سرداروں کی اولاد تھا، جن کا ذکر اُنا کے فرمانوں میں آیا ہے۔ ان میں سے ایک پر گپت ولبھی سن ۵۷۴، مطابق ۸۹۳ء اور دوسرے پر وکرمی سن ۹۵۶ مطابق ۸۹۹ء پڑا ہوا ہے اور مہیندر پال پرتی ہاروں کے جاگیرداروں کی حیثیت سے ان کا نام آیا ہے[1] گجرات کی تاریخیں بہرحال یہ بتاتی ہیں کہ مؤل راج کے باپ کا نام راجی تھا اور وہ قنوج میں کلیان کٹک[2] کے راجہ کا بیٹا تھا۔ نیز یہ کہ اس کی ماں چاوڑ یا چاپوت کٹ خاندان سے تعلق رکھتی تھی جو چالوکیوں کے عروج سے پہلے گجرات کے ایک حصہ پر حکومت کرتا تھا۔ ان روایات کی جو کچھ بھی اہمیت ہو، یہ بات طے ہے کہ مؤل راج پستی اور گمنامی سے یکلخت ابھر کر عروج پانے والے جانبازوں میں نہیں تھا بلکہ عالی نسب اور شریف النسل تھا۔ اس کی تائید کتبوں سے ہوتی ہے جن میں اس کے باپ کو "مہاراجہ دھراج" کہا گیا ہے۔ مؤل راج کی تخت نشینی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے ماموں کو قتل کیا اور اس کے بعد چاپوت کٹ گدی پر قبضہ کیا۔ یہ واقعہ یقیناً[3] ۹۹۸ وکرمی، مطابق ۹۴۱ء میں پیش آیا۔ سانبھر کی لوح[4] سے اس کے عہد کی یہ پہلی تاریخ ہمیں معلوم ہوتی ہے۔ بعض عالموں نے میروتنگ کی وچارشرینی کی بنیاد پر ۹۶۱ء جو تجویز کی ہے وہ غلط ہے[5] اپنی فوجی طاقت سے سارسوتی منڈل حاصل کرنے کے بعد اس نے فتوحات کی زندگی کا آغاز کیا۔[5]

---

[1] ایپی گرافیہ انڈیکا، نواں، صا۔صا

[2] کلیان کٹک کی شناخت ابھی تک اطمینان بخش طور پر نہیں کی جا سکی ہے

[3] انڈین اینٹی کویٹیز ۱۹۲۹ء، ص۲۳۵، ص۲۳۶۔ اشلوک ۸۔ اس سے موازنہ کریں۔

वसुनन्दनिधौवर्षे व्यतीते विक्रमार्कत:
मूलदेवनरेशस्तु चुडामणिरभूद्भुवि ।

[4] بمبئی گزیٹیر، جلد اول، حصہ اول، ص۱۵۶

[5] انڈین اینٹی کویٹیز، چھٹا، ص۱۹۱، سطر ۶-۷۔

اس نے کچھ (کچھ) کے لکھ (لکش راج) کو شکست دی اور قتل کیا، اور سوراشٹر میں وامنسٹھلی (موجودہ ونتھلی) کے چوڑا سمہ سردار گرہ ریپو کو قید کیا۔ مول راج نے لاٹ (جنوبی گجرات) کے حکمران بارپ، شاکمبھری کے راجہ وگرہ راج چاہمان اور دوسرے چھوٹے چھوٹے حریفوں پر چڑھائیاں کیں۔ مول راج شیومت کا سچا پیرو تھا۔ اس نے اپنی عمر کے آخری سال مذہبی خدمات انجام دینے میں صرف کیے۔ اس نے مندر تعمیر کرائے اور برہمنوں سے اعزاز واحترام کے ساتھ پیش آیا۔ تانبے کی تختی پر ایک فرمان کندہ ہے جس میں اس کے عہد کی آخری تاریخ ۱۰۵۱ وکرمی، مطابق ۹۹۴ - ۹۹۵ء مندرج ہے۔ اس طرح ہم بجا طور پر قیاس کر سکتے ہیں کہ اس کا انتقال ایک دو سال بعد ہوا۔

بھیم اول

اگلی اہم شخصیت بھیم اول کی تھی جو مول راج کے بیٹے ورلبھ راج کا بھتیجا تھا۔ بھیم نے تقریباً ۱۰۲۱ء سے ۱۰۶۳ء تک ۴۲ سال حکومت کی۔ ۴۱۶ھ مطابق ۱۰۲۵ء میں محمود کی کبھی سیر نہ ہونے والی ہوس نے ریاست کی بنیادیں ہلا دیں۔ محمود نے سومناتھ کے مشہور مندر کو جس میں برسوں کی جمع کی ہوئی لاتعداد دولت کا خزانہ بھرا ہوا تھا، لوٹنے کی غرض سے ریگستانِ سندھ کو پار کیا۔ حملہ آور پہلے انہل واڑہ کے شہر پناہ پر پہنچا، لیکن بھیم اول اس درجہ خوف زدہ تھا کہ اس نے مقاومت کی بجائے فرار میں عافیت سمجھی۔ اس کے بعد محمود سومنات (سومناتھ) کی طرف بڑھا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ دن بھر کے سخت مقابلے کے بعد، شہر والوں نے ہتھیار ڈال دیے اور بیچارے پراگندہ و پریشان ادھر ادھر جان بچانے کے لیے بھاگے۔ ہندوؤں کی بڑی تعداد کا اس نے قتل عام کیا، مندر کو لوٹا کھسوٹا، اس کی بے حرمتی کی، اور اس کے بعد محمود کثیر مالِ غنیمت اور شکستہ بت کے ساتھ کامیاب و کامران غزنی واپس لوٹا جہاں اس بت کو مسجد کی سیڑھیوں پر دروازہ میں نصب کر دیا گیا۔

سلطان کے واپس چلے جانے کے بعد بھیم اول نے راجدھانی پر پھر قبضہ کر لیا اور چالوکیہ حکومت کا احیا کیا۔ اس نے آبو کے پرمار سردار کو تسخیر کیا، لیکن جب وہ شمالی سندھ میں مہم پر گیا ہوا تھا تو بھوج پرمار کے سپہ سالار کل چندر نے انہل واڑہ پر حملہ کر دیا۔ اس پر بھیم اول اس قدر برہم ہوا کہ اس نے لکشمن کرن کل چوری کے ساتھ اتحاد قائم کیا اور کہتے ہیں کہ دونوں

کی متحدہ فوجوں نے مالوہ کو مکمل طور پر تباہ و برباد کر دیا۔ جنگ کے دوران ہی میں بھوج کا انتقال ہو گیا اور اس کے مرنے کے کچھ عرصے بعد یہ اتحاد بھی ختم ہو گیا۔ اس کے بعد حلیفوں میں جنگ چھڑ گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لکشمی کرن کو بھیم اول کے مقابلے میں ہزیمت اٹھانی پڑی۔ پر ماروں نے اس لڑائی سے فائدہ اٹھایا اور مالوہ کو خارجی اقتدار سے آزاد کرا دیا۔

کرن

بھیم اول کے بعد اس کا لڑکا کرن گدی پر بیٹھا۔ باوجودیکہ اس نے طویل دور پایا (تقریباً ۱۰۶۴ - ۱۰۹۴ء) لیکن وہ کوئی ٹھوس کام انجام نہ دے سکا۔ اس عہد میں پرماروں کی حکومت ایک بار پھر ڈانوا ڈول ہو گئی کیوں کہ اڈیادتیہ کو کرن پر ایک فتح نصیب ہوئی، اور یہ وہی چالوکیہ اڈیادتیہ ہے جس کا ذکر ہم گزشتہ صفحات میں کسی دوسرے مقام پر کر آئے ہیں[1] اس نے متعدد مندر تعمیر کرائے تالاب کھدوائے اور اپنے نام پر ایک شہر کی بنیاد رکھی جس کی نمائندگی آج موجودہ احمد آباد کر رہا ہے۔

جے سنگھ سدھ راج

کرن کا جانشین اس کا لڑکا جے سنگھ سدھ راج ہوا جو میرنل دیوی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ انہل واڑہ کے حکمرانوں میں یہ سب سے ممتاز نظر آتا ہے۔ اس نے لگ بھگ نصف صدی تقریباً ۱۰۹۵ - ۱۱۴۳ء تک حکومت کی۔ راجہ کی کم سنی کی وجہ سے ابتدا میں حکومت کے کام کی دیکھ بھال بڑی قابلیت اور سوجھ بوجھ کے ساتھ راج ماتا نے کی۔ جب جے سنگھ بالغ ہو گیا تو اس نے پڑوسی ریاستوں کو فتح کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس نے ندول (ریاست جودھپور) اور سوراشٹر کے چوڑآسما سردار کو شکست دی اور سوراشٹر کو اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ بعد ازاں، جے سنگھ پرمار راجاؤں — نروورمن اور یشوورمن کے ساتھ طویل عرصے تک جنگ و جدال میں مصروف رہا۔ نتیجہ میں دھارا والوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ تسخیر مالوہ کی یادگار قائم کرنے کے لیے فاتح نے "اونتی ناتھ" کا لقب اختیار کر لیا۔ لیکن بندیلکھنڈ کے مدن ورمن کے خلاف اس کی مہم ناکام ہو گئی۔ حقیقتاً معلوم ہوتا ہے کہ اس کشمکش کا انجام چندیل حکمراں کے حق میں مفید

---

[1] جو کرن مغلوب ہوا اسے عام طور پر لکشمی کرن کلچوری کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔

ثابت ہوا۔ پربندھ چنتامنی کی سند کے مطابق جے سنگھ " ڈاہل کے راجہ " (یعنی تری پوری کے کلچوری حکمراں) اور " کاشی کے راجہ " غالباً گووند چندر کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتا تھا۔ اپنے باپ کی طرح جے سنگھ نے اپنی ریاست میں متعدد مذہبی ریاستیں تعمیر کرائیں۔ مزید برآں اس نے علم وفن کی سرپرستی کی۔ متضاد مذہبی عقاید میں رواداری کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے وہ مختلف فرقوں کے درمیان مباحثے منعقد کرواتا جس میں لوگ آزادی سے حصّہ لیتے تھے۔ وہ خود غالباً شیومت کو مانتا تھا، لیکن اس کے باوجود اس نے اپنے دربار میں ایک نامور جین آچاریہ ہیم چندر کو عزت کا مقام دے رکھا تھا۔

کمار پال[1]

جے سنگھ کی کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی اس لیے اس کے مرنے کے بعد راج گدی اس کے ایک دور کے رشتہ دار کمار پال کو ملی تخت نشینی کے وقت مخالفت پر قابو پانے کے بعد اس نے فوجی مہموں کا سلسلہ بڑی سرگرمی کے ساتھ شروع کر دیا۔ اس نے سامبھری کے چاہ مان راجہ ارنوراج پر حملہ کیا اور اس کے لشکر کو شکستِ فاش دی۔ کمار پال نے آبو کے پرمار راجہ کی بغاوت کو بھی فرو کیا جس نے اس کی ابتدائی مشکلات کے زمانے میں علم بغاوت بلند کر دیا تھا۔ کمار پال نے مالوہ میں چالوکیہ اقتدار از سرنو قائم کر دیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی فوجوں کا رُخ سوراشٹر کے ایک سردار کی طرف موڑ دیا اور کامیابی حاصل کی۔ لیکن اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے کونکن کے مَلّی کارجن کو شکست دی۔

کہتے ہیں کہ کمار پال نے سومناتھ کا مندر دوبارہ بنوایا اور حالاں کہ کتبوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شیومت کو مانتا تھا، لیکن جین تصانیف ظاہر کرتی ہیں کہ ہیم چندر کی فاضلانہ تشریحات کے بعد وہ جین معتقدات کو ماننے لگا تھا۔ غالباً جین اثرات ہی کے ماتحت کمار پال نے اپنی ریاست میں جانوروں کے ذبیحہ کو ممنوع قرار دینے کے لیے سخت احکامات نافذ کیے[2]۔ ہیم چندر کی فاضلانہ

---

[1] ملاحظہ ہو کمار پال چرت از جے سنگھ، شائع کردہ کشن تی وبے گنی (بمبئی، ۱۹۲۶)

[2] ملاحظہ ہو کمار پال پربدی بودھ از سوم پربھا چاریہ (گیکوار کا سلسلۂ مشرقیہ، نمبر۔۱۴) ؛ نیز مہاراج پراجیہ لاویشلی (گیکواڑ اورینٹل سیریز، نمبر۔۹)

کاوشوں نے اس کے عہد کو چار چاند لگا دیے۔ ہیم چندر نے مذہب اور دوسرے موضوعات پر کتابیں لکھ لکھ کر ڈھیر لگا دیا۔ کمار پال وکرم سمبت ۱۲۲۹، مطابق ۱۱۷۲ء سے کچھ ہی پہلے انتقال کر گیا کیوں کہ اس کے جانشین اجے پال کا یہ پہلا سن ہے جو ہمیں معلوم ہو سکا ہے۔

گجرات کی تاریخِ مابعد

گجرات کے بعد کے حکمرانوں کے بارے میں ہمارے پاس کارآمد مواد بہت کم ہے معمولی لڑائیوں اور درباری ریشہ دوانیوں کا سلسلہ بے شک جاری رہا لیکن ان کے نتائج زیادہ دور رس ثابت نہیں ہوئے۔ ۱۱۷۸ء میں بھیم دوم (بھولا بھیم) کی تخت نشینی کے بعد جس نے ساٹھ سال سے زیادہ حکومت کی گجرات کو مسلمانوں کے حملے کا سامنا کرنا پڑا جس کی قیادت غور کے سلطان نے کی۔ بھولا بھیم نے بڑے شدید مقابلے کے بعد سلطان کو پیچھے ہٹا دیا۔ اگلی کوشش قطب الدین نے ۵۹۳ھ مطابق ۱۱۹۷ء میں کی۔ انہل واڑہ پر قطب الدین کا قبضہ ہو گیا، لیکن یہ قبضہ، جیسا کہ آئندہ واقعات سے ظاہر ہوا، عارضی ثابت ہوا۔ اس کے علاوہ گجرات کو مالوہ کے راجہ کے اور دیوگری کے یادو حکمراں کے حملوں کی ٹکر جھیلنی پڑی۔ جب چالوکیوں کی قوت نے بالکل جواب دے دیا تو وگھیل خاندان نے، جو اپنے تئیں کمار پال کی بہن کی اولاد بتاتا تھا موقع سے خوب خوب فائدہ اٹھایا اور بہت جلد اہمیت حاصل کر لی کیوں کہ معلوم ہوتا ہے کہ لَون پرشاد جو بھولا بھیم کا وزیر اور جاگیر دار تھا، جنوبی گجرات میں خود مختار ہو گیا۔ رفتہ رفتہ وگھیلوں نے انہل واڑہ حاصل کر لیا اور پورے گجرات کو اپنے قبضے میں کر لیا[1]۔ ۱۲۹۷ء میں علاء الدین خلجی نے ایک مضبوط لشکر اپنے سپہ سالاروں الغ خاں اور نصرت خاں کی ماتحتی میں اس طرف بھیجا۔ اس کی آمد کی خبر سن کر کرن یا کرن دیو وگھیل پیٹھ دکھا کر راجدھانی سے بھاگ گیا اور حملہ آوروں نے اسے خوب لوٹا۔ انھوں نے بہت جلد دوسرے فوجی اہمیت کے مقامات بھی فتح کر لیے اور اس طرح گجرات میں ہندو حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

---

[1] دل وارا (آبو پہاڑ کے قریب) اور شترنجیہ کے سنگ مرمر کے مندر جن کی تعمیر دو بھائیوں — وستوپال اور تیجا پال نے وگھیل حکمرانوں میں سے کسی ایک کے دورِ حکومت میں کرائی اپنی خوب صورت منبت کاری اور نمونوں کے لیے مشہور ہیں۔ اس نمونہ کے معبدوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں ستون بکثرت ہیں جن پر بڑی افراط کے ساتھ منبت کاری کی گئی ہے، چھت کو جو سنگ مرمر کی ہے سہارا دینے کے لیے کہنیاں (بریکٹ) استعمال کی گئی ہیں اور اسے جالی آویزوں سے مزین کیا گیا ہے۔

حصہ چہارم

سترھواں باب

دکشنا پتھ کے خاندان

فصل (۱)

واتاپی (بادامی) کے چالکیہ

دکشنا پتھ کی وجہ تسمیہ

سنسکرت نام دکشنا پتھ یا دکشن کا جغرافیائی تصور جسے آج کل دکن کہا جاتا ہے، ہمیشہ یکساں نہیں رہا ہے۔ عہد قدیم میں نرمدا سے جنوب کے تمام جزیرہ نمائے ہند کے لیے یہ اصطلاح وسیع معنوں میں استعمال ہوتی تھی، جس طرح نرمدا سے شمال میں ہمالیہ اور وندھیا کے درمیانی علاقے کو مبہم انداز میں اُترپتھ کہا جاتا تھا۔ بہرحال، عام طور پر دکن اس پلیٹو کو کہتے ہیں جو نرمدا سے کرشنا تک پھیلا ہوا ہے۔ جس میں مغرب میں مہاراشٹر اور مشرق میں تلگو علاقے شامل ہیں۔

قدیم تاریخ

جنوبی ہندوستان ویدک آریوں کے لیے عرصۂ دراز تک اجنبی ملک کی حیثیت سے رہا

جس کی وجہ یہ ہوئی کہ درمیان میں وندھیا پہاڑ اور مہاکان تار کا وسیع و عریض بن حایل تھا، جنھیں پار کرنا انتہائی دشوار تھا۔ برہمنی عہد میں[1] بہرحال آریوں نے فتوحات کے خیال سے، یا پُر امن طریقے سے دراوڑ قبائل میں اپنا کلچر پھیلانے کی غرض سے، ان قدرتی رکاوٹوں کو عبور کیا۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وندھیا پار کے ملک کی تاریخ اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب آریہ گروہ در گروہ ہجرت کر کے جنوب کی طرف پہنچنے لگے، لیکن دکن کی تہذیب کی امتیازی خصوصیات کی بنیادیں قرونِ اولیٰ ہی میں رکھی جا چکی تھیں۔ بدقسمتی سے ہمیں ایسا مواد دستیاب نہیں ہوتا جس سے معلوم ہو سکے کہ آریہ تہذیب دکن میں کب اور کیوں کر پھیلی۔ رزمیہ روایات بتاتی ہیں کہ مشہور اگستیہ مُنی پہلا شخص تھا جس نے آریائی مذہب، زبان اور کلچر پھیلانے کے لیے وندھیا کے اس پار ایک بستی بسائی۔ اس کے بعد فاتحین، مہاجرین اور مبلغین (رشیوں) کی آمد کا تانتا بندھ گیا جو مشرقی راستوں سے اور اونتی کے ذریعے وہاں پہنچتے رہے یہاں تک کہ کلنگ، ودربھ (برار)، دنڈکارنیہ (مہاراشٹر) بلکہ پورا جنوبی ہندوستان آریائی تہذیب کے بڑھتے ہوئے زور سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ یہ نتیجہ نکلتے نکلتے سینکڑوں برس کی مدت نکل گئی جس پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے، لیکن اس مقام پر قابلِ غور بات یہ ہے کہ پانینی کے جغرافیائی حدود میں، جس کی تاریخ ڈاکٹر بھنڈارکر نے تقریباً ۷۰۰ ق.م متعین کی ہے[2] صرف کلنگ شامل ہے اور قدیم بدھ مذہب کی تصنیف سوت نپات میں گوداوری کے جنوب میں باوارِیُ کے آشرم کا ذکر ہے۔ درآنحالیکہ پانینی کی قواعد کے شارح کاتیاین (تقریباً چوتھی صدی ق.م) نے اشمکٹ اور ناسکیہ (ناسک) کے علاوہ چوڑوں اور پانڈیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ علاوہ بریں، اشوک کے کتبوں سے واضح طور پر تصدیق ہوتی ہے کہ اس کی حکومت تیسری صدی ق.م کے وسط میں میسور کے چیتل درگ ضلع تک پھیلی ہوئی تھی اور چوڑوں، پانڈیوں، ستیہ پتروں اور کیرل پتروں کی ریاستیں جو جزیرہ نما کی

---

[1] یہ بات اہم ہے کہ ایتریہ براہمن (ساتواں، ۱۸؛ ارلی ہسٹری آف ڈکن ۱۹۲۸، ص۱) میں اندھروں، پنڈروں، سبروں، پلندوں اور مُتیبوں کا ذکر آتا ہے، جنھیں ویدی رشی وشوامتر کے بیٹوں کی اولاد ظاہر کیا گیا ہے۔

[2] ارلی ہسٹری آف دی ڈکن، تیسرا اڈیشن (۱۹۲۸) ص۱۶

آخری حد پر واقع تھیں، یہاں تک کہ تامرپرنی (لنکا) بھی اب اجنبی علاقے نہیں رہے تھے۔ شمالی اور جنوبی ہند کو علیحدہ کرنے والی حدِ فاصل کو مکمل طور پر عبور کیا جا چکا تھا، اور دونوں حصوں کے سیاسی اور سماجی رشتے استوار ہو گئے تھے۔ یہ واضح نہیں ہے کہ موریہ سلطنت کے زوال کے بعد اشوک کی سلطنت کے وندھیا پار کے علاقوں پر کیا گزری۔ لیکن جب پردہ پھر اٹھتا ہے تو اسٹیج پر ساتواہن نمودار ہوتے ہیں اور جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں دیکھ آئے ہیں، انھوں نے اپنی حکومت دکن کے بیشتر حصے پر نیز اس سے ملحقہ علاقوں میں قائم کر لی[1] کچھ عرصے کے لیے مہاراشٹر اور مالوہ میں شکوں نے ان کی طاقت کو نقصان پہنچایا۔ گوتمی پتر کے عہد میں ساتواہنوں نے اگلی سی شان وشوکت پھر حاصل کر لی، لیکن تیسری صدی عیسوی کے وسط میں ایک آبھیر سردار ایشور سین نے مہاراشٹر ان سے پھر چھین لیا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وسط ہند میں اور دکن کے کچھ حصوں پر واکاٹکوں کی حکومت رہی[2] دوسری طرف یہ کہ دکن کے مشرقی حصے میں ساتواہنوں کی جگہ اکش واکوؤں اور پلوؤں نے لے لی۔ یہاں چھوٹے چھوٹے خاندان سرسبز ہو رہے تھے — مثلاً کدوُر کے برہت پھلائین، وینگی پورا کے سالنکاین، اور بنڈو۔ لوُر (وینگی کے قریب ڈنڈولورو) کے وشنوکنڈن[3] چند خاص خاص کو چھوڑ کر باقی سب برائے نام ہی رہ گئے ہیں۔

دکن کی قدیم تاریخ کے اس سرسری جائزے کے بعد اب ہم چالکیہ خاندان کی تاریخ کے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

چالکیہ کون تھے؟

چالکیوں کی اصل[4] داستان کے کہر میں گم ہے۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ وہ ہریتی

---

1. ملاحظہ ہوں گزشتہ صفحات، باب دسواں، فصل (۳)
2. ایضاً، باب تیرھواں (فصل ۲)
3. ملاحظہ ہو کے۔ آر۔ سبرا منیم، بدھسٹ ریمینس اِن آندھرا اینڈ ہسٹری آف آندھرا بیٹوین ۲۲۵ اینڈ ۶۱۰ اے ڈی، باب ۷ تا ۱۰۔
4. نام کی دوسری شکلیں یہ ہیں — چالکیہ، چالیہ، چلکیہ اور سولانکی۔

کے گھوڑے سے ٹھیک اس وقت پیدا ہوئے جب وہ دیوتاؤں کی بھینٹ کے لیے اس میں سے پانی انڈیل رہا تھا۔ ایک دوسری روایت جس کا ذکر بلہن نے اپنی وکرمانک دیو چرت میں کیا ہے، یہ ہے کہ وہ اس سورما کی نسل سے تھے جسے برہما نے دنیا کو بے ایمانی اور دغابازی سے پاک کرنے کے لیے اپنی ہتھیلی سے پیدا کیا تھا۔ ہمیں مزید معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاندان اصلاً ایودھیا سے تعلق رکھتا تھا اور وہاں سے وہ بعد میں جنوب کی طرف چلا گیا۔ ان روایات میں سے اگر تخیلی عنصر نکال دیا جائے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ چالکیہ شمالی ہند کی کشتری نسل سے تعلق رکھتے تھے[1] نیز یہ کہ مشہور ہیرو ہرہیتی ان کا مورث تھا۔ ونسنٹ اسمتھ نے بہرحال اس استنباط کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ "چالکیہ یا سولانکی چاپوں سے تعلق رکھتے تھے جو ایک غیر ملکی قبیلہ تھا، اور اس جہت سے وہ غیر ملکی تھے اور عین ممکن ہے کہ وہ راجپوتانہ سے ہجرت کرکے دکن پہنچے ہوں[2]"۔ لیکن اس کا کوئی محکم ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے۔

ان کا عروج

جنوبی ہند میں چالکیہ حکومت کی ابتدا جے سنگھ اور اس کے لڑکے رن راگ کے زمانے میں بہت معمولی حالات میں ہوئی۔ رن راگ کا جانشین پلکیشن اول[3] قابلِ ذکر شخصیت کا مالک تھا۔ وہ چھٹی صدی کے وسط میں گدی پر بیٹھا[4] اس نے واتاپی (موجودہ بادامی ضلع بیجاپور) کو اپنی راجدھانی بنایا، اور اشومیدھ یا گھوڑے کی قربانی انجام دے کر باقاعدہ راجہ بن گیا۔ خاندان کا اگلا رکن کیرتی ورمن تھا۔ اس نے کونکن کے موریوں، نیز بن واسی (شمالی کنارا) کے کدمبوں اور نلوں کو جن کا مسکن اب تک غیر یقینی ہے شکست

---

[1] نیز ملاحظہ ہوں یوآن چوانگ کے نسخے (واٹرس، دوسرا ۲۳۹) جن میں پلکیشن دوم کو نسلاً کشتریہ ظاہر کیا گیا ہے

[2] ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن ص ۴۴۰

[3] جسے ستیا شریہ شری ولبھ بھی کہتے ہیں

[4] ایک کتبہ سے جو حال ہی میں بادامی کے پہاڑی قلعے سے دریافت ہوا ہے، ہمیں پلکیشن اول کا شک سن ۴۶۵ مطابق ۵۴۳ ء حاصل ہوا ہے۔ اس میں اسے ولبھ ایشور کہا گیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اشومیدھ یگیہ کیا۔ (دا لیڈر، ۱۹، جون ۱۹۴۱ء)

دی[1] بعض لوحی اسناد کے مطابق وہ اپنی افواج کو شمال میں بہار (مگدھ) اور ونگ (بنگال) تک، اور جنوب بعید میں چول اور پانڈیہ علاقوں تک لے گیا، لیکن چوں کہ دیگر شواہد سے اس بیان کی تصدیق نہیں ہوتی اس لیے یہ بات مشتبہ ہے کہ یہ کہیں حقائق پر مبنی ہیں۔ جب کیرتی ورمن کا انتقال[2] ہوا تو اس کے چھوٹے بھائی نے اپنے نابالغ بھتیجوں کو دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا اور خود گدی پر قبضہ کرلیا۔ اس مبہم دعوے سے قطع نظر کہ منگل راج یا منگلیش نے مشرقی یا مغربی سمندروں کے درمیانی علاقے کو تسخیر کر لیا تھا، کہتے ہیں کہ اس نے ریوتی دوپ (موجودہ ریڑی ضلع رتن گیری) کو حاصل کر لیا تھا اور شمالی دکن کے کلچوریوں پر بھی قابو پالیا تھا[3]۔ اسی زمانے میں ایک غار کے اندر وشنو کا شاندار مندر بادامی میں تعمیر کرایا گیا۔ منگل راج کی زندگی کے آخری ایام میں درباری ریشہ دوانیوں کے بادل چھائے رہے جن کا نتیجہ خانہ جنگی کی صورت میں برآمد ہوا۔ آخر کار اس کے بیٹے کو گدی پر بٹھانے کی تمام کوششیں ناکام ہوگئیں اور اپنے جوشیلے اور چابک دست بھتیجے سے مقابلے کے دوران اس نے داعیٔ اجل کو لبیک کہہ دیا۔

پلکیشن دوم

پلکیشن دوم کی تخت نشینی بے شک عمل میں آگئی لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں تھے کہ اس کی ابتدائی مشکلات بھی ختم ہوگئیں۔ گدی کے لیے کشمکش نے ریاست کو انتشار کے ایسے بھنور میں پھانس دیا کہ ان ریاستوں نے جنھوں نے سابقہ راجاؤں کے زمانے میں اطاعت قبول کرلی تھی، اپنی جارحانہ سرگرمیوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ پلکیشن دوم کے لیے

---

[1] فلیٹ کا خیال ہے کہ نل خاندان نل وادی (موجودہ بلاری اور کرنول کے اضلاع) میں حکومت کرتا تھا۔ لیکن حال ہی میں ان کا مسکن جنوبی کوشل اور ریاست بستر میں متعین کیا گیا ہے (جرنل آف نیومسمیٹک سوسائٹی آف انڈیا، جلد اول، ص۲۹)

[2] سر رام کرشن بھنڈارکر کی رائے میں کیرتی ورمن ۵۶۷ء میں تخت نشین ہوا اور تقریباً ۲۵ سال اس نے حکومت کی (ارلی ہسٹری آف دکن، ص۵۸، ص۵۹)

[3] اس خاندان کے دو مشہور راجہ شنکر گن اور بدھ راج ہوئے۔

کتبوں میں "پرمیشورسشری پرتھوی ولبھ ستّیا شریہ" کا لقب استعمال کیا گیا ہے۔ چناں چہ نئے حکمراں نے بڑی ہمت، عزم اور کامیابی کے ساتھ اس طوفان کا مقابلہ کیا اور خاندان میں عزت کا مقام حاصل کر لیا۔ اس نے پہلے بھیمرتی (بھیما) کے مادرا، اپا یک اور گووند[1] کے حملوں کو دفع کیا۔ کدمبوں کی راجدھانی وَن واسی (شمالی کنارا میں) کو تسخیر کیا اور گنگ واڑی موجودہ میسور کا حصہ) کے گنگوں[2] اور مالابار (؟) کے الوپوں کے دلوں پر ہیبت بٹھادی؛ اور "مغربی سمندروں کی شان" یعنی پوری پر قبضہ کرنے کے بعد شمالی کونکن کے موریوں کو زیر کیا اس کے بعد کہتے ہیں کہ جنوبی گجرات کے لاٹوں، مالوؤں اور بھرگوکچھ؟) کے گرجروں نے پلکیشن دوم کی اطاعت قبول کی۔ لیکن اس کا سب سے زیادہ جرأت آمیز کارنامہ یہ تھا کہ اس نے کانیہ کبج کے ہرش وردھن اعظم کو شکست دی[3] ہرش نے فوج کی سپہ سالاری خود کی، لیکن چالکیہ راجہ کی فوجی تدابیر کے مقابلے میں ہرش کی سپہ سالاری ناکام ثابت ہوئی۔ ان تمام فتوحات سے سرفراز ہونے کے بعد پلکیشن دوم، جیسا کہ ایہول گپھا کے کتبہ مورخہ ۵۵۶ شک سمبت، مطابق ۶۳۴ء میں مندرج ہے، تینوں مہاراشٹروں پر جس میں ۹۹ ہزار گاؤں شامل تھے، مسلمہ طور پر قابض و متصرف ہوگیا۔ اس کے علاوہ کوشل (مہاکوشل) اور کلنگ کے راجہ اس کی آمد کی خبر سن کر خوفزدہ رہنے لگے، اور پشٹ پور (موجودہ پٹھا پرم) کا قلعہ بغیر مقابلہ کے اُسے مل گیا۔ جب سلطنت کے حدود غیر معمولی طور پر بڑھ گئے تو پلکیشن دوم نے تقریباً ۶۱۵ء میں مشرقی علاقوں کا انتظام اپنے چھوٹے بھائی کبج وشنو وردھن وشم سدھی کے سپرد کر دیا۔ آخر الذکر نے اپنے زیر انتظام علاقوں میں فتوحات کے ذریعہ کچھ اور اضافے

---

[1] ان کی شناخت غیر معین ہے

[2] انداز آلنگ سردار و ردنیتا کے مماثل تھا۔

[3] اس سے موازنہ کریں — "ہرش جس کے کنول چرنوں پر صاحب اقبال و دولت جاگیرداروں کے تاجوں کی کرنیں پڑتی تھیں، اس کے خوف میں مسرت سے محروم ہو گیا، اور اپنے شاندار ہاتھیوں سمیت جو جنگ میں کام آگئے ذلیل و خوار ہوا۔"

अपरिमितविभूतिस्फीतसामन्तसेना
मुकुटमणिमयूखाक्रान्तपादारविन्दः
युधिपतितगजेन्द्रानीकवीभत्सभूतो
भयविगलितहर्षो येन चाकारि हर्षः ॥

(اپی گرافیہ انڈیکا، جلد ۶، صفحہ ۱۰، اشلوک ۲۳)

کر لیے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس نے واتاپی پور سے بھی تعلقات بالکل منقطع نہیں کیے۔ غالباً اس کے بیٹے اور جانشین جے سنگھ اول کے زمانے میں مناسب موقع پا کر خاندان کی یہ شاخ خود مختار ہو گئی[1]۔ جنوب میں پُلکیشن دوم نے پلّو راجہ کے ساتھ جسے مہیندر ورمن اول کے مماثل قرار دیا گیا ہے، زور آزمائی کی اور اس کی راجدھانی کانچی پور (کنجی ورم) پر حملہ کر دیا۔ جب چالکیہ افواج کاویری سے آگے پہنچ گئیں تو چول، پانڈیہ اور کیرل کی ریاستوں نے پرانی دشمنی ختم کر کے پُلکیشن دوم سے دوستانہ تعلقات قائم کر لیے۔

سفارتی روابط

پُلکیشن دوم نے صرف فنِ جنگ ہی میں امتیاز حاصل نہیں کیا بلکہ اپنے مقام اور اپنی حیثیت کو مضبوط کرنے کے لیے ایک اور فنِ لطیف یعنی فنِ سفارت کو بھی ترقی دی۔

---

[1] ونگی کے راجہ جنھیں مشرقی چالکیہ کہا جاتا ہے، آندھرا دیش اور کلنگ کے ایک حصے پر حکومت کرتے تھے۔ انھوں نے تقریباً ۵۰۰ سال حکومت کی جس میں مختلف نشیب و فراز آئے۔ اس قدر زرخیز اور فوجی اہمیت کے علاقوں پر قبضے نے دکن کے سیاسی معاملات میں خاندان کو کافی اہمیت دے دی۔ لیکن خاندان کے بعض افراد اپنی فوجی صلاحیتوں کے لیے بھی مشہور تھے؛ مثلاً وجے آدتیہ دوم (تقریباً ۷۹۹-۸۴۳ء) اور وجے آدتیہ سوم (تقریباً ۸۴۴-۸۸۸ء) جنھوں نے کہتے ہیں کہ راشٹرکوٹوں، گنگوں اور دوسری معاصر ریاستوں کے خلاف جنگ کی اور فتوحات حاصل کیں۔ دسویں صدی عیسوی کے ربع آخر کے قریب ونگی کی ریاست کو زبردست صدمہ پہنچا، اور راج راج اول چول نے اسے تاخت و تاراج کیا۔ شکتی ورمن (تقریباً ۹۹۹-۱۰۱۱ء) نے جزوی طور پر نقصان کی تلافی کی۔ لیکن اگلا راجہ وِمل آدتیہ (تقریباً ۷۹۹-۸۴۳ء) اور اس کے جانشین تجور کے چولوں ہی کے زیرِ اثر تھے ایک حد تک اس کا سبب دونوں خاندانوں کے درمیان ازدواجی رشتے تھے، کیوں کہ وِمل آدتیہ نے چول راجکماری کُندوا سے شادی کی۔ ان دونوں سے جو لڑکا پیدا ہوا اس کا نام راج راج وشنو وردھن تھا۔ اس نے راجندر اول کی لڑکی سے شادی کی۔ ان کے میل سے جو بچہ پیدا ہوا اس کا نام راجندر چول دوم تھا جو بعد میں کلوتنگ کہلایا۔ ۱۰۷۰ء میں دونوں گدیوں کا وہی مالک تھا۔ اس نے ونگی سے اپنے چچا وجے آدتیہ ہفتم کو نکال باہر کیا اور اپنے بیٹوں راج راج ممندی چوڑ اور ویر چوڑ کو باری باری اس علاقے میں اپنا نائب السلطنت مقرر کیا۔ اس طرح مشرقی چالکیہ اور چول حکومتیں باہم مخلوط ہو گئیں اور اس مخلوط خاندان نے تقریباً دو سو سال تک بڑی کامیاب حکومت کی۔ بالآخر وارنگل کے کاکتیوں، ہوسلوں اور دوسرے مخالف پڑوسیوں کے حملوں کی وجہ سے ان کی حالت سقیم ہو گئی (ملاحظہ ہو ڈی۔ سی۔ گنگولی ایسٹرن چالکیلز، بنارس ۱۹۳۷ء)

عرب مورخ طبری کی سند کے مطابق پلکیشن دوم نے ایران یا فارس کے بادشاہ خسرو دوم سے دوستانہ تعلقات قائم کیے اور ۶۲۵ء میں اس کے دربار میں خطوط اور تحائف کے ساتھ ایک سفارت بھیجی۔ شاہ فارس نے بھی ایک سفارت چالکیہ دربار میں بھیجی۔ عالموں نے عام طور پر خیال کیا ہے کہ اجنتا کے غار کی ایک تصویر میں فارسی سفارت کے استقبال کا ایک منظر پیش کیا گیا ہے۔ اسٹن کونو نے بہر حال اس رائے کے بارے میں شبہ ظاہر کیا ہے[1]

یوآن چوانگ کی شہادت

پلکیشن دوم کے دورِ حکومت میں نامور چینی زائر یوآن چوانگ اپنی سیاحت کے دوران غالباً سن ۶۴۱ء میں موہولاچھا (یا لاٹا) دیش یا مہاراشٹر پہنچا۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ "وہاں کی زمین زرخیز ہے۔ اس میں پابندی سے کاشت اور بکثرت پیداوار ہوتی ہے"[2] علاوہ بریں وہاں کے "باشندے بڑے غیور و خود دار اور جنگ جو تھے۔ اگر ان کے ساتھ کوئی بھلائی کرتا تو ممنون ہو جاتے اور برائی کرتا تو بدلہ ضرور لیتے۔ اگر کوئی مصیبت زدہ ان سے رحم طلب ہوتا تو اس کے لیے اپنی جان تک دے دیتے اور اگر کوئی ان کے ساتھ اہانت کا برتاؤ کرتا تو اس کی جان لیے بغیر نہ چھوڑتے۔ ان کے وہ سورما جو میدانِ جنگ میں صف اول میں رہتے وہ شراب پی کر جنگ کرتے تھے اور جنگ شروع ہونے سے پہلے وہ اپنے ہاتھیوں کو بھی شراب پلاتے تھے"[3] اس دیش کا راجہ پولوکے شی (پلکیشن) تھا جو کشتریہ نسل سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا لشکر اعلیٰ درجے کا تھا جس کے بل پر وہ پڑوسی ریاستوں کو "حقیر و ذلیل" سمجھتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کی کریمانہ حکومت کے حدود "دور دور تک پھیلے ہوئے تھے اور اس کے تمام جاگیردار بڑی وفاداری کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے تھے"[4]

---

[1] جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی، نیومِس میٹک سوسائٹی، گیارھواں، (۱۸۷۹)، ص ۲۵، ص ۱۲۶

[2] انڈین اینٹی کوئریز، فروری ۱۹۰۸، ص ۴۳

[3] بیل، دوسرا، ص ۲۵۶

[4] واٹرس، دوسرا، ص ۲۳۹ [5] ایضاً

افسوس ناک انجام

اس عظیم چالکیہ راجہ کی زندگی کے آخری ایام بڑی یاس و حسرت میں گزرے، کیونکہ پلووں نے نرسنگھ ورمن اول (تقریباً ۶۲۵-۶۴۵ء) کی قیادت میں اگلے پچھلے سب بدلے چکا لیے۔ کئی کامیاب ہموں کے بعد اس نے چالکیہ راجدھانی واتاپی پر اچانک حملہ کر دیا اور غالباً پلکیشن دوم کو قتل کر دیا۔ لیکن چالکیوں نے جو مقاومت کی اس کا سلسلہ جاری رہا اور انہیں جو عارضی نقصان پہنچا تھا اس کی بہت جلد انھوں نے تلافی کر لی۔

پلکیشن دوم کے جانشین

پلکیشن دوم کے بعد اس کا دوسرا لڑکا وکرما دتیہ اول جسے ستیا شریہ[1] بھی کہا جاتا ہے، راجہ ہوا۔ اس نے تقریباً ۶۵۴ء تک اپنے خاندانی دشمن یعنی پلووں سے اپنے آبائی علاقے واپس لے لیے۔ کہتے ہیں کہ اس نے تین پلو راجاؤں — نرسنگھ ورمن اول، مہیندر ورمن دوم اور پرمیشور ورمن کو شکست دی۔ اس کے برخلاف بعض دستاویزات سے ثابت ہوتا ہے کہ پرمیشور ورمن نے چالکیوں کو شکست دی۔ اگر ان دعووں میں کوئی سچائی ہے تو ماننا پڑے گا کہ دونوں طاقتوں میں کافی عرصے تک جنگ جاری رہی۔ اور جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے، قسمت کا فیصلہ دونوں کے حق میں کبھی مفید اور کبھی مضر ثابت ہوا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وکرما دتیہ اول پلو راجدھانی کی غارت گری سے باز نہ آیا اور بڑھتا ہوا جنوب کی آخری حد تک پہنچ گیا اور اس کی فوجی قوت کے دباؤ کو چولوں، پانڈیوں اور کیرلوں نے بھی محسوس کیا۔ ان لڑائیوں میں اس کے بیٹے ونے آدتیہ اور پوتے وجے آدتیہ نے بڑی قابلیت کے ساتھ اس کی مدد کی۔ اول الذکر نے تقریباً ۶۸۰ء سے ۶۹۶ء تک اور آخر الذکر نے ۶۹۶ء سے ۷۳۳ء تک حکومت کی۔ ایک کتبے کی سند کے مطابق ونے آدتیہ ستیا شریہ نے "شمالی علاقے کے راجہ کو کچل کر اعلیٰ ترین فرمانروائی

---

[1] قیاس کیا جاتا ہے کہ وکرما دتیہ اول اپنے باپ کا چہیتا بیٹا (پریہ پتر) تھا، اس لیے گدی اسی نے حاصل کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بڑے بھائی چندر آدتیہ کو کسی دور کے صوبے کا نگران مقرر کیا گیا۔ وکرما دتیہ اول نے لاٹ کا صوبہ اور جنوبی گجرات کے علاقے اپنے دوسرے بھائی جے سنگھ کے سپرد کیے۔

کا امتیازی نشان حاصل کر لیا" (مسکو تو پتھر کا تھ [1])۔ اس بیان میں مبالغے کا عنصر شامل ہے، کیوں کہ اس عہد میں شمالی ہند پر کسی طاقت کے اقتدار اعلیٰ کا حال ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وجے آدتیہ نے بعد والے گپت خاندان والے راجہ آدتیہ سین کے مقابلے میں فوجی کامیابی حاصل کی۔ وجے آدتیہ کے لڑکے وکرما دتیہ دوم (تقریباً ۷۳۳-۴۷ء) کے دور حکومت میں پلوؤں کے ساتھ دشمنی کا سلسلہ جاری رہا۔ نندی ورمن کو شکست ہوئی اور چالکیہ فوج کانچی میں داخل ہوگئی۔ کانچی کے ایک مندر میں فاتح کی ایک شکستہ و دریدہ لوح محفوظ ہے جو آج تک اس کی فتح کی شہادت دے رہی ہے۔ اس کے علاوہ کہتے ہیں کہ وکرما دتیہ دوم کی فوجوں نے دوسرے موروثی دشمنوں — مثلاً چولوں، پانڈیوں، کل بھروں اور اہل مالابار کو شکست دی۔ وکرما دتیہ دوم برہمنوں کو انعام و اکرام دینے کے لیے مشہور ہے۔ اس کی دونوں بیویوں نے جو ہے ہیہ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں شیو کے اعزاز میں شان دار معبد تعمیر کرائے۔ شک سمبت ۶۶۹ مطابق ۴۷-۷۴۸ء میں وکرما دتیہ دوم کی جگہ اس کا لڑکا کیرتی ورمن دوم گدی پر بیٹھا جو اپنے باپ کی طرح پلوؤں کے ساتھ جنگ میں مصروف رہا۔ لیکن پلوؤں کی طرف داری اور تعصب کے باعث مہاراشٹر اس کے یا اس کے باپ کے ہاتھوں سے نکل کر تقریباً آٹھویں صدی عیسوی میں راشٹر کوٹ سردار دنتی دُرگ کے قبضے میں چلا گیا [2]۔ کیرتی ورمن کے عہد کے بعد اگرچہ خاندان کا نام و نشان نہیں مٹا، البتہ چالکیہ حکمرانوں کی اہمیت بالکل ختم ہوگئی۔ اور جیسا کہ ہم ذیل میں دیکھیں گے بعد میں خاندان کے بعض نو عمر لڑکوں نے اپنی حکومت از سر نو قائم کرنے کی کوشش کی۔

مذہب و فن کی سرپرستی

واتاپی کے چالکیہ سچے دل سے برہمن مت کو مانتے تھے، لیکن وہ رواداری کے سنہرے اصول کے بھی پابند تھے۔ ان کے عروج کے زمانے میں جین مت دکن میں خاص کر جنوبی علاقوں میں خوب سرسبز ہوا۔ ایہول کے کتبے کا جین مصنف روی کیرتی کا جس نے جنیندر کا مندر تعمیر کرایا، دعویٰ ہے کہ اس نے پلکیشن دوم سے "بلند ترین اعزاز و اکرام" حاصل کیے۔ اسی

---

[1] انڈین اینٹی کوئریز، ۱۹۳۹، صفحہ ۱۲۷، ۱۶۸

[2] ملاحظہ کیجیے دنتی درگ کی سامان گڑھ تختیاں جو شک سمبت ۶۷۵-۷۵۴ء کی ہیں (ایپی گرافیا انڈیکا، جلد ۱۱، صفحہ ۱۱۲)

طرح وِجے آدِتیہ اور وِکرَمادِتیہ دوم نے مشہور جین پنڈتوں کو گاؤں جاگیر میں دیے۔ یہ ثابت کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی شہادت نہیں ہے کہ چالکیہ راجاؤں نے بدھ مت کی کس انداز سے سرپرستی کی۔ یوآن چوانگ کی حسب ذیل شہادت سے اتنی بات ضرور واضح ہو جاتی ہے کہ بدھ مت اگرچہ معدوم نہیں ہوا تھا، لیکن شاید انحطاط پذیر ضرور ہو چکا تھا: "بدھ خانقاہیں وہاں ۱۰۰ سے اوپر تھیں اور برادرانِ مذہب کی تعداد جن میں دونوں فرقوں کے ماننے والے شامل تھے، ۵۰۰۰ سے زاید تھی۔ راجدھانی کے اندر اور باہر اشوک کے پانچ توپ تھے جن میں پچھلے چاروں بدھ ورزش کی غرض سے بیٹھا اور ٹہلا کرتے تھے۔ اور وہاں پتھر اور اینٹ کے لاتعداد اور توپ بھی تھے"[1] جہاں تک برہمن مت کا تعلق ہے، پرانوں کے دیوتا اُبھر کر نمایاں ہو گئے تھے اور واتاپی (بادامی) اور پٹ دَکل[2] (ضلع بیجاپور) میں تثلیث کے تینوں دیوتاؤں — برہما، وشنو اور شیو کے اعزاز میں اعلیٰ درجے کی عمارتیں تعمیر کرائی گئیں۔ ان دیوتاؤں کو دوسرے مختلف ناموں سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔ بعض اوقات مندر ٹھوس چٹانوں کو تراش کر بنوائے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر منگلیش کے عہدِ حکومت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اسی نمونے کا ایک مندر تعمیر کرایا جو فنِ تعمیر کا ایک نادر شاہکار ہے۔ اس مندر کو اس نے وِشنو سے منسوب کیا[3] یہ بھی قیاس کیا گیا ہے کہ اجنتا کے مشہور و معروف غاروں کی روغنی تصویریں شاید قدیم چالکیہ راجاؤں کے دور کی یادگار ہیں۔ آخری بات یہ کہ یگیہ کی رسمیں تمام جزوی تفصیلات کے ساتھ انجام دی جاتی تھیں۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی رسمیں تنہا پلکیشن اول نے انجام دیں، مثلاً اشومیدھ، واج پیکہ پونڈریک، وغیرہ۔

---

[1] واٹرس، دوسرا، صد ۲۳۹

[2] پٹ دکل کے مندر، خاص کر ان کے وِمان شمالی فنِ تعمیر کے نمونے پر تیار کرائے گئے تھے۔

[3] ملاحظہ ہو ایچ۔ کوزنس، دا چالوکیین آرکی ٹکچر (آرکیلاجیکل سروے آف انڈیا، جلد باسٹھ، کلکتہ، ۱۹۲۶) چالکیہ مندر ایک بہت باقاعدہ آراستہ پیراستہ کرسی پر تعمیر ہوا ہے۔ اس کا نقشہ کثیر الاضلاع تارے کی شکل کا ہے، اس کی چھت پر نیچا گاؤدم مینار ہے جس پر آرائش کے لیے ظرف نما (واز) ھدو بنایا گیا ہے۔

فصل (۲)

مانیہ کھیٹ (مال کھیڑ) کے راشٹرکوٹ

راشٹرکوٹوں کی اصل

راشٹرکوٹ دکن کی کس نسل سے تعلق رکھتے تھے؟ یہ ایک ٹیڑھا سوال اور عاجز کر دینے والا مسئلہ ہے۔ خاندان کے بعد کی دستاویزات ظاہر کرتی ہیں کہ وہ یدو کی نسل میں تھے اور ان کا مورث اعلیٰ رٹ نامی راجہ تھا جس کے لڑکے راشٹرکوٹ کے نام پر خاندان کا نام راشٹرکوٹ پڑ گیا۔ سر رام کرشن بھنڈارکر[1] نے انہیں "تخیلی شخصیتیں" مانا ہے۔ وہ ان روایات پر کوئی اعتماد نہیں رکھتے اور ان کا خیال غالباً بالکل درست ہے۔ اسی طرح فلیٹ[2] کی یہ رائے کہ دکن کے راشٹرکوٹ شمالی ہند کے راٹھوروں (راشٹرکوٹوں) کی اولاد تھے، تنقید کی کسوٹی پر پوری نہیں اترے گی۔ اور برنل[3] کے اس نظریے میں کوئی وزن ہے کہ ان کا تعلق آندھرا دیش کے دراوڑی رڈیوں سے تھا۔ سب سے زیادہ قرین قیاس رائے یہ ہے کہ مال کھیڑ کے راشٹرکوٹ رشٹکوں یا رٹھکوں کی اولاد تھے جنہوں نے تیسری صدی ق۔م میں اتنی اہمیت حاصل کر لی تھی کہ اشوک نے اپنے فرمانوں میں بھوجکوں اور دوسرے اپرانتوں (مغربی ہند کے باشندوں) کے ساتھ ان کا بھی ذکر کیا ہے۔

ان کا اصلی وطن

کتبے اور سکے ثابت کرتے ہیں کہ، جیسا کہ ڈاکٹر آلٹیکر[4] نے ظاہر کیا ہے، کہ مہاراشٹر اور کرناٹک کے بعض علاقوں پر رٹھک اور مہارٹھی گھرانوں کا قبضہ جاگیردار حکمرانوں کی

---

[1] ارلی ہسٹری آف ڈکن (تیسرا ایڈیشن، ۱۹۲۸) ص ۱۱

[2] بامبے گزیٹیئر، جلد ایک، حصہ ۲، ص ۳۸۴

[3] ساؤتھ انڈین پیلیوگرافی، ص ۱

[4] راشٹرکوٹاز اینڈ دیئر ٹائمس، ص ۱۹-۲۰۔ اس کتاب سے بہت استفادہ کیا ہے۔

حیثیت سے تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مانیہ کھیٹ کے بعد والے راشٹرکوٹ آخر کہاں کے باشندہ تھے۔ ڈاکٹر الٹیکر کے نزدیک ان کا اصلی وطن کرناٹک تھا اور مادری زبان کناڈی تھی کیوں کہ وہ خود یہی زبان اور یہی رسم خط استعمال کرتے تھے، اور اسی کی سرپرستی کرتے تھے[1]۔ اس کے علاوہ ایک لوح میں انھیں "لَتّ لوُرُ پُرَوَرا دھیش" یعنی "بہترین شہر، پُرورادھیش کا راجہ" کہا گیا ہے۔ یہ لاتور کے مماثل ہے جو نظام کی ریاست (اب اندھرا دیش) کے ضلع بیدر میں کناڑی بولنے والا علاقہ ہے۔ یہ بلاشبہ وزنی دلائل ہیں جن سے بعض عالموں کے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ اصل کھیڑ راشٹرکوٹ مہاراشٹر کے باشندے تھے۔

خاندان کا عروج

خاندان کے پہلے چند حکمراں — دَنتی وَرمن، اندر اول، گووند اول، کرکّ اول، اور اندر راج دوم — کوئی ممتاز مقام حاصل نہ کر سکے۔ دراصل ہم ٹھیک ٹھیک یہ بھی نہیں جانتے کہ ان کی ریاستیں کہاں واقع تھیں۔ ڈاکٹر الٹیکر[2] کی رائے ہے کہ خاندان نے اپنے اصلی وطن کرناٹک سے ہجرت کرنے کے بعد "کہیں برار میں" اپنی حکومت قائم کی۔ مزید برآں ان کا خیال ہے کہ وہ "راشٹرکوٹ راجہ نَنّ راج یُدھاسُر کی، جو ساتویں صدی عیسوی کے وسط میں ایلچ پور (برار) میں حکمرانی کر رہا تھا، یا تو براہ راست اولاد تھے، یا اس کے ہم جدی تھے[3]۔" ان رایوں سے کوئی صاحب متفق ہوں یا نہ ہوں، البتہ یہ بات طے ہے کہ راشٹرکوٹوں[4] نے دَنتی دُرگ کے زمانے سے ترقی کرنی شروع کی۔ دَنتی دُرگ چالکیہ راجکماری بھَوناگا کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ اسے اندر راج نے شادی کی رسموں کے دوران زبردستی اغوا کر لیا تھا۔ حال ہی میں الورا سے جو تختیاں دریافت ہوئی ہیں ان سے

---

[1] ایضاً ص ۲۱-۲۲

[2] راشٹرکوٹاز اینڈ دیئر ٹائمس، ص ۱۱-۲۲ وغیرہ۔

[3] ایضاً ص ۱۱

[4] مانیہ کھیٹ میں راشٹرکوٹ راجہ حاتی اثر گیرو دیشن اعلی نے قائم کی۔ حالاں کہ بعد کنتیانی دمرکنتہ، ضلع ناسک) اور مسرلا بجن جیتن (الورا کے قریب) کے نام بتائے جاتے ہیں، لیکن ان کا مقام صحیح معلوم نہیں ہے۔

پتہ چلتا ہے کہ دنتی دُرگ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے تقریباً ۷۵۲ء میں مہاراشٹر کی چالکیہ ریاست کا تختہ الٹ دیا۔ راشٹرکوٹ حکمراں نے دوسری معاصر ریاستوں مثلاً کانچی (پلوراجہ)، کلنگ، کوشل (جنوبی کوشل)، مالوہ (اجین کا گرجر پرتی ہار حکمراں) لاٹ (جنوبی گجرات جہاں کا گورنر کرک دوم تھا)، تنک (جس کی شناخت نہیں ہوسکی ہے) اور شری شیل (ضلع کرنول) وغیرہ کے راجاؤں کو بھی زیر کیا۔ دنتی دُرگ کے اولادِ نرینہ نہیں تھی، اس لیے اُس کے انتقال کے بعد ۷۵۸ء سے کچھ ہی پہلے اس کا چچا کرشن یا کرشن اول گدی پر بیٹھا۔ بعض عالموں کی رائے ہے کہ دنتی دُرگ چوں کہ ظالم حکمراں تھا اس لیے اسے گدی سے اتار دیا گیا تھا۔ بعض فرمانوں میں اس کا نام شامل نہیں ہے۔ اس بات سے مندرجہ بالا رائے کو تقویت پہنچتی ہے۔ قرینِ قیاس بات یہ ہے کہ ان میں چچا کے مقابلے میں بھتیجے کو نظر انداز کردیا گیا ہے۔ ایک کتبہ کی سند کے مطابق کیرتی ورمن دوم چالکیہ کی حکومت کرناٹک اور اس کے ملحقہ علاقوں میں ۷۵۷ء تک باقی رہی۔ اس کی طاقت کو ختم کرنے کا کام کرشن اول نے مکمل کیا۔ کرشن راج[2] نے مفتوحہ علاقوں میں انتظام و انصرام درست کیا اور مغرور راہپ کو کچلنے کے بعد "راجا دھراج پرمیشور" کا شاہانہ لقب اختیار کرلیا۔ لیکن جتنے مآخذ ہمارے پاس موجود ہیں ان کی روشنی میں اُسے صحیح طور پر شناخت کرنا مشکل ہے۔ اس کے بعد کرشن اول نے کونکن کو زیر کیا، گنگ واڑی (یعنی گنگوں کی ریاست) کو تاخت و تاراج کیا اور وینگی کے مشرقی چالکیہ حکمراں وشنو وردھن چہارم کو شکست دی۔ ان فوجی کامیابیوں کے ساتھ ساتھ کرشن اول کا عہد اس جہت سے بھی ممتاز ہے کہ اس نے اِلاپور (نظام کی ریاست میں الورا) میں شیو کا ایک عظیم الشان مندر تعمیر کرایا۔ اسے پہاڑ کو کاٹ کر تراشا گیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ پوری عمارت، بقول ونسنٹ اسمتھ "ہندوستان میں فنِ تعمیر کا حیرت انگیز کرشمہ ہے"[3]

---

[1] ملاحظہ ہو ایپی گرافیہ انڈیکا، پچیسواں، صہ ۲۵، صہ ۳۱۔ الورا کی تختیاں جن پر شک سمت ۶۶۳، مطابق ۷۴۱ - ۷۴۲ء پڑا ہوا ہے، دنتی دُرگ کی سب سے پہلی تاریخ کا ہمیں پتہ دیتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ الورا کے علاقے میں اس وقت دنتی دُرگ کی حکومت تھی۔

[2] کرشن اول کو عام طور پر شبھ تُنگ اور اکال وَرش بھی کہا گیا ہے۔

[3] ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، صہ ۴۴۵۔

راشٹر کوٹ شہنشاہیت کی ترقی:

(۱) گووند دوم

معلوم ہوتا ہے کرشن اول کا انتقال ۷۷۲ء کے کچھ ہی بعد ہوگیا اور اس کے بعد اس کا بڑا لڑکا گووند دوم پربھوت ورش راجہ ہوا۔ یووراج کی حیثیت سے اس نے وینگی کے وشنو وردھن کو شکست دی تھی۔ لیکن جب وہ راجہ ہوگیا تو سوائے ایک پاری جات کے کسی اور کے مقابلے میں کوئی اور قابل ذکر فتح حاصل نہ کرسکا۔ راشٹر کوٹ راجہ نے اپنی قوتوں کو بے روک ٹوک لہو ولعب اور عیاشی میں ضایع کرنا شروع کردیا۔ یہاں تک کہ امور سلطنت کی دیکھ بھال بھی اس کا چھوٹا بھائی دھرو کرتا تھا۔ چھوٹے بھائی نے موقع سے فائدہ اٹھا کر بغاوت کردی اور نتیجے میں تقریباً ۷۷۹ء میں گدی پر قبضہ کرلیا۔

(۲) دھرو نروپم

دھرو نروپم نے، جسے دھارا ورش، اور کلی یا شری ولبھ بھی کہتے ہیں[۱]، سب سے پہلے اپنے بھائیوں کے حلیفوں پر شدید ضربیں لگائیں، گنگ راجہ، شیومار مُتّرس کو نیچا دکھایا اُسے گرفتار کرلیا اور اس کے علاقوں کو اپنی ریاست میں شامل کرلیا اس کے بعد دھرو نے کانچی کے پلّو حکمراں سے اپنا لوہا منوایا۔ پھر دھرو شمال کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے اجین کے پرتی ہار حکمراں وتسراج کو "مرو کے (ریگستانوں کے) بیچ میں ناکامی کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کردیا"[۲] یہ فقرہ شاید یہ ظاہر کرتا ہے کہ دھرو نے اپنے دشمن کو شکست دے کر اُسے راجپوتانہ کے بے آب وگیاہ میدانوں کی طرف بھگا دیا۔ دھرو نے اندرایدھ کے عہد حکومت میں گنگا کے دوآب پر بھی حملہ کیا۔ کہتے ہیں کہ اس نے "اپنے شاہی نشان امتیازی میں گنگا اور جمنا کے لیے ایک مخصوص علامت کا اضافہ کیا"۔ اسی حملے کے دوران اس کی ملاقات دھرم پال سے ہوئی جس میں دھرو کامیاب ہوا۔ اور جب گوڑ کا راجہ گنگا اور جمنا کے درمیان

۱؎ یہ لقب جینیوں کے صریحا ونش میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے ہمیں دھرو کا سن شک سمبت ۷۰۵، مطابق ۷۸۳ء۔ ۷۸۴ء دستیاب ہوتا ہے۔

۲؎ انڈین اینٹی کویریز، ۱۱واں، ص ۱۶۱؛ ایپی گرافیہ انڈیکا، چھٹا، ص ۲۴۳، ص ۲۴۸۔

بھاگ رہا تھا تو دھرو نے اس کی سفید چھتریاں اور اس کی لکشمی کے ہنستے ہوئے کنول چھین لیے[1]۔ البتہ مدھیہ دیش میں دھرو کی مہم سے اس کی ریاست کی حدود میں کوئی اضافہ نہیں ہوا، لیکن ایک بات ضرور واضح ہو گئی، وہ یہ کہ راشٹر کوٹوں نے ملوکانہ شان کے ساتھ توسیع سلطنت کی روش اختیار کر لی۔

(۳) گووند سوم

دھرو نے اپنے جانشین کی حیثیت سے گووند سوم کا انتخاب کیا۔ بہرحال یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ تقریباً ۷۹۴ء میں باپ کے تخت سے دست بردار ہونے کے بعد راجہ ہوا، یا باپ کے مرنے کے بعد۔ استمبھ (کھمبیہ)، جو گنگ واڈی کا گورنر اور گووند سوم کا بڑا بھائی تھا، اس کے مقابلے پر آیا۔ اس مقابلے میں بہت سے سرکش جاگیرداروں نے اس کی حمایت کی، یہاں تک کہ گنگ راجہ شیومار، جسے قید سے رہا کر دیا گیا تھا، اس نے بھی نئے راشٹر کوٹ حکمراں کے خلاف بغاوت کی۔ لیکن باغیوں کا کچھ بس نہ چلا اور انھیں بہت جلد مکمل طور پر بھگا دیا گیا۔ گنگ واڈی پھر فتح ہو گئی اور گووند سوم نے استمبھ کے ساتھ بڑی کشادہ دلی کا برتاؤ کیا اور اسی علاقے میں اپنے نمائندے کی حیثیت سے اس کا پھر تقرر کر دیا۔ اس کے بعد کانچی کے پلو راجہ دنتگ (دنتی ورمن) پر قابو پانے کے بعد گووند سوم نے وینگی کے چالکیہ راجہ وجے آدتیہ دوم (۷۹۹-۸۴۳ء) سے شمشیر آزمائی کی اور اُسے نیچا دکھایا۔ گووند سوم نے باپ کی طرح شمالی ہند کی طاقتوں کو بھی فتح کیا۔ اس نے ناگ بھٹ دوم کو بھی شکست دی۔ اجین کے جو آبائی علاقے[2] ناگ بھٹ کے ہاتھ سے نکل گئے تھے اس نے انھیں حاصل کرنے کی لاکھ کوششیں کیں مگر گووند سوم نے ۸۰۶ اور ۸۰۸ء کے درمیان اس کی ان سب کوششوں کو خاک میں ملا دیا[3]۔ بہرحال

---

[1] ایضاً، انعارہ، ص ۲۴۴، ص ۲۵۲؛ نیز ملاحظہ کریں ہسٹری آف قنوج، ص ۲۴۲

[2] سنجن کی تختیاں، ایپی گرافیہ انڈیکا، اٹھارہ، ص ۲۴۵، ص ۲۵۳؛ اشلوک ۲۲؛ نیز ملاحظہ ہو رودھن پور کا فرمان ایضاً ص ۲۴۲، ص ۲۵۰، اشلوک ۱۵

[3] ہسٹری آف قنوج، ص ۲۳۲

کرک راج کی بڑودہ والی تختی سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ گووند سوم کو چوں کہ جنوبی پتی بار راجہ سے خطرہ لاحق تھا اس لیے[1] اس نے مالوہ کی حفاظت کی غرض سے: .... کرک راج کے بازو کے ذریعہ گرجروں کے دیش کا سدباب کر دیا[2] گووند سوم پھر گنگا کے دوآب کی طرف متوجہ ہوا۔ سنجن کی تختیاں ہمیں بتاتی ہیں کہ کانیہ کبج کے چکرآیدھ اور گوڑ کے دھرم پال نے اس کے مقابلے میں "خود بخود ہتھیار ڈال دیے"[3] لیکن ان فتوحات سے اسے سکون میسر نہ ہوا۔ جب گووند سوم شمال میں مصروف کارزار تھا تو چولوں اور پانڈوں نے کانچی اور گنگ واڈی اور کیرل کے راجاؤں کے ساتھ مل کر اس کے خلاف جتھے بندی کر لی۔ گووند سوم کی فوجیں ایک بار پھر ظفریاب ہوئیں اور اس کے بعد اس نے اپنی زندگی کے باقی ماندہ سال ریاست کے داخلی حالات درست کرنے کے لیے وقف کر دیے۔

امُوگھ ورش اول

۸۱۴ء کے شروع میں گووند سوم کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد راج گدی اس کے لڑکے کو ملی جو صرف اپنے لقب امُوگھ ورش سے معروف ہے۔ چوں کہ امُوگھ ورش نوعمر تھا اس لیے معلوم ہوتا ہے گووند سوم نے مرنے سے پہلے کاروبارِ سلطنت کی نگرانی اپنے گجرات والی شاخ کے ہم جدی کرک راج سورن ورش کے سپرد کر دی تھی۔ لیکن مفسد قوتیں زیادہ دنوں خاموش نہ رہ سکیں۔ شاہی خاندان کے باہمی نزاعات سے وزرا بھی متاثر ہوئے اور غداری پر اتر آئے۔ باجگزار راجاؤں نے بغاوت کر دی اور گنگ واڈی کا حکمراں خود مختار ہو گیا۔ یہاں تک کہ وینگی کے وجے آدتیہ نے گووند سوم کے ہاتھوں اپنی سابقہ شکست کا بدلہ لینے کے لیے رٹوں (راشٹر کوٹوں) پر حملہ کر دیا۔ اس طرح آہستہ آہستہ تمام ملک میں طوائف الملوکی پھیل گئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امُوگھ ورش کو گدی سے اتار دیا گیا۔ بہرحال، سورت

---

1. ایضاً، انڈین اینٹی کوئری، بارہ، ص ۱۶۰، ص ۱۶۴

2. ایپی گرافیہ انڈیکا، اٹھارہ، ص ۲۴۵، سطر ۲۵۳، اشلوک ۲۳؛ نیز ملاحظہ ہو ایضاً، چھٹا، ص ۱۰۳، ص ۱۰۵۔ اس سے موازنہ کریں۔
स्वयमेवोपनतौ च यस्य महतस्तौ धर्मचक्रायुधौ।

3. سر آر۔ جی۔ بھنڈارکر کہتے ہے کہ اس کا اصلی نام سرؤ تھا (ارلی ہسٹری آف ڈکن، ص ۱۱۶)

کے فرمان[1] سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے غالباً کرکؔ راج کی کوششوں سے اپریل ۸۲۱ء سے کچھ پہلے، راج گدی پھر حاصل کر لی[2]۔ نوخیز ہونے کے باعث آموگھ ورش کی حیثیت کافی عرصہ غیر محفوظ رہی، اور وہ کوئی فوجی مہم سر نہیں کر سکا۔ دراصل سرورؔ (ضلع دھارواڑ) کے فرمان[3] مورخہ شک سمبت ۸۸، (۸۶۶ء) نیز دیگر لوحی شواہد سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ وینگی کے چالکیہ حکمراں نے اس کا لوہا مان لیا تھا۔ لیکن یہ واقعہ یقیناً اموگھ ورش کے عہد کے آخری زمانے میں پیش آیا اور اغلب یہ ہے کہ اس کا حریف وجے آدتیہ سوم گنگ (تقریباً ۸۴۴ - ۸۸۸ء) تھا، کیوں کہ ہمارے پاس کافی اسناد موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وجے آدتیہ دوم (تقریباً ۷۹۹-۸۴۳ء) نے اپنے عہد کے آخر میں راشٹر کوٹوں کے خلاف کئی اور فتوحات حاصل کیں۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ اموگھ ورش نے انگ، ونگ اور مگدھ کے راجاؤں پر اپنے اثرات قائم کر لیے۔ بہر حال یہ دعویٰ معلوم ہوتا ہے شیخیاں ہیں اور حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اموگھ ورش کی فوجوں نے شمال کی طرح جنوب میں بھی کوئی کامیابی حاصل نہیں کی۔ دوسری طرف اس کے پرتی ہار معاصر مہر بھوج نے اجین کے اردگرد دریائے نربدا تک، بلکہ شاید اس کے ماورا علاقوں کو تاخت و تاراج کیا۔ لیکن اس حملے کو دفع کرنے کا سہرا اموگھ ورش کے نہیں بلکہ اس کے گجرات والے برادرِ نسبتی دھروؔ دوم کے سر ہے[4]۔ واقعہ یہ ہے کہ اموگھ ورش اس قدر کمزور ثابت ہوا کہ اس نے گنگ راجہ سے بھی کوئی مواخذہ نہیں کیا جس نے اس کے عہد کے شروع ہی میں

---

[1] ایپی گرافیہ انڈیکا، اکیس، ص ۱۳۳، ص ۱۴۷

[2] ایضاً

[3] انڈین اینٹی کوئریز، بارہ، ص ۲۱۶، حاشیہ

[4] انڈین اینٹی کوئریز، ص ۱۴۴، ص ۱۸۹۔ گجرات والے سلسلے کا بانی اندر تھا جسے اس کے بڑے بھائی گوبند سوم نے نویں صدی عیسوی کے اوائل میں گجرات کا گورنر مقرر کیا تھا۔ اس شاخ کے ممتاز حکمراں یہ تھے۔ کرک سوورن ورش، دھروؔ دھارا ورش، اکال ورش شبھ تنگ، دھروؔ دوم۔ ان میں سے آخری تین نے ولبھ نامی راجہ سے جنگ کی جسے ڈاکٹر النیکر نے اموگھ ورش کے مماثل قرار دیا ہے (راشٹر کوٹاز اینڈ دیئر ٹائمس ص ۸۴) نویں صدی کے لگ بھگ آخری دہے میں گجرات والا خاندان معدوم ہوگیا۔

طوکانہ تعلقات اس سے منقطع کر لیے تھے۔ اموگھ ورش میں فوجی جوش و خروش کے نقدان کا سبب غالباً یہ تھا کہ اس کا رجحان مذہب اور ادب کی طرف زیادہ تھا۔ اس کے معلم خصوصی (پَرَم گُرُو) جِنَ سین نے جین مت کے جو اصول اُسے سمجھائے تھے ان کا اُس کے دل و دماغ پر بڑا گہرا اثر ہوا تھا۔ اور اگر ویر اچاریہ کی گنت سار سنگرہ کا یقین کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اموگھ ورش اول مکمل کر بسیادواد عقیدے کا پیرو ہوگیا تھا۔ لیکن ہندو دھرم کے ساتھ روادارانہ ہمدردی سے وہ بالکل دست کش نہیں ہوا۔ سنجن کی تختیاں اُسے مہالکشمی دیوی کے سچے پجاری کی حیثیت سے پیش کرتی ہیں۔ علاوہ بریں، نیامی اور عالموں کی سرپرستی میں اس کا مقابلہ مشہور و معروف وکرما دتیہ سے کیا جاتا ہے اموگھ ورش اول خود بھی کوی راج مارگ کا مصنف تھا جو کناڑی زبان میں شعریات کی تصنیف ہے۔ اس کے علاوہ سوال و جواب کی صورت میں اخلاقیات کی کتاب پرشنوتر مالیکا بھی اسی سے یادگار ہے جسے بعض لوگ بہرحال شنکر آچاریہ یا کسی دل سے منسوب کرتے ہیں۔

اموگھ ورش نے اپنی زندگی کے آخری سال عبادت و ریاضت میں بسر کیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کاروبار سلطنت اپنے یُوراج یا مجلس وزرا کے سپرد کر کے تھوڑے تھوڑے وقفوں کے لیے مراقبے کی غرض سے گوشۂ تنہائی میں چلا جاتا تھا

آخر میں کہا جاسکتا ہے کہ اموگھ ورش اول نے مانیہ کھیٹ (نظام کی ریاست میں موجودہ مال کھیڑ) کو اپنی راجدھانی بنایا۔ ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ اس شہر کا اصل بانی وہی تھا یا نہیں لیکن شہر کی نام تر خوش حالی اور شان و شوکت یقیناً اسی کی مرہونِ منت تھی۔

اموگھ ورش کے جانشین

اموگھ ورش کی آخری تاریخ جو ہمیں معلوم ہے ۸۷۸ء ہے[3] اس لیے ہم وقتی طور پر

---

[1] ایپی گرافیہ انڈیکا، اٹھارواں، ص ۲۴۵، ص ۲۵۵، اشلوک ۴۷۔ اس اشلوک میں اموگھ ورش کو ویر نارائن کہا گیا ہے۔

[2] ایضاً، اشلوک ۴۸

[3] "پھال گن شدھ ۱۰ شک سمت ۷۹۹، (یعنی مارچ ۸۷۸ء) جب ویرسین کی جے دھول ٹیکا ختم ہوئی۔ نیز ملاحظہ ہو راشٹر کوٹاز اینڈ دیر ٹائمس، ص

فرض کرسکتے ہیں کہ ۴۴ سال کے طویل عرصے حکومت کرنے کے بعد تقریباً اسی سال (۸۷۸ء میں) اس کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا کرشن دوم راجہ ہوا جو اکال ورش یا شری ولبھ کے خاندانی ناموں سے بھی موسوم ہے۔ کرشن دوم نے تری پوری کے کلچوری کوکلّ اول کی لڑکی سے شادی کی۔ کوکلّ اول اپنے داماد کے لیے زبردست پشت پناہ ثابت ہوا[۱] کرشن دوم ہی کے زمانے میں گجرات کی راشٹرکوٹ شاخ کا وہ اقتدار جو کبھی اُسے حاصل تھا، جاتا رہا۔ اس نے وینگی کے چالکیہ حکمراں وجے آدتیہ سوم گنگ سے جو چند سال اس کا معاصر رہا، اور بھیم اول (تقریباً ۸۹۲–۹۱۸ء) سے روایتی دشمنی کا سلسلہ جاری رکھا لیکن چند کامیابیوں کے بعد راشٹرکوٹ فوجوں کو ہزیمتیں اٹھانی پڑیں۔ ایک اور شخصیت جس سے مہر بھوج تھا اور حالاں کہ بارٹن کے عجائب خانے میں ایک کتبے کے جو باقی ماندہ اجزا موجود ہیں[۲] ان سے ثابت ہوتا ہے کہ کرشن دوم نے پسپائی اختیار کی اور بہت تیزی سے اپنے وطن لوٹ گیا، لیکن اس کے برخلاف بگمرا کی تختیاں[۳] شہادت دیتی ہیں کہ اجین کے ارد گرد کے علاقے میں پرتی ہار راجہ کو اپنے دشمن کے مقابلے میں زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔ ان لڑائیوں کا نتیجہ غالباً کسی فریق کے حق میں مفید ثابت نہیں ہوا۔

کرشن دوم ۹۱۴ء میں فوت ہوگیا اور اس کے بعد اس کا پوتا اندر سوم نتیہ ورش راجہ ہوا۔ اندر سوم جگت تنگ کا بیٹا تھا جس کا انتقال باپ کی زندگی ہی میں قبل از وقت ہوگیا تھا اور وہ اس کی کلچوری خاندان کی رانی لکشمی نامی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ اندر سوم ایک بہادر سپاہی ثابت ہوا۔ کھمبات کی تختیاں[۴] ثابت کرتی ہیں کہ اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس

---

۱ بلہری کا کتبہ: ایپی گرافیہ انڈیکا، پہلا، ص ۱۵۶، ص ۲۶۴، اشلوک ۱۷؛ بنارس کا فرمان: ایضاً، دوسرا، ص ۳۰۶، اشلوک ۔

۲ ایپی گرافیہ انڈیکا، انیسواں، ص ۱۴۴، ص ۱۵۰

۳ انڈین اینٹی کوئریز، تیرھواں، ص ۶۷-۶۹، اشلوک ۲۳؛ ایپی گرافیہ انڈیکا، نواں، ص ۳۱-ص ۳۹، اشلوک ۱۵

۴ ایپی گرافیہ انڈیکا، ساتواں، ص ۳۸، ص ۴۳، اشلوک:

यन्माद्यद्द्विपदन्तघातविषमं कालप्रियप्राङ्गणम् ।
तीर्णा यत्तुरगैरगाधयमुना सिन्धुप्रतिस्पर्धिनी ॥
येनेदं हि महोदयारिनगरं निर्मूलमुन्मीलितम् ।
नाम्नाद्यापि जनैः कुशस्थलमिति ख्यातिं परां नीयते

(باقی نوٹ اگلے صفحے پر)

نے ۹۱۶ یا ۹۱۷ء میں "مہودیہ" (قنوج) کے مخالف شہر کو بالکل تباہ و برباد کردیا[1]۔ وہ فاتحانہ انداز سے قنوج سے ہو کر گزرا جو حقیقت میں راشٹر کوٹوں اور پرتی ہاروں کے درمیان متنازع فیہ مقام تھا۔ اس نے چالکیہ جاگیردار نرسنگھ کو ساتھ لے کر[1] "اتھاہ یمنا" کی وادی کو پار کیا اور مہی پال پر قابو پایا جس نے کچھ ہی دیر پہلے ہرش دیو چندیل کی مدد سے بھوج دوم سے راج گدی چھین لی تھی[2]۔ معلوم ہوتا ہے حملہ آوروں نے پریاگ تک تمام گنگا کے دوآب کو تاخت و تاراج کیا، لیکن نتائج کے اعتبار سے یہ مہم ایک زبردست حملے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھی، کیوں کہ اس کے بعد شمال میں راشٹر کوٹ حکومت کے کوئی مستقل اثرات قائم نہ ہو سکے۔

اندر سوم کا عہد مختصر رہا اور اس کے بعد، غالباً ۹۱۸ء کے شروع میں، اموگھ ورش دوم گدی پر بیٹھا[3]۔ پھر گووند چہارم کو گدی ملی جو امور سلطنت کی دیکھ بھال کی بجائے شہوت پرستی کا شکار ہو گیا اور اس طرح اس نے "اپنی ذہانت سے عورتوں کی آنکھوں کے پھندے میں پھنس کر تمام لوگوں کو ناخوش کردیا[4]۔" وینگی کے چالکیہ بھیم دوم نے اس کی زندگی کے بالکل آخری ایام میں اسے شکست دی (تقریباً ۹۳۴ - ۹۴۵ء) کناڑی کے شاعر پمپ کی وکرم آرجن وجے[5] کے مطابق نوبت یہاں تک پہنچی کہ میلگری کے اری کیشرن دوم جیسے باجگزار

(بقیہ فٹ نوٹ پچھلے صفحے کا)

کھمبات کی تختیوں میں کال پریہ کے جس مندر کا ذکر ہے وہ غالباً اجینی کے مہاکال کے مماثل ہے۔ بہرحال بعض لوگ اسے کالپی میں کال پریہ کی خانقاہ کے مماثل قرار دیتے ہیں۔

[1] ہسٹری آف قنوج، ص ۲۶

[2] ایضاً ص ۲۵۶ - ص ۲۵۷

[3] ڈاکٹر الٹیکر نے مجھے بتایا کہ اگر ایک کتبے کے مطابق اندر سوم نے چند سال اور حکومت کی تو اس تاریخ کو مسترد کرنا ہوگا۔ اس کا محکم حوالہ تلاش کرنے میں میں اب تک بہرحال ناکام رہا ہوں۔

[4] ایپی گرافیہ انڈیکا، چوتھا، ص ۲۸۳، ص ۲۸۸، اشلوک ۲۰۔ موازنہ کریں۔

सोप्यंगनानयनपाशनिरुद्ध बुद्धिरुन्मार्गसंगविमुखीकृतसर्वसत्वः ।

[5] ایضاً، تیرہ، ص ۳۲۸، ص ۳۲۹۔

سرداروں نے گووند چہارم کو خوب پریشان کیا۔

گووند چہارم کے بعد اس کا چچا امّوگھ ورش سوم 'بدیگ' تقریباً ۹۳۶ء میں تخت نشین ہوا۔ اس کے بارے میں ہمیں اس سے زیادہ نہیں معلوم کہ وہ ایک نیک آدمی تھا، نیز یہ کہ اس نے تری پوری کے کلچوری راجہ کیور ورش یووراج اوّل اور گنگ راجہ بوتنگ دوم سے ازدواجی رشتے قائم کیے۔ تری پوری کے راجہ کا وہ داماد تھا اور گنگ راجہ کا خسر۔ امّوگھ ورش کا عہد تقریباً ۹۴۰ء کے شروع میں ختم ہوگیا۔

کرشن سوم

امّوگھ ورش سوم کا جانشین اس کا لڑکا کرشن سوم ہوا جو معلوم ہوتا ہے اپنی ولیعہدی کے زمانے ہی میں کافی با اختیار ہوگیا تھا۔ اس کے ابتدائی کارناموں میں سے ایک یہ تھا کہ اس نے مغربی گنگ حکمراں راج مل کو بالکل فنا کر دیا اور اس کی جگہ بوتنگ دوم کو گدّی پر بٹھا دیا۔ دیولی کی تختیوں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ شک سمبت ۸۶۲ مطابق ۹۴۰ء سے تقریباً کچھ پہلے (جو ان تختیوں کی تاریخ ہے) جب کرشن نے شمالی ہند میں مہم سر کی تو گورجر کے دل میں کالنجر اور چترکوٹ سے متعلق جو امید وابستہ تھی وہ خاک میں مل گئی۔[ا] اگر اس عبارت کا گرجر پرتی ہار فرماں روا مہی پال ہی ہے تو ہمیں کرشن سوم اور اس کے گھرانے کے موروثی دشمنوں کے درمیان تصادم کی محکم شہادت مل جاتی ہے۔ درحقیقت یہ رائے کہ راشٹرکوٹ حملہ آور نے اپنے شمالی حریف سے کالنجر اور چترکوٹ چھین لیے، ہو سکتا ہے درست ہو، لیکن لوحی شہادت سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ کرشن کی فاتحانہ آمد کی خبر سن کر گرجر راجہ اس قدر خوفزدہ ہوا کہ وہ اپنے دو فوجی گڑھوں کے دفاع اور حفاظت سے بالکل مایوس ہوگیا۔ کرشن سوم اپنی فوجیں شمال کی طرف بھی لے گیا اس کا انکشاف کناڑی کے ایک کتبے سے ہوتا ہے جس پر کوئی تاریخ نہیں ہے۔ یہ کتبہ ریاست میہر (بگھیل کھنڈ) میں ایک پتھر کی سل پر کندہ ہے۔[۲] یہ بات اہم ہے کہ

[ا] ایضاً، پانچواں، صفحہ ۱۹۴، اشلوک ۲۵۔ اس سے موازنہ کریں۔

दक्षिणदिग्दुर्गविजयमाकर्ण्य गलिता गुर्जर हृदयात् चित्रकूटाशा ।

[۲] ایپی گرافیہ انڈیکا، نواں، صفحہ ۲۸۵، نمبر ۲۹

وہ تمام شاہانہ القاب اختیار کر لیتا ہے مثلاً پرم بھٹارک، مہاراجہ دھراج، اور پرمیشور اور اس جہت سے یہ امکان خارج از بحث نہیں ہے کہ وسط ہند کے کسی علاقے پر بحیثیت راجہ کے کرشن سوم کا قبضہ اس کے کسی بعد کے حملے کے نتیجے میں اس وقت ہوا جب پرتی ہاروں کی حکومت چندیلوں اور دوسرے سابقہ جاگیرداروں کے عروج کے باعث واضح طور پر زوال پذیر ہو چکی تھی۔

کرشن سوم کی سب سے زیادہ قابلِ ذکر فتوحات بہرحال وہ تھیں جو اسے جنوب میں حاصل ہوئیں۔ اس نے کچی (کانچی) پر قبضہ کر لیا اور تنجور فتح کرنے کے بعد اس نے "تن کچے یم گونڈ" کا فاخرانہ لقب اختیار کر لیا[1]۔ پران تک اول کے لڑکے چول راجہ راج آدتیہ کو تکولم (ارکونم کے قریب، ضلع شمالی ارکاٹ) کی مشہور جنگ میں سن ۹۴۹ء میں شکست ہوئی، جس میں اس کے برادرِ نسبتی گنگ سردار بوٹنگ دوم نے اسے مدد پہنچائی[2]۔ اس کی ان خدمات کے عوض جو اس نے جنگ میں انجام دیں اسے بن واسی اور دوسرے علاقے انعام کے طور پر مل گئے۔ اس طرح کرشن سوم تونڈ منڈلم پر قابض و متصرف ہو گیا۔ لیکن چول ریاست کا جنوبی علاقہ وہ اپنی سلطنت میں شامل نہ کر سکا۔ اس نے پانڈیوں اور کیرلیوں کے حوصلے پست کر دیے۔ کہتے ہیں کہ سنگھل (سیلون) کا راجہ بھی اس کا سلامی اور خراجی تھا۔ کرشن سوم کا ایک اور بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے امّ دوم کی کامیابی کے ساتھ مخالفت کی اور اپنے حلیف باڈپ پسر یدھ مل کو وینگی کی گدی پر بٹھا دیا۔

خاندان کا زوال

راشٹرکوٹ خاندان کے عظیم فرماں رواؤں میں کرشن سوم آخری تھا۔ ۹۶۸ء میں اس کے انتقال کے بعد خاندان کی عظمت خاک میں مل گئی۔ اس کے فرماں روا کھوٹنگ نتیہ ورش کے عہد میں جو کرشن سوم کا بھائی تھا راشٹرکوٹوں کے حالات اتنے ابتر ہو گئے کہ مالوے کے

---

[1] موازنہ کریں اس ترکیب لفظی سے "کچے چیم تن بنے یم کنڈا"

[2] ملاحظہ ہو آتکور کا کتبہ، مورخہ شک سمبت ۸۷۲ مطابق ۹۴۹ - ۹۵۰ء (ایپی گرافیہ انڈیکا، چھٹا، صفحہ ۵۳) جنگ کی روایت کے چول رُخ کے لیے ملاحظہ ہوں ترُوَالنگاڈو کی تختیاں (اے۔ ار۔ ای۔ پانچواں صفحہ ۲۳۲) نیز لیڈن کا فرمان (آرکیلاجیکل سروے آف ساؤتھ انڈیا، چوتھا، صفحہ ۲۳۱)۔

راجہ پرمار سی یک ہرش نے راشٹرکوٹ راجدھانی مانیہ کھیٹ کو خوب تاخت و تاراج کیا۔ کھوٹگ کا بھتیجا اور جانشین کرک دوم یا ککل حتمی طور پر ایک کمزور آدمی تھا، حالاں کہ ایک کتبہ بہت سے دشمنوں کو مغلوب کرنے کا سہرا اس کے سر رکھتا ہے۔ مغربی چالکیہ تیل دوم یا تیلپ کے حملوں کے مقابلے میں اس نے سن ۹۷۳ء میں ہتھیار ڈال دیے۔ اس طرح سوا دو صدی تک بڑی شان سے حکومت کرنے کے بعد راشٹرکوٹ راجاؤں کا نام پردۂ گمنامی میں چلا گیا۔

راشٹرکوٹ راجہ اور عرب

عرب سیاح اور مورخین راشٹرکوٹ راجاؤں کو طاقت ور حکمراں سمجھتے تھے۔ انھوں نے اس خاندان کو بلہرا کہا ہے جو سنسکرت اصطلاح ولبھ راج کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ مثال کے طور پر سلیمان نے ۸۵۱ء میں ایک راجہ کا ذکر کرتے ہوئے اُسے "دراز عمر بلہرا" کہا ہے جو اموگھ ورش اول کے مماثل ہے۔ وہ اسے دنیا کے چار عظیم فرماں رواؤں میں تسلیم کرتا ہے۔ باقی تین یہ تھے۔ خلیفۂ بغداد، شاہانِ قسطنطنیہ، چین۔ راشٹرکوٹوں نے عربوں سے ہمیشہ دوستانہ تعلقات رکھے اور انھیں تجارتی آسانیاں بہم پہنچائیں۔ یہ پالیسی بلاشبہ سیاسی حالات کے ماتحت اختیار کی گئی تھی۔ کیوں کہ "بوؤر" یا قنوج کے پرتی ہار حکمراں راشٹرکوٹوں اور عربوں کے یکساں دشمن تھے۔ اسی طرح المسعودی ۳۳۲ھ۔ مطابق ۹۴۳۔۹۴۴ء میں لکھتا ہے۔ "یہ بوؤر جو قنوج کا راجہ ہے، ہندوستان کے راجہ بلہرا کا دشمن ہے۔" آگے چل کر قنوج کے لشکر کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے "شمال کی فوج ملتان کے راجہ اور اس کی سرحد کی مسلمان رعایا کے خلاف لڑتی رہتی ہے۔ جنوب کی فوج منکر (یعنی مانیہ کھیٹ) کے راجہ بلہرا کے خلاف جنگ کرتی رہتی ہے۔" عربوں

؎ ایپی گرافیہ انڈیکا، اول، ص ۲۳۵، ص ۲۳۷، اشلوک ۱۲۔ موازنہ کریں

श्रीहर्षदेव इति खोट्टिगदेवलक्ष्मीं जग्राह यो युधि नगादसमप्रतापः।

دھن پال نے اپنی پائیۂ لچھی (اشلوک ۲۷۶) میں کہا ہے کہ اس نے اپنی کتاب اس وقت تصنیف کی جب وکرم سمت کے ۱۰۲۹ سال گزر جانے کے بعد منّ کھیڑ یا مانیہ کھیٹ پر مالو کے راجہ نے حملہ کیا اور اسے لوٹا کھسوٹا (ایپی گرافیہ انڈیکا، اول، ص ۲۲۶)

؎ ایلیٹ، ہسٹری آف انڈیا، جلد اول، ص ۱۳۔ ص ۲۳۔

کے ساتھ راشٹر کوٹوں کی دوستی ان کی مذہبی وسیع النظری کا، لیکن اسی کے ساتھ ان کی سیاسی ناعاقبت اندیشی کا پتہ دیتی ہے۔

مذہبی حالات

راشٹر کوٹوں ہی کے زمانے میں پرانوں کا ہندومت، خاص کر وشنو اور شیو کی پوجا دکن میں مقبول ہوگئی۔ راشٹر کوٹوں کی تانبے کی تختیوں کے فرمان ان دونوں دیوتاؤں سے دعائیہ انداز میں خطاب سے شروع ہوتے ہیں اور ان کی مہر پر "گرڑ" یعنی وشنو کی واھن (گاڑی) بنی ہوئی ہے، یا شیو کو یوگی کے آسن میں بیٹھے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ برہمنی یگیہ انجام دینے کا حال بھی ہمارے علم میں آتا ہے (مثلاً دنتی درگ نے اجین میں ھرنیہ گربھ نام کا یگیہ کیا، نیز تلا دان کا ذکر بھی سننے میں آتا ہے، جس میں راجہ مہاراجہ اپنے وزن کی برابر تول کر سونا خیرات کرتے تھے۔ اس کے علاوہ مندر تعمیر کرائے گئے جن میں مورتیاں رکھ دی گئیں۔ ان مورتیوں کی پرستش تمام جزوی تفصیلات کے ساتھ روزانہ کی جاتی تھی۔ ایلورا میں ایک شیو مندر تو ضرور ہے جسے پہاڑ کاٹ کر بنایا گیا ہے اس کے علاوہ بدقسمتی سے اس دور کی کوئی اور اہم یادگار باقی نہیں ہے۔ یہ مندر فن تعمیر کے عجائبات سے ہے۔ اسے کرشن اول نے وقف کیا تھا۔ ہندو دھرم کے علاوہ دوسرے مذاہب بھی وہاں سرسبز ہو رہے تھے۔ راشٹر کوٹ حکمرانوں نے جین مت کی سرپرستی کی، مثلاً اموگھ ورش اول، اندر چہارم، یہاں تک کہ کرشن دوم اور اندر سوم نے بھی جین مت کو پروان چڑھایا۔ لیکن بدھ مت کا حتمی طور پر زوال ہو گیا تھا۔ اموگھ ورش اول کے کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دکن میں بدھ مذہب کا مرکز کنہیری تھا۔[1]

فصل (۳)

کلیان کے مغربی چالکیہ[2]

تیلپ کا نسب

خاندان کی زمانہ مابعد کی دستاویزات پتہ دیتی ہیں کہ تیلپ کا مورث اعلیٰ کیرتی ورمن

(۱ اس صفحے کے فٹ نوٹ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

دوم کا کوئی چچا تھا جس کا نام معلوم نہیں ہے۔ کیرتی ورمن دوم سے راشٹر کوٹوں نے دکن کی حکومت چھین لی تھی۔ اس طرح تیلپ کی رگوں میں واتاپیوں کا خون موجزن تھا۔ بہر حال سررام کرشن بھنڈارکر کو اس سلسلۂ نسب کی صحت پر شبہ ہے[1]۔ ان کی رائے ہے کہ تیلپ "کسی دوسری بالکل غیر اہم شاخ" سے تعلق رکھتا تھا۔ دلیل یہ ہے کہ تیلپ اور اس کے جانشین قدیم چالکیوں کی طرح ہریتی کو اپنا مورث تسلیم نہیں کرتے، اور نہ مانویہ گوتر سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہیں۔

اس کی زندگی

تیلپ کا عروج بڑے ڈرامائی انداز میں ہوا۔ اس سے پہلے وہ راشٹرکوٹ راجاؤں ہی کا ایک جاگیر دار تھا[2]۔ پرمار فوجوں کے ہاتھوں مانیہ کھیٹ کی بربادی کے بعد جب اخرالغوی پہلی

(پچھلے صفحے کے فٹ نوٹ)

[1] انڈین اینٹی کوئریز، تیرہ، ص ۱۳۴، ص ۱۳۷

[2] ملاحظہ ہو آر۔ جی۔ بھنڈارکر، ارلی ہسٹری آف دکن، تیسرا ایڈیشن، فصل تیرہ، ص ۱۳۶۔ ص ۱۵۹؛ ایس۔ ایل۔ کٹاریے، "کلیانی کے چالکیہ"، انڈین کلچر، جلد ۴، نمبر ۱، ص ۴۳، ص ۵۲؛ انڈین ہسٹری کوارٹرلی، جلد سترہ، مارچ ۱۹۴۱، ص ۱۱۔ ص ۳۴؛ فلیٹ، ڈائنیسٹیز آف کناریز ڈسٹرکٹس، شک سمت ۹۱۵، مطابق ۹۹۳ء کا ایک کتبہ جو کا کھندکی سے دستیاب ہوا ہے، یہ دل چسپ معلومات بہم پہنچاتا ہے کہ تیلپ کا صدر مقام مانیہ کھیٹ تھا۔ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ تک مغربی چالکیوں کے زمانے میں بھی مانیہ کھیٹ دارالسلطنت رہا (آرکیالاجیکل سروے آف انڈیا، رپورٹ، ۱۹۳۰۔ ۱۹۳۴، ص ۲۴)۔ کلیان کا بحیثیت راجدھانی کے سب سے پہلا ذکر ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴ء کے ایک کتبے میں آتا ہے (ایضاً ۱۹۲۹۔ ۱۹۳۰ء)۔ (فٹ نوٹ صفحہ ہذا)

[1] ارلی ہسٹری آف دکن، ص ۱۳۶۔ ڈاکٹر الٹیکر نے اس سوال کو کھلا ہوا چھوڑ دیا ہے (راشٹرکوٹاز اینڈ دیر ٹائمس، ص ۱۲۵) نیز ملاحظہ ہو فلیٹ کی ڈائنیسٹیز آف دی کناریز ڈسٹرکٹس، ص ۴۱۔

[2] ڈاکٹر الٹیکر کی رائے ہے کہ جاگیردار کی حیثیت سے تیلپ "ریاست حیدرآباد کے شمالی حصے میں کہیں رہتا تھا" (راشٹرکوٹاز اینڈ دیر ٹائمس، ص ۱۳۰) بہرحال، ملاحظہ ہو آرکیالاجیکل سروے آف انڈیا رپورٹ ۱۹۳۰۔ ۱۹۳۴، ص ۲۴۔ ص ۲۴۱۔ ۹۶۵ء کے ایک کتبے میں جو یاگراڈی تعلقہ میں نرسنگی سے ملا ہے، ہمیں پتہ چلتا ہے کہ تیلپ کرشن سوم کے ماتحت ایک افسر تھا۔ اس سے بھی پہلے شک سمت ۸۷۹ مطابق ۹۵۷ء میں تیلپ تاباٴ تار دیوڈی کا حاکم تھا۔

تو اس سے فائدہ اٹھا کر تیلپ نے بڑی جرأت کے ساتھ کرشن دوم پر حملہ کر دیا جو اس مجادلہ میں یا تو کام آیا، یا اپنی ریاست کے کسی محفوظ مقام پر پناہ گزیں ہو گیا۔ اس سے تیلپ کی طاقت اور وقار میں اضافہ ہو گیا۔ لیکن اندر چہارم اور راشٹرکوٹ تخت کے دوسرے دعوے داروں کا سر کچلنے سے پہلے وہ اطمینان کا سانس نہیں لے سکتا تھا۔ چند سال کے اندر اس نے انھیں بھی زیر کر لیا اور نتیجہ میں چالکیہ بادشاہت کا قیام از سر نو عمل میں آ گیا۔ تیلپ نے اس کے بعد لاٹ (جنوبی گجرات) فتح کیا اور بارپ کو وہاں کا گورنر مقرر کر دیا۔ لیکن یہ فتح بہرحال دیرپا ثابت نہیں ہوئی۔ انہل واڑ کے مول راج چالکیہ نے بارپ کو وہاں سے بے دخل کر دیا۔ تیلپ نے کنتل یا کناڑی دیش کو بھی زیر نگیں کر لیا۔ حالاں کہ چیدیوں اور چولوں پر اس کی فتوحات کا دعویٰ حقیقت پر مبنی معلوم نہیں ہوتا۔ اس کی شمالی سرحدوں کو واک پتی منج پرمار سے مستقل خطرہ لاحق رہا جس نے میروتنگ کی سند کے مطابق تیلپ کو کم از کم چھ بار شکست دی۔ اس کہانی میں جہاں تک بھی سچائی ہو، لیکن یہ بات درست ہے کہ اس دو بدو جنگ کے نتیجے میں تیلپ کا انجام بہت المیہ انداز میں ہوا۔ کہتے ہیں کہ اپنے دانش ور وزیر کے منع کرنے کے باوجود وہ گوداوری پار کر کے دشمن کے علاقے میں بڑھا چلا گیا یہاں تک کہ اُسے گرفتار کر لیا گیا اور نتیجہ میں تہ تیغ کر دیا گیا[1] اس طرح چالکیوں اور پرماروں کے درمیان جنگ کا سلسلہ جو ایک عرصے سے ٹل رہا تھا، اب پھر جاری ہو گیا۔ تک بھگ ۲۴ سال حکومت کرنے کے بعد تقریباً ۹۹۷ء میں تیلپ[2] کا انتقال ہو گیا۔

تقریباً ۹۹۷ء تا ۱۰۴۲ء

تیلپ کے بعد اس کا لڑکا ستیا شرے گدی پر بیٹھا۔ اس کے دورِ حکومت (تقریباً ۹۹۷ء - ۱۰۰۸ء) میں چول فوجوں نے راج راج اول کے ماتحت چالکیہ ریاست میں بڑی بے دردی سے قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ بہر حال، ستیا شرے نے اس زبردست جھٹکے کو برداشت کیا اور بہت جلد اپنے کو سنبھال لیا۔ اس نے بھی جنوب میں چول ریاست کو

---

[1] یا، کیا یہ چھوٹے چھوٹے چیدی اور چول سرداروں کے خلاف مقامی جھڑپیں تھیں ؟

[2] ملاحظہ ہوں گزشتہ صفحات

تاخت وتاراج کرنے میں تھوڑی بہت کامیابی حاصل کی۔ اس کے بعد اس کے بھتیجے وکرمادتیہ پنجم[1] نے کچھ دنوں حکومت کی۔ اس کے عہد میں بھوج پرمار نے واک پتی منج کے قتل اور تذلیل کا بدلہ لینے کے لیے چالکیوں پر حملہ کر دیا اور وکرمادتیہ پنجم کو شکست دی[2]۔ اس طرح تمام پرانے بدلے لینے کے بعد بھوج دکن میں اپنی وفاقی قیادت قائم کرنے کے لیے منصوبے بنانے لگا۔ اس مقصد کے پیش نظر اس نے اُنہل واڑ کے بھیم اول اور کلچوری[3] راجہ سے بڑی چابک دستی کے ساتھ صلح کر لی۔ لیکن ایک کتبہ ہمیں پتہ دیتا ہے کہ شک سمبت ۹۴۱ مطابق ۱۰۱۹ء سے کچھ ہی پہلے جب وکرمادتیہ پنجم کے جانشین جے سنگھ دوم جگ دیک مل (تقریباً ۱۰۱۶۔ ۱۰۴۲ء) نے اُسے شکست دے کر مالوی ریاستی جتھے بندی کے ٹکڑے اڑا دئے تو بھوج کے تمام حوصلے پست ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ چالکیہ حکمراں نے راجیندر چول اول پر بھی غلبہ حاصل کر لیا، حالاں کہ چول لوحی شواہد سے اس کی تردید ہوتی ہے۔

سومیشور اول آہو مل (۱۰۴۲ - ۱۰۶۸ء)

۱۰۴۲ء میں جے سنگھ دوم جگ دیک مل کی جگہ اس کا لڑکا سومیشور اول تخت نشین ہوا جس کے دوسرے "ورودے" (القاب) "آہومل" اور "ترے لوکیہ مل" بھی ہیں۔ اس کا باپ چالوکیہ طاقت کو مجتمع کر ہی چکا تھا، اس لیے سومیشور اول کو اپنے گھرانے کے دیرینہ دشمنوں، چولوں اور پرماروں کے خلاف جنگ کرنے کا اچھا موقع ملا۔ مسلسل فوجی سرگرمیوں کے باعث بھوج کا خزانہ خالی ہو گیا تھا۔ سومیشور نے اس سے فائدہ اٹھا کر مالوہ پر حملہ کر دیا اور مانڈو اور دھارا کو تاخت وتاراج کر ڈالا۔ پرمار فرماں روا مقابلے کی تاب نہ لا سکا اور اجین کی طرف بھاگ گیا۔ چالکیہ فوجوں نے اجین کو بھی تسخیر کر لیا اور خوب غارت گری کی۔ بعد ازاں بھوج اپنی راجدھانی میں واپس آگیا اور اس پر پھر اپنا قبضہ جما لیا۔ بہر حال،

---

[1] سر آر جی بھنڈارکر نے اسے وکرمادتیہ اول کہا ہے (ارلی ہسٹری آف دکن، صفحہ ۱۴۰، حاشیہ ۔ ۱۵)

[2] بعض عالموں نے مغلوب چالکیہ راجہ کو جے سنگھ دوم کے مماثل قرار دیا ہے۔

[3] یہ بات قابل غور ہے کہ گانگیہ دیو کلچوری کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے کنتل کے راجہ کے مقابلے میں، جو غالباً چالکیہ حکمراں تھا، فتح حاصل کی۔

نحوست کے بادل تیزی سے پھر چھا گئے۔ انہل واڑ کے بھیم اول (تقریباً ۱۰۲۲-۱۰۶۴ء) اور لکشمی کرن کلچوری (تقریباً ۱۰۴۱-۱۰۷۲ء) دونوں بھوج کے خلاف متحد ہو گئے اور اس کی ریاست پر دو طرف سے حملہ کر دیا۔ جنگ کے دوران میں بھوج کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد دونوں حلیفوں میں بھی مال غنیمت کی تقسیم کے سوال پر اختلافات پیدا ہو گئے۔ اس موقع پر جے سنگھ نے جو بھوج کے بعد پرمار گدی کا دعوے دار تھا، اپنے گھرانے کے سابقہ دشمن سومیشور اول سے مدد مانگی۔ سومیشور نے فوراً لبیک کہی کیوں کہ وسط ہند کے سیاسی توازن میں معمولی سا انتشار چالکیہ حکمراں کے لیے بھی خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ سومیشور اول نے متحدہ فاتح افواج کو مالوے سے باہر نکال دیا اور جے سنگھ کو مالوے کی گدی پر بٹھا دیا۔ اس طرح وقت کے بدلتے ہوئے سیاسی حالات میں یہ ایک نیا موڑ آیا کہ چالکیوں اور پرماروں کے درمیان تعلقات خوش گوار ہو گئے اور سومیشور اول کو اپنی فوجیں شمال کی جانب لے جانے کا موقع مل گیا۔

لیکن قبل اس کے کہ ہم حملوں کا ذکر کریں، مناسب ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ اس نے اپنے دشمنوں کے ساتھ جنوب میں کیا سلوک کیا۔ چول کتبوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی موبی نقل و حرکت کے نتیجے میں چالکیہ حکمراں کو کافی نقصانات اٹھانے پڑے۔ حقیقت کچھ بھی ہو، معلوم ہوتا ہے ۱۰۵۲ء میں کوپتم[1] کی جنگ کا نتیجہ جس میں راجہ دھراج کام آیا، بہر صورت چولوں کے حق میں برآمد نہیں ہوا۔ دراصل وکرمانک دیو چرت کا مشہور و معروف مصنف بلہن ہمیں مطلع کرتا ہے کہ ایک دفعہ سومیشور اول کانچی پر بھی ٹوٹ پڑا جو اس وقت چول ریاست کا ایک اہم گڑھ تھا۔ ان لڑائیوں میں اس کے بیٹے وکرمادتیہ (ششم) نے، جو ایک بہادر نوجوان تھا، بڑی قابلیت سے اس کا ساتھ دیا۔ جب سومیشور اول جنوب کے افکار سے آزاد ہو گیا تو اس نے گنگا کے رجھانے والے دوآب کی طرف توجہ مبذول کی جہاں پرتی ہار سلطنت کا شیرازہ بکھرنے کے بعد حملہ آوروں کی پے در پے غارت گری کے باعث افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے لشکر نے کوچ کیا اور جب وہ وسط ہند سے گزرا تو چندیلوں اور کچھپ گھاتوں

---

[1] کوپتم کو کھدرا پور کے مماثل بنایا گیا ہے جو کرشنا اور پنچ گنگا دریاؤں کے سنگم پر واقع تھا۔ اپی گرافیا انڈیکا جلد ۲۰، ص ۲۴۱، ص ۲۹۵۔ جنگ کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہوں ساؤتھ انڈین انسکرپشنز، تیسرا، ص ۲۹، ص ۱۳، ص ۱۳ وغیرہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سومیشور اول کے زمانے کے چالکیوں کے کتبوں میں کوپتم کی جنگ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

نے اس کی کوئی مزاحمت نہیں کی۔ یوُدُ کی تحقیق[1] سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کانیہ کبج کے راجہ نے جو اس ہنگامی دور میں وہاں حکومت کرنے والے راشٹر کوٹ راجاؤں میں سے کوئی تھا[2] سومیشور اول کی طاقت سے خوف زدہ ہو کر "بہت جلد غاروں کو اپنا مسکن بنا لیا"۔ چالکیوں کی اس مہم سے، نیز مشرق میں اس کی ترقی کی رفتار سے لکشمی کرن کلچوری، جو اپنے عروج کے زمانے میں مدھیہ پردیش پر تھوڑا بہت قابو رکھتا تھا، قطعاً بے تعلق نہیں رہ سکتا تھا[3] چناں چہ اس نے ان کی بڑھتی ہوئی رفتار کو روکنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کی تمام کوششیں رائگاں گئیں اور اُسے شکست کھانی پڑی۔ سومیشور اول کے جوشیلے بیٹے وکرما دتیہ (ششم) نے بہار، مگدھ، انگ، ونگ اور گوڑ کو تاخت و تاراج کیا اور پال حکومت نے جو دم توڑ رہی تھی اس کی کوئی مزاحمت نہیں کی۔ کام روپ کے رتن پال نے بہرحال چالکیہ فوج کو پسپا کر دیا اور اس کے بعد یہ فوج جنوبی کوشل ہوتی ہوئی وطن واپس لوٹ آئی۔ اس طرح سومیشور اول کے عہد میں چالکیہ کافی مضبوط ہو گئے اور ان کے اثرات کو ہندوستان کے دور دراز علاقوں میں محسوس کیا جانے لگا۔

سومیشور اول نے کلیان (نظام کی ریاست میں موجودہ کلیانی) میں ایک نئی راجدھانی کی بنیاد رکھی اور اُسے ایک خوش حال شہر بنا دیا۔ ۱۰۶۸ء میں اس کا انتقال کچھ عجیب حالات میں ہوا۔ کہتے ہیں کہ اسے نہایت شدید قسم کا بخار آیا اور جب مرض لا علاج ہو گیا تو وہ بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منتر پڑھتا ہوا تنگ بھدرا کے پانی میں اترا اور اسی میں ڈوب گیا[4]

سومیشور دوم بھوونیک مل

سومیشور اول آہومل کا جانشین اس کا بڑا لڑکا یوُوراج سومیشور دوم ہوا جسے بھوونیک مل بھی کہتے ہیں۔ تخت نشینی بالکل پُر امن طور پر ہو گئی۔ اس کا چھوٹا بھائی وکرما دتیہ،

---

[1] انڈین اینٹی کوئریز ۔ آٹھواں، صفحہ ۱۹ ۔ موازنہ کریں

कन्याकुब्जाधिराजो भजति च तरसा कन्दरस्थानमादेरुद्दामो
यत् प्रतापप्रसरभर भयोद्भूतिवि-
भ्रान्तचित्त : ।

[2] ہسٹری آف قنوج، صفحہ ۲۸۹، صفحہ ۱۹۰

[3] ایضاً صفحہ ۱۹۵

[4] اسے جل سمادھی کہتے ہیں (دی ارلی ہسٹری آف دکن، صفحہ ۳۴۴، حاشیہ ۳۱)

جس کے سر آہو مَل کے بیشتر فوجی کارناموں کا سہرا ہے، اس وقت وینگی دیش میں چولوں کے خلاف مہم میں مصروف تھا۔ باپ کے انتقال کے بعد اندوہناک خبر سن کر وکرمادتیہ تیزی کے ساتھ راجدھانی کی طرف لوٹا اور نئے راجہ کی اطاعت قبول کر لی لیکن، جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے، زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ دونوں بھائیوں کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سومیشور دوم کے ہاتھ سے گدی نکل گئی۔ کسی بات سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ سومیشور دوم نے کوئی خاص امتیاز حاصل کیا۔ آٹھ سال کے عہد میں اس کا واحد کارنامہ یہ تھا کہ اس نے مالوہ کے جے سنگھ پر، جو وکرمادتیہ کا حامی تھا، حملہ کیا جس میں اسے کامیابی حاصل ہوئی۔

وِکرمادِتیہ ششم تِرِی بُھوَن مَل (۱۰۷۶-۱۱۲۶ء)[1]

بِلہن کی وِکرمانک دیوچرت ان واقعات پر بڑی دل چسپ روشنی ڈالتی ہے جو وکرمادتیہ یا وِکرمانک کے راج گدی حاصل کرنے تک پیش آئے۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سومیشور دوم بھُونیک مَل بڑا ظالم اور شکی آدمی تھا، اس لیے رعایا میں بے اطمینانی پھیل گئی۔ وکرمادتیہ کو بھی اس سے کوئی ہمدردی نہیں رہی۔ چناں چہ وکرمادتیہ اپنے وفادار ساتھیوں اور چھوٹے بھائی جے سنگھ کو لے کر راجدھانی سے باہر آیا اور یہ سب تنگ بھدرا پر جمع ہو گئے۔ پھر بنواسی دیش (شمالی کنارا) سے گزر کر وکرمادتیہ اپنی فوجی صلاحیتوں کو بروئے کار لایا اور کوکن کے حکمراں جے کشن اور دوسری جنوبی طاقتوں کو زیر کیا۔ اس کے بعد وکرمادتیہ نے چول راجہ ویر راجیندر سے زور آزمائی کی جو نہ صرف اس سے صلح کرنے پر مجبور ہو گیا بلکہ اس نے اپنی لڑکی کی شادی بھی اس کے ساتھ کر دی۔ لیکن اس رشتے نے وکرمادتیہ کو تازہ مشکلات میں مبتلا کر دیا، کیوں کہ ویر راجیندر کے مرنے کے بعد جب چول ریاست میں ابتری پھیلی، تو اسے انتہائی سرعت کے ساتھ اپنے برادرِ نسبتی کی مدد کے لیے کانچی جانا پڑا۔ آخر الذکر کا رشتۂ حیات وینگی کے کلوتنگ نے منقطع کر دیا جس نے وکرمادتیہ کے متوقع حملے کی روک تھام کے لیے سومیشور دوم سے اعانت طلب کی۔ وکرمادتیہ نے فوراً مبارزت قبول کر لی اور دونوں حریفوں کو شکست دے دی۔ سومیشور دوم کو گرفتار کر لیا گیا اور نتیجہ میں اسے گدی سے اتار دیا گیا۔

---

[1] سر آر۔ جی۔ بھنڈارکر نے اسے وکرمادتیہ دوم کہا ہے (ارلی ہسٹری آف دکن ص ۱۴۵)

اسی طرح وکرما دتیہ ششم نے ۱۰۷۶ء میں کلیان کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی اور یہی چالکیہ وکرم سمبت کے آغاز کا سال ہے۔

وکرمادتیہ ششم بلاشبہ خاندان کی سب سے نمایاں شخصیت تھی۔ راجہ بننے کے بعد اس نے اپنی تمام تر قوتیں فوجی مہموں سے زیادہ امن کے کاموں پر صرف کیں۔ اس نے علم و فن کو فروغ دیا اور اس کا دربار نزدیک و دور کی ممتاز شخصیتوں کے لیے پرکشش بن گیا۔ نامور کشمیری مصنف بلہن اس کا وہ مربی و محسن تھا جس نے اپنے ممدوح کی فوجی مہموں کو اپنی وکرمانک دیو چرت کے ذریعہ غیر فانی بنا دیا۔ اس نے وگیانیشور کی بھی سرپرستی کی جس نے متاکشرا تصنیف کی جو ہندو قانون پر ایک مستند رسالہ ہے۔ اس سے بہرحال یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وکرمادتیہ ششم کا لگ بھگ نصف صدی کا طویل عہد محض "فتوحاتِ امن" کے لیے ہی ممتاز رہا، بلکہ اسے وقتاً فوقتاً اپنی تلوار نیام سے باہر نکالنی پڑی۔ دراصل جب اس نے پرماروں سے دوستی کی تجدید کی تو وہ انہل واڑے کے چالکیوں سے دشمنی کے جنجال میں پھنس گیا۔ وکرمادتیہ ششم کو ایک اور شورش کا سامنا کرنا پڑا، یعنی اس کے چھوٹے بھائی جے سنگھ نے بغاوت کر دی جسے اس نے بنواسی کے صوبے کا وائسرائے مقرر کر دیا تھا۔ لیکن جے سنگھ کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے باوجود بغاوت ناکام ہوئی اور وکرمادتیہ نے اس پر قابو پا لیا۔ اس کے علاوہ وکرمادتیہ نے چول راجہ اور ہوائے سل وشنو وردھن کے حملوں کا سدباب کیا جنھوں نے اس کی زندگی کے آخری ایام میں اس سے ٹکر لینے کی کوشش کی تھی۔

بعد کے حکمراں

وکرمادتیہ ششم کے بیٹے اور جانشین سومیشور سوم بھولوک مل نے ۱۱۲۶ء سے ۱۱۳۸ء تک حکومت کی۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ ٹھیک ٹھیک نہیں کہا جا سکتا کہ اس سے منسوب مہموں کی داستان قابلِ اعتبار ہے یا نہیں، لیکن یہ بات یقیناً درست ہے کہ اس نے علم و فن کی حوصلہ افزائی کی۔ اور خود مانس اولاس تصنیف کی جو مختلف موضوعات پر روشنی ڈالتی ہے۔ سومیشور سوم کا لڑکا جگ دیک مل دوم (تقریباً ۱۱۳۸ء تا ۱۱۵۱ء) معلوم ہوتا ہے قابلِ ذکر شخصیت کا مالک تھا۔ ہوائے سلوں کی بے جا مداخلت کی روک تھام کرنے کے بعد جگ دیک مل نے جے ودمن پرمار پر حملہ کر دیا اور اس سے مالوہ کا کچھ حصہ جھپٹ لیا۔

انہل واڑ کے کمار پال نے مالوہ میں اس دست درازی کو سخت ناپسند کیا اس لیے جگ دیک مل کی اگلی جھڑپ کمار پال سے ہوئی۔ اس کے بھائی تریلوکیہ مل یا تیل کے زمانے میں کلچوری وزیر جنگ وجل یا وجن کی حریصانہ اور بافساد سرگرمیوں کے باعث مغربی چالکیہ ریاست میں کافی تخفیف ہو گئی تھی۔ بعض برہم و غیر مطمئن جاگیرداروں کی مدد سے وجل نے اپنے راجہ کو جنوب کی طرف بھگا دیا اور ۱۱۵۷ء میں خود راج گدی پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد چالکیہ حکومت تقریباً ۲۵ سال تک تعطل کی حالت میں رہی لیکن ۱۱۸۲ء میں تریلوکیہ مل یا تیل کے بیٹے ویر سوم یا سومیشور چہارم نے اپنے آبائی علاقوں کا ایک حصہ پھر حاصل کر لیا اور انی گیری (ضلع دھارواڑ) کو اپنی راجدھانی بنایا۔ کم از کم ۱۱۸۹ء تک اس کی حکومت پھلی پھولی، لیکن اس کے بعد اس کے متعلق کوئی بات سننے میں نہیں آتی۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ دیوگری کے یادوؤں اور دوار سمدر کے ہوائے سلوں کے خلاف دو محاذوں پر اپنی باقی ماندہ ریاست کا دفاع کرتے ہوئے وہ ہلاک ہو گیا۔

کلچوری حکومت کا غاصبانہ دور

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، وجل یا وجن نے ۱۱۵۷ء میں مغربی چالکیہ حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا اور خاندان کے ایک نئے سلسلے کا آغاز کیا جس کا مختصر وجود ۱۱۸۲ء تک باقی رہا۔ اس کا تعلق کلچوری نسل سے تھا اور ابتدا میں تریلوکیہ مل یا تیل کا وہ مہا منڈلیشور اور دنڈ نائک رہ چکا تھا۔ وجل نے رفتہ رفتہ اپنی طاقت بڑھانی شروع کر دی اور ۱۱۶۲ء تک اس نے تمام شاہانہ القاب بھی اختیار کر لیے۔ اس کے عہدِ حکومت کو باسو نے یادگار بنا دیا ہے۔ باسو نہ صرف اس کے وزیر خاص کے معزز عہدے پر فائز تھا، بلکہ اس نے اس عہد کی مذہبی تاریخ میں بھی کافی اہم رول ادا کیا۔ اس نے ایک نئے مذہبی فرقے کی بنیاد رکھی جس کے ماننے والے ویر شیو یا لنگایت کہلاتے ہیں۔ ان کی کافی تعداد آج بھی کنارا ملک اور میسور میں پائی جاتی ہے۔ وہ لنگ کی صورت میں شیو اور شیو کی واہن (گاڑی) نندن کے سچے پجاری ہیں مگر وہ ویدوں کو الہامی مانتے ہیں اور نہ ان کی تقدس کے قائل ہیں۔ ان کی مقدس کتابیں بھی ہیں، جن میں سے ایک باسو پران ہے۔ وہ ذات پات کے قائل نہیں ہیں اور ہندو دھرم کے مروجہ معتقدات سے دوسرے سماجی اور اصولی اختلافات رکھتے ہیں۔ باسو کا مذہب

بہت تیزی سے پھیلنے لگا اور جین مت کے ماننے والوں کی تعداد خاص طور سے گھٹنے لگی۔ وِجّل جین مت کا پیرو تھا، اُسے یہ بات پسند نہیں آئی، چناں چہ ان کے باہمی تعلقات میں کشیدگی پیدا ہوگئی۔ کہتے ہیں کہ باسَوَ نے بہت جلد وِجّل کا خاتمہ کر دیا۔ حقیقت کچھ بھی ہو، وِجّل کے بیٹے سووِی دیو یا سوم نے باسَوَ پر قابو پانے کی کوشش کی اور غالباً کامیاب بھی ہوا، لیکن سووِی دیو کے جانشین محض برائے نام تھے اور ہم ان کے متعلق بہت کم جانتے ہیں۔ ۱۱۸۲ء میں سومیشور چہارم نے آخری کلچوری حکمراں کا خاتمہ کر دیا اور اس طرح مغربی چالکیوں نے ایک بار پھر کچھ عرصے کے لیے شہرت حاصل کر لی۔

فصل (۴)

دیوگری کے یادو حکمراں[1]

اصل اور عروج

یادوؤں کو یدو کی نسل سے بتایا جاتا ہے۔ مہابھارت کے ہیرو کرشن بھی اسی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ بدقسمتی سے ان کی ابتدائی تاریخ تاریکی میں ہے، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ جب مانیہ کھیٹ اور کلیان کے چالکیہ دکن میں حکومت کر رہے تھے تو وہ ایک جاگیر دار خاندان کی حیثیت رکھتے تھے۔ چالکیوں کے زوال کے بعد یادو نمایاں ہونے لگے اور بہت جلد انھوں نے ایک وسیع سلطنت قائم کر لی۔ خاندان کی سب سے پہلی قابلِ ذکر شخصیت بھلّم پنجم کی تھی۔ ہوائے سلوں کے حملوں نیز کلچوریوں کے غاصبانہ قبضے کے باعث چالکیہ راج دم توڑ رہا تھا۔ بھلّم پنجم نے اس سے فائدہ اٹھا کر تقریباً ۱۱۸۷ء میں سومیشور چہارم کے کمزور ہاتھوں سے کرشنا سے شمال کے علاقے جیت لیے۔ بھلّم پنجم نے دیوگری یعنی ریاست حیدرآباد میں موجودہ دولت آباد کو اپنی راجدھانی قرار دیا اور تمام شاہانہ القاب بھی اختیار کر لیے۔ اس کی شاہانہ فوجیں جنوب کی طرف بہر حال زیادہ نہ بڑھ سکیں کیوں کہ ۱۱۹۱ء میں یا اس کے قرب وجوار

---

[1] آر۔ جی۔ بھنڈارکر، اَرلی ہسٹری آف دکن، تیسرا اڈیشن، فصل چودہ، ہندرہ، ص ۱۰۱ تا ۱۰۹؛ بامبے گزیٹیر جلد ایک، حصہ دو۔

میں ہوائے سل راجہ ویربلال نے نکلنڈی (ضلع دھارواڑ) کی جنگ میں اسے شکست دے دی اور غالباً قتل کر دیا۔ بھلم کا جانشین اس کا لڑکا جے تنگی یا جیتر پال اول (تقریباً ۱۱۹۱-۱۲۱۰ء) ہوا جس نے ایک شدید مجادلہ کے دوران تیلنگری (تمری کلنگوں) کے راجہ رُو دُرّ دیو کو قتل کر دیا۔ اور اس کے بھتیجے گن پتی کو کاک تیہ گدّی پر بٹھا دیا۔ اس طرح یادووں نے رفتہ رفتہ اپنے معاصرین پر اثرات قائم کرنے شروع کر دیے۔

سنگھن

جے تنگی اول کا لڑکا سنگھن یادو سلسلہ کا سب سے زیادہ جوشیلا آدمی تھا۔ کہتے ہیں کہ تقریباً ۱۲۱۰ء سے ۱۲۴۷ء تک کے طویل دورِ حکومت میں اس نے بہت سے علاقے فتح کر ڈالے ۱۲۱۵ء میں اس نے ویر بھوج کو شکست دی اور پرنال یا پنہال کا قلعہ فتح کرنے کے بعد کولھاپور کی شلاہار ریاست کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ علاوہ بریں سنگھن نے اپنے دادا کی ہزیمت کا بدلہ لیا اور ویر بلال دوم ہوائے سل کو شکست دے کر اپنی حکومت کرشنا پار تک پھیلالی۔ یادو حکمراں نے دوسرے مخالفین مثلاً مالوہ کے ارجن ورمن اور چینس گرمہ کے چیدی سردار جاجلّ سے بھی بڑی کامیابی کے ساتھ زور آزمائی کی اور وگھیل راجاؤں کے عہد میں گجرات پر کم از کم دو بار حملہ کیا۔ سنگھن کے ان فوجی کارناموں کے باعث یادو ریاست کے حدود اتنے ہی مرعوب کن ہوگئے جتنے مغربی چالکیوں کے تھے۔

سنگھن کے دربار کی رونق سارنگ دھر تھا جس کا خاص علمی کارنامہ موسیقی پر ایک تصنیف ہے جو سنگیت رتناکر کے نام سے موسوم ہے۔ اس کی ایک شرح آج تک باقی ہے اور شواہد اس کے حق میں ہیں کہ یہ شرح خود راجہ کی تصنیف ہے[1]۔ سنگھن کے دربار کی دوسری ممتاز شخصیت ہیئت داں چانگ دیو کی تھی جس نے بھاسکر آچاریہ کی سِدھانت شرومنی اور ہیئت پر اس کے دوسرے رسالوں کے مطالعے کے لیے پٹنہ (ضلع خاندیش) میں ایک مدرسہ (مٹھ) قائم کیا[2]۔

---

[1] یا یہ سمجھنا چاہیے کہ اس کے درباری شاعروں میں سے کسی نے یہ شرح تصنیف کر کے اس سے منسوب کر دی۔

[2] ارلی ہسٹری آف دکن، ص ۱۹۳ معہ ۱۹۵۔

بعد کے یادو راجہ

سِنگھن کے بعد راج گدّی اس کے پوتے کرشن یا کنہر کو ملی (تقریباً ۱۲۴۷ء – ۱۲۶۰ء) معلوم ہوتا ہے کہ مالوہ، گجرات اور کونکن کے راجاؤں سے اس نے بھی ٹکر لی۔ کرشن برہمن مت کا مخلص پیرو تھا۔ جَلہن کی نظموں کا مجموعہ سوکتی مکتاولی، اور اَملانند کی ویدانتی شرح ویدانت کلپترو، اسی کے دور کی یادگار ہیں۔

کرشن کے بعد اس کا بھائی مہادیو راجہ ہوا۔ (تقریباً ۱۲۶۰ – ۱۲۷۱ء) جس کے بارے میں شواہد یہ ہیں کہ اس نے کونکن کو شلاہاروں کے قبضے سے نکال کر اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ "کرناٹ اور لاٹ کے مغرور حکمرانوں کی حالت مضحکہ خیز بنا دی" اور کاکتیہ رانی رُودرآمبا پر اپنی ہیبت طاری کر دی۔ مہادیو اور رام چندر یا رام راج (تقریباً ۱۲۷۱ – ۱۳۰۹ء) کے زمانے میں عظیم برہمن وزیر (منتری) ہیماڈری یا ہیماڈرپنت موجود تھا جو ہندو دھرم شاستر پر کئی کتابوں کی تصنیف کے لیے مشہور ہے۔ اس کی سب سے اہم تصنیف چترورگ چنتامنی ہے جو چار حصّوں اور ایک ضمیمہ پر مشتمل ہے۔ کہتے ہیں کہ اس نے مندر تعمیر کرنے کا ایک خاص طریقہ دکن میں رائج کیا اور غالباً موڑی رسم خط ایجاد کیا یا اس میں اصلاح کی۔ ہمیں مزید معلوم ہوتا ہے کہ رام چندر نے گیانیشور نامی سادھو کی سرپرستی کی جس نے ۱۲۹۰ء میں بھگود گیتا کی مراہٹی شرح لکھی۔

مسلم حملے

رام چندر ہی کے عہد میں مسلم فوج نے علاؤالدین کی قیادت میں جو اس وقت کڑا کا گورنر تھا، جنوب کی طرف کوچ کیا اور ۱۲۹۴ء میں یکلخت دیوگری کا محاصرہ کر لیا۔ رام چندر نے قلعہ میں پناہ لی اور اس کا بیٹا شنکر اس کی مدد کے لیے آگے بڑھا۔ لیکن اس سے کچھ کام نہ چلا اور رام چندر کو بڑی شرمناک شرائط پر صلح کرنی پڑی جس کی رو سے اُسے "۶۰۰ من موتی، دو من جواہرات ۱۰۰۰ من چاندی، ۴۰۰۰ ریشمی چادریں اور دیگر بیش قیمت اشیا" علاؤالدین کو دینے کے لیے راضی ہونا پڑا۔ اس کے علاوہ اس نے ایلچ پور علاؤالدین کے حوالہ کر دیا اور دہلی کو سالانہ خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا[1]۔ بہرحال سالانہ خراج کی ادائیگی پابندی سے نہ ہو سکی

---

[1] برگس، فرشتہ، جلد ۱، ص ۳۱۰

اور جب علاؤالدین برسرِ حکومت آیا تو اس نے ۱۳۰۷ء میں اپنے ایک معتمد سپہ سالار ملک کافور کو دیوگری بھیجا۔ رام چندر کو گرفتار کر کے دہلی لایا گیا[1] لیکن علاؤالدین نے اسے رہا کر کے اس کی وفاداری حاصل کر لی۔ ۱۳۰۹ء میں رام چندر مر گیا اور اس کے فوراً بعد اس کے جانشین شنکر نے خراج ادا کرنا بند کر دیا۔ یہ عمل متقاضی ہوا کہ انتقامی کارروائی عمل میں لائی جائے۔ چناں چہ ۱۳۱۲ء میں ملک کافور نے شنکر کو شکست دی اور اسے قتل کر دیا۔ اس طرح یادو خاندان کا انجام نہایت شرمناک حالات میں ہوا۔ بعد ازاں رام چندر کے داماد ہرپال نے مسلمانوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ بہر حال اسے بھی کچل دیا گیا، اور سلطان مبارک کے حکم سے بڑی بربریت کے ساتھ اس کے زندہ جسم سے کھال کھنچوائی گئی۔

فصل (۵)

وارنگل کے کاک تیہ

اصل

کاک تیہ نام کا بالکل ٹھیک ماخذ غیر یقینی ہے۔ بعض اوقات لفظ "کاکت" سے اس کا تعلق ظاہر کیا گیا ہے جس کے معنی "کوا" ہوتے ہیں۔ یا مقامی روپ میں درگا دیوی کے نام سے جوڑ ملانے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن یہ قیاسات تنقید کی کسوٹی پر مشکل ہی سے پورے اتر سکیں گے۔ کاک تیوں کے حسب نسب کے بارے میں بھی ہماری معلومات قطعی نہیں ہے۔ ان کا روایتی سلسلۂ نسب، جس میں رگھو کے خاندان کے کئی نام شامل ہیں ظاہر کرتا ہے کہ وہ سورج ونشی کشتریہ تھے۔ دوسری طرف ضلع نلور کے متعدد کتبوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کاک تیہ شودر تھے۔

مختصر حالات

شروع میں کاک تیہ بعد والے چالکیوں کے جاگیردار تھے۔ چالکیوں کے زوال کے بعد

---

[1] ایلیٹ، ہسٹری آف انڈیا، تیسرا، صـ۱۵۷، صـ۲۰۰

انھوں نے تلنگانہ میں زور پکڑ لیا اور اپنی علیحدہ حکومت قائم کر لی جو اس وقت تک باقی رہی جب سلطان احمد شاہ بہمنی نے ۱۴۲۴۔ ۱۴۲۵ء میں تلنگانہ فتح کیا۔ پہلے کاک تیہ حکومت کا صدر مقام اَنم کونڈ (یا ہنم کونڈ) تھا لیکن بعد میں وارنگل (یا اورنگلو) کو راجدھانی بنا دیا گیا۔ پہلا راجہ جس نے خاندان کا نام اونچا کیا پرول راج تھا جس کے ایک کتبہ پر چالکیہ وکرم سمبت ۴۲ مطابق ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸ء مندرج ہے اس نے مغربی چالکیوں کے خلاف جنگ میں امتیاز حاصل کیا اور طویل عرصے تک حکومت کی۔ رُوذر (حساب لگانے کے بعد تقریباً ۱۱۶۰ء) اور اس کے چھوٹے بھائی مہادیو کے بعد مہادیو کا لڑکا گنپتی ۱۱۹۹ء میں کاک تیہ گدی پر بیٹھا وہ خاندان کا سب سے طاقت ور حکمراں ثابت ہوا۔ ایک کتبے کی سند کے مطابق اس نے ۶۲ سال حکومت کی۔ کہتے ہیں کہ اس نے چول، کلنگ، سیون (یعنی یادو حکمراں) کرناٹ، لاٹ، اور ول ناڈو کے راجاؤں سے شمشیر آزمائی کی اور کامیابیاں حاصل کیں۔ گنپتی کو یہ کامیابیاں شاید چول راجہ کی کمزوری یا اس سیاسی ابتری کی وجہ سے حاصل ہوئیں جو تیرھویں صدی کے ربع دوم میں جنوبی ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی۔ گنپتی کے کوئی اولادِ نرینہ نہ تھی، اس لیے اس کی جانشین اس کی بیٹی رُوذرآمبا ہوئی جو تقریباً ۱۲۶۱ء میں گدی پر بیٹھی اس نے بڑی قابلیت سے حکومت کی اور کہتے ہیں کہ اس نے رُوذر دیو مہاراج کا مردانہ نام اختیار کر لیا تھا۔ لگ بھگ تیس سال حکومت کرنے کے بعد گدی اس کے پوتے پرتاپ رُوذر دیو کو ملی جسے وِدیہ ناتھ کی پرتاپ رُوذریہ نے غیر فانی بنا دیا ہے۔ یہ شعریات کی تصنیف ہے جسے اس نے رُوذر دیو کے نام معنون کیا ہے۔ رُوذر دیو کاک تیہ خاندان کا آخری بڑا تاجدار تھا۔ ملک کافور کے تباہ کن جنوبی حملے کے دوران اُسے بھی مسلمانوں کی اطاعت قبول کرنی پڑی۔ بعد ازاں کاک تیہ حکومت کی اہمیت گھٹنے لگی یہاں تک کہ نتیجے میں ان کی ریاست دکن کے سلاطین بہمنی کے قبضے میں چلی گئی۔ قیاس ہے کہ خاندان کے لڑکے ہجرت کر گئے اور چھوٹی سی ریاست بستر نام کی قائم کر لی۔

فصل (۶)

شلاہار خاندان[1]

اصل

شلاہاروں یا شلاروں کا دعویٰ تھا کہ وہ وِدّیادھروں کے تخیلی راجہ جموت واہن کی اولاد ہیں۔ روایت میں ہے کہ اس نے گرڑ کے سامنے آھار (غذا) کے طور پر اژدہے کی جگہ اپنے آپ کو پیش کر دیا تھا۔ اس حکایت کی قیمت کچھ بھی ہو، معلوم ہوتا ہے شلاہار کشتریہ نسل سے تعلق رکھتے تھے۔

تاریخ

تاریخ شلاہار خاندان کی تین شاخوں کا پتہ دیتی ہے۔ ان کا قدیم وطن غالباً تگر، یا تیر تھا۔ وہ باری باری راشٹرکوٹوں، چالکیوں اور یادووں کے ماتحت رہے اور کبھی کوئی عظیم شاہی طاقت نہ بن سکے۔ قدیم ترین شلاہار گھرانے نے جنوبی کونکن پر آٹھویں صدی عیسوی کے ربع آخر سے لے کر گیارھویں صدی عیسوی کے ربع دوم تک حکومت کی۔ ان کا صدر مقام گوا تھا اور بعد میں غالباً کھرے پٹن ہوگیا۔ دوسری شاخ نے شمالی کونکن پر نویں صدی عیسوی کی ابتدا سے اندازاً ساڑھے چار سو سال حکومت کی۔ ان کی ریاست میں تھانہ اور رتن گری کے اضلاع اور ضلع سورت کا کچھ حصہ، شامل تھے۔ ان کا خاص شہر تھانہ تھا اور پوری (مغربی) ایک قسم کا ثانوی دارالسلطنت تھا۔ شلاہاروں کی تیسری شاخ نے اپنی حکومت گیارہویں صدی عیسوی کی ابتدا کے قریب کولھاپور[2]، ستارا اور بلگاؤں کے اضلاع میں قائم کی۔ کچھ عرصے وہ جنوبی کونکن پر بھی قابض و متصرف رہے۔ اس شاخ کو نسبتاً زیادہ آزادی حاصل رہی۔ کہتے ہیں کہ اس کے ایک راجہ وِجے آدِتیہ یا وِجے آدِتیہ نے آخری چالکیہ راجہ کے زوال میں وِجّن یا

---

[1] ڈاکٹر الٹیکر: "مغربی ہندوستان کے شلاہار" (انڈین کلچر، جلد-۲ نمبر-۳، ص ۴۹۳ تا ۴۳۲)

[2] کولھاپور، یا پن ہل ان کا دارالسلطنت تھا۔ وہ مہالکشمی دیوی کے پجاری تھے۔

بجّلؔ کو مدد پہنچائی۔ اس سلسلے کا سب سے زیادہ مشہور راجہ، بہر حال بھوج (تقریباً ۱۱۷۵ – ۱۲۱۰ء) تھا، جس کے بعد ریاست کو یادو راجہ سنگھنؔ نے فتح کر لیا۔

فصل (۷)

کدمب خاندان[1]

اشتقاق

کدمبوں کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ وہ برہمن تھے اور مانویہ گوتر سے تعلق رکھتے تھے۔[2] عجیب بات یہ ہے کہ ان کا خاندانی نام کدمبؔ درخت سے مشتق ہے جو ان کے گھر کے سامنے کھڑا تھا۔

تاریخ

کدمبؔ حکومت کے قیام کے حالات تاریکی میں ہیں۔ ایک روایت میں بڑے دعوے کے ساتھ کہا گیا ہے کہ میورؔ شرمنؔ نامی ایک برہمن جانباز نے ہتھیار بند کر دیے محض اس لیے کہ اُسے خیال تھا کہ پلّو راجدھانی کانچی میں اس کی توہین کر دی گئی تھی[3] اور ایک چھوٹی سی ریاست کرناٹک میں قائم کر لی جس کا صدر مقام بنواسی تھا۔ یہ واقعہ چوتھی صدی عیسوی کے وسط میں اس وقت پیش آیا جب پلّووں پر جنوب میں سمدرگپتؔ کے حملوں کی دہشت طاری تھی۔ میورشرمنؔ سے متصل اس کے سب جانشین بے وجود لوگ تھے۔ اس

---

[1] ملاحظہ ہو جی۔ ایم۔ موریہ دا کدمب کُل ۱۹۳۱ء۔

[2] حالاں کہ کدمب خاندان کے راجہ برہمن تھے، لیکن وہ جین مت کو ناپسند نہیں کرتے تھے۔ بشیومت کے ساتھ ساتھ جین مت بھی ان کے دورِ حکومت میں خوب پھولا پھلا۔

[3] ملاحظہ ہو گُپتا ورمن کا تال گنڈ کتبہ (ایپی گرافیہ انڈیکا، آٹھواں، ص ۲۴، ص ۳۶) اس سے موازنہ کریں۔ "وہاں ایک پلّو سردار سے اس کی خطرناک تکرار ہو گئی اور غضبناک ہو کر اس نے سوچا): 'افسوس! کہ اس کلجگ میں برہمن، چھتریوں کے مقابلے میں اتنے کمزور ہو گئے ہیں۔' (ایضاً ص ۳۲، ص ۳۴، اشلوک ۱۱ تا ۲۱)

کے بعد ککستھ ورمن آتا ہے جس کے عہد میں کدمب ریاست کے حدود و اثرات میں کافی اضافہ ہوگیا۔ اگلا قابلِ ذکر کدمب راجہ رَوِی ورمن تھا (چھٹی صدی عیسوی کا ابتدائی حصہ)۔ اس نے ہلسی (ضلع بلگاؤں) کو اپنی راجدھانی بنایا اور گنگوں اور پلووں کے خلاف کامیاب جنگ کی۔ واتاپی میں چالکیوں کے عروج سے کدمبوں کے حوصلوں کو سخت دھکا لگا۔ ان کے شمالی علاقوں کو پلکیشن اول نے چھین لیا اور پلکیشن دوم نے انھیں غلام بنا کر بالکل بے حقیقت کردیا۔ گنگوں نے بھی کدمب ریاست کے جنوبی حصہ کو اپنی ریاست میں شامل کرلیا۔ بہرحال خاندان کلیتاً معدوم نہیں ہوا، کیوں کہ دسویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں راشٹرکوٹوں کے زوال کے بعد کدمب راجہ پھر نمایاں ہوگئے۔ کدمب خاندان کی یہ شاخیں[1] تیرھویں صدی کے تقریباً آخر تک دکن اور کونکن کے مختلف حصوں پر حکومت کرتی رہیں، لیکن ان کی سرگرمیوں کی اہمیت مقامی رہ گئی۔

فصل (۸)

تلکاڑ کے گنگ[2]

نسب

گنگوں کی اصل غیر یقینی ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ اِکشواکو کی نسل سے تھے۔ اس کے برعکس دوسری روایات ان کا تعلق دریائے گنگا سے یا کنو رِشی سے قائم کرتی ہیں۔

مختصر حالات

گنگوں کی ریاست میں میسور کا بیشتر حصہ شامل تھا۔ ان کے نام کی رعایت سے اس علاقے کا نام گنگ واڑی پڑگیا۔ اس کی بنیاد دِدِگ (کونگنی ورمن) اور مادھو نے تک بھگ چوتھی صدی عیسوی میں رکھی۔ شروع میں اس کا دارالسلطنت کلوول (کولر؟) تھا،

---

[1] ہنگل (ضلع دھارواڑ) اور گوا بعد والے کدمبوں کے خاص مرکز تھے۔

[2] ملاحظہ ہو دا گنگاز آف تلکاڑ، از ایم۔ وی۔ کرشن راؤ (مدراس ۱۹۳۶ء)

لیکن پانچویں صدی عیسوی کے وسط کے قریب ہری ورما نے تبدیل کرکے اسے میسور کے ضلع میں دریائے کاویری پر تل وَنْ پوُر یا تل کاڈ کے مقام پر منتقل کر دیا۔ گنگ خاندان کے مشہور قدیم راجاؤں میں ایک دُروِنی نیت تھا[1] جنے پلووں کے خلاف جنگ میں امتیاز حاصل کیا۔ وہ مصنف بھی تھا۔ پیشاچی نبرھت کتھا کا سنسکرت ترجمہ اور دوسری تصانیف اس سے منسوب ہیں۔ دوسرا عظیم گنگ راجہ شری پُرش تھا (تقریباً ۷۲۶ - ۷۷۶ء) اس نے نہ صرف راشٹرکوٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، بلکہ وِلردی کے مقام پر پلووں کو شکست فاش بھی دی۔ آٹھویں اور نویں صدیوں کے دوران وینگی کے مشرقی چالکیوں مل کھیڑ کے راشٹرکوٹوں اور دوسرے پڑوسیوں کی جارحانہ سرگرمیوں نے گنگوں کو مستقل پریشان کیے رکھا۔ درحقیقت دُھرُو وَ نِرُوپمُ (تقریباً ۷۷۹ - ۷۹۴ء) نے گنگ راجہ شیو مار کو قید کرلیا اور اس کے تمام علاقوں کو اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ گووند سوم کی تخت نشینی کے وقت جب افراتفری پھیلی تو شیو مار نے اپنی کھوئی ہوئی ریاست ایک بار پھر حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اسے بہرحال سختی سے دبا دیا گیا اور گنگ واڈی راشٹرکوٹ گورنر کے ماتحت رہی۔ راج مَل (حساب لگانے کے بعد تقریباً ۸۱۸ء) کے زمانے میں خاندان کی قسمت ذرا جاگی، لیکن اس کے باوجود گنگ قلمرو کے لیے راشٹرکوٹ مستقل خطرہ بنے رہے بعدازاں گنگ راجہ چولوں کے ساتھ جنگ میں الجھ گئے اور ۱۰۰۴ء تک انھوں نے تل کاڈ کو تسخیر کرلیا، اور گنگ راج کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکا۔ لیکن گنگ خاندان بہرحال معدوم نہیں ہوا۔ کیوں کہ تاریخ میں گنگ خاندان کے سرداروں کا ذکر ہوائے سلوں اور چولوں کے باجگزار کی حیثیت سے باقی رہا۔

بہت سے گنگ راجہ جین مت کی طرف مائل تھے۔ مثال کے طور پر اوی نیت کی پرورش وجے کیرتی کی نگرانی میں ہوئی اور اوِی نیت کے بیٹے دُروِنی نیت نے مشہور جین آچاریہ پُوجیہ پادکی سرپرستی کی۔ اسی طرح راج مَل چہارم (تقریباً ۹۷۷ - ۹۸۵ء) کے عہد میں اس کے وزیر اور سپہ سالار چامنڈ رائے نے جو ایک پکا جین تھا ۹۸۳ء میں شرون بیل گولا

---

[1] غالباً چھٹی صدی عیسوی کا نصف آخر۔ بہرحال ڈبرونیل کی رائے ہے کہ دُروِنی نیت کا سن تقریباً ۶۰۵ - ۶۵۰ء ہے (ملاحظہ ہوں گزشتہ صفحات)

کے مقام پر گومم تیشور کا مشہور و معروف مجسمہ نصب کروایا۔

فصل (۹)

دوار سمدر کے ہوائے سل

نام و نسب

ہوائے سلوں (پوائے سلوں) نے اپنے کتبوں میں اپنے تئیں "یادو کل تلک" یا "چندر ونشی کشتریہ" ظاہر کیا ہے۔ اس دعوے میں جتنی بھی سچائی ہو، خاندان کا تاریخی بانی سال نامی شخص تھا جس نے ایک رشی کے حکم سے ایک لوہے کی سلاخ سے چیتے پر وار کیا اور اُسے مار ڈالا۔ کہتے ہیں کہ اس واقعے (پوائے سال، یعنی سال کو مارو) کے بعد خاندان کا نام پوائے سل یا ہوائے سل پڑ گیا۔

تاریخی جائزہ

ہوائے سلوں نے تقریباً گیارہویں صدی کے اوائل میں ممتاز مقام حاصل کر لیا۔ قدیم راجہ میسور کے بہت تھوڑے رقبے پر تصرف رکھتے تھے اور یا تو چول حکمرانوں کے یا کلیان کے چالکیوں کے مطیع تھے۔ رفتہ رفتہ ونے آدتیہ (حساب لگانے کے بعد تقریباً ۱۰۴۵ء) اور اس کے بیٹے ارے ینگ نے اپنی طاقت کو بڑھانا شروع کر دیا۔ انہوں نے چالکیہ فرماں روا کو بھی اس کی مہموں میں مدد پہنچائی لیکن بٹگ وشنو وردھن (تقریباً ۱۱۱۰ - ۱۱۴۰ء) کے زمانے سے پہلے جنوبی ہند کی سیاسیات میں وہ کوئی اہم مقام حاصل نہ کر سکے۔ بٹگ، وشنو وردھن نے اپنی راجدھانی ویلاپور (ضلع حسن میں موجودہ بلور) سے تبدیل کر کے دوار سمدر (ہلے بد) میں منتقل کر دی اور حالاں کہ وشنو وردھن نے شاہانہ القاب باقاعدہ اختیار نہیں کیے، لیکن اس نے اپنے چالکیہ فرماں روا وکرمادتیہ ششم سے قریب قریب مکمل آزادی اختیار کر لی۔ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس نے چولوں، مدورا کے پانڈیوں، اہل مالابار، جنوبی کنارا کے تلووں اور گوا کے کدمبوں کو نیچا دکھایا اور دریائے کرشنا اور کابجی کی طرف بھی وہ اپنی فوجیں لے گیا۔ اس طرح وشنو وردھن نے کافی وسیع علاقے پر اپنی حکومت قائم کر لی جس میں تمام

میسور اور اس سے ملحق علاقے شامل تھے۔ عقائد کے اعتبار سے وشنو وردھن پہلے جین تھا لیکن بعد میں جب اس کی ملاقات مشہور و معروف آچاریہ رامانج سے ہوئی تو وہ وشنو دھرم کی طرف مائل ہو گیا۔

اس خاندان کا دوسرا قابلِ ذکر راجہ وشنو وردھن کا پوتا، ویر بلال اول (تقریباً ۱۱۷۲ء۔ ۱۲۱۵ء) تھا۔ یہ پہلا راجہ تھا جس نے مہاراجہ دھراج کا لقب اختیار کیا۔ اس کے دورِ حکومت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے چالکیہ راجہ سومیشور چہارم کے ایک سپہ سالار برہم کو شکست دی اور ۱۱۹۱ء میں لکنڈی (دھارواڑ ضلع) کی لڑائی میں بھلّم پنجم یادو کی فوجوں کو پسپا کیا۔ یادو سنگھن نے اپنی قلمرو دریائے کرشنا سے آگے دور تک پھیلا لی تھی۔ ویر بلال اول کے بیٹے اور جانشین ویر بلال دوم یا نرسنگھ دوم کو یادو سنگھن کے ہاتھوں بہر حال ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑا۔ ہوائے سل خاندان کے بعد والے راجاؤں کا حال ہمیں زیادہ نہیں معلوم۔ بس اتنا معلوم ہے کہ وہ چولوں اور پانڈیوں سے جنگ میں مصروف رہے۔ ہوائے سل خاندان کا آخری تاجدار ویر بلال سوم تھا۔ ۱۳۱۰ء میں ملک کافور کے ماتحت اس کی ریاست کو مسلمانوں نے تباہ و برباد کیا۔ دیوگری کو لوٹنے کے بعد ملک کافور ہوائے سلوں کی راجدھانی کی طرف بڑھا۔ اس نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور راجہ گرفتار ہو گیا۔ دہلی میں کچھ عرصہ قید رہنے کے بعد جب ویر بلال سوم رہا ہوا تو اس نے مسلمان حملہ آوروں کے خلاف پھر ایک کوشش کی مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ اور چودھویں صدی عیسوی کے پانچویں دہے کے قرب و جوار میں بڑے المیہ انداز میں ہوائے سل خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

ہوائے سلوں نے بہت سے مندر تعمیر کرائے۔ ہلے بِد اور دوسرے مقامات پر جو عمارتیں ان کے زمانے کی اب تک باقی ہیں، ان سے ان کے فنی کارناموں اور مذہب سے عقیدت کی تصدیق ہوتی ہے۔

اٹھارھواں باب

جزیرہ نمائے جنوب کی ریاستیں

فصل (۱)

ابتدائی تاریخ کا جائزہ

جنوبی ہندوستان کا اطلاق دریائے تُنگ بھدرا اور دریائے کرشنا سے جنوب کے جزیرہ نما پر ہوتا ہے۔ اس علاقے کی ابتدائی تاریخ کے بارے میں ہم بہت کم جانتے ہیں۔ وہاں کی آبادی دراوڑی نسلوں اور دراوڑوں سے پہلے کی نسلوں پر مشتمل ہے۔ آخرالذکر میں مِنّ وَرَ، وِلّی وَرُ اور دوسرے ہم عصر قبیلے شامل ہیں جو ملک کے قدیم ترین باشندوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ بہرحال، دراوڑوں کے متعلق خیال ہے کہ وہ "بعد کے مہاجرین" میں سے ہیں[1]۔ ان کی تہذیب کا معیار کافی بلند تھا۔ ان کی ایک شاخ تامل ہے جس نے قدیم زمانے میں اس قدر نمایاں مقام حاصل کرلیا کہ جنوبی ہند کے بیشتر حصے، ملک کا نام تامل کم پڑ گیا[2]۔ اس کے بعد آریہ داخل ہوئے۔ روایات ویدک رشی اگستیہ کے زمانے میں آریوں کے جنوب کی طرف نقل و حرکت کا دھندلا سا خاکہ پیش کرتی ہیں۔ اگستیہ نے دکن کی دوسری بستیوں کے علاوہ دور دراز پوڈی پور پہاڑی (ضلع نینور) پر ایک برہمن بستی بسائی۔ آریوں کے انتقالِ آبادی کے باعث جنوبی ہندوستان

---

[1] ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا ایڈیشن ص۴۴۱

[2] دوسری صدی عیسوی کے مصاحب لکھتے ہوئے ٹالمی نے تامل کم کو بگاڑ کر ڈمی ریکے یا لمی ریکے کر دیا ہے۔

میں گویا ایک اہم اور طاقت ور عنصر شامل ہو گیا۔ لیکن آریہ اپنا مذہب اور کسی حد تک اپنے ادارے ان پر تھوپنے کے علاوہ دراوڑوں کے سماج، زبان اور رسم و رواج کے ڈھانچے میں کوئی خاص تبدیلی پیدا نہ کر سکے۔

جنوبی ہندوستان اس وقت تین ریاستوں میں منقسم تھا۔ (۱) ساحل مالابار کے چیر یا کیرل، جو اس علاقے پر حکومت کرتے تھے جہاں آج کوچن اور ٹراونکور کی ریاستیں واقع ہیں۔ (۲) پانڈیہ، جن کی ریاست میں موجودہ مدورا اور ٹنیولی کے اضلاع شامل تھے۔ (۳) چول جن کی حکومت پانڈیہ ریاست کے شمالی علاقوں میں مشرقی ساحل سمندر کے متوازی دریائے پنر تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ ریاست چول منڈلم کہلاتی تھی۔ انگریزی نام کورومنڈل اسی سے مشتق ہے۔ خاندانی سازشوں اور خوں ریز لڑائیوں کے نتیجوں میں جب ان ریاستوں کی طاقت گھٹتی بڑھتی تو ان کے حدود میں بھی تبدیلیاں واقع ہوتی تھیں۔ ان کے علاوہ بے شمار دوسری چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی تھیں جن کی تفصیل ناقابل بیان ہے۔ اُن کے سرداروں کی حالت ہمیشہ ڈانواڈول رہتی اور ان پر طاقت ور پڑوسیوں کی مستقل دہشت طاری رہتی تھی۔ یہ بات قابل غور ہے کہ ویدی ادب میں کہیں ان جنوبی ریاستوں میں سے کسی کا ذکر نہیں آتا اور ان کا علم سنسکرت قواعد داں پانینی کو بھی نہیں تھا[1] لیکن آشٹادھیائی کا نامور شارح کاتیاین، جسے سر رام کرشن بھنڈارکر نے "چوتھی صدی ام ق م کے نصف اول کی شخصیت قرار دیا ہے"[2] پانڈیوں اور چولوں دونوں سے واقف تھا۔ اشوک کے دوسرے فرمان میں کیرل پتروں (یعنی کیرلوں) کے ساتھ ساتھ ان کا ذکر بھی آتا ہے۔ چندر گپت موریہ کے دربار میں سلیوکس کے سفیر میگستھنیز نے پانڈیہ ریاست، اس کی دولت، اور اس کی فوجی قوت کا ذکر کیا ہے۔ کوٹلیہ کے ارتھ شاستر میں جنوب سے واقفیت بہت واضح ہے۔ اس کے علاوہ رامائن میں پانڈیہ راجدھانی مدورا کی شان و شوکت کی طرف اشارا ملتا ہے۔ مزید برآں پتنجلی (تقریباً ۱۵۰ ق م)، کانچی (کنجی ورم) اور کیرل (مالابار) سے واقف تھا۔ نیز پیری پلس کے مصنف (تقریباً ۸۱ ء) اور جغرافیہ داں ٹالمی (تقریباً ۱۴۰ ء) نے جنوب کے خاص خاص بندرگاہوں اور تجارتی منڈیوں کی تفصیلات بیان

---

[1] سر آر۔ جی۔ بھنڈارکر نے پانینی کو ۷۰۰ ق م کی شخصیت قرار دیا ہے (ارلی ہسٹری آف انڈیا، تیسرا ایڈیشن، صہ۱۴)

[2] ایضاً۔ صہ۱۵

کی ہیں۔ یہ تمام حوالے بلاشبہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان تینوں ریاستوں کا وجود بہت قدیم زمانہ میں پایا جاتا تھا۔

جنوبی ہندوستان کی خوش حالی کا دارومدار اس پر تھا کہ وہاں گرم مسالہ، سیاہ مرچ، ادرک، موتی، زمرد اور دوسرے قیمتی پتھر نیز دیگر اشیائے تعیش و تکلف دستیاب ہوتی تھیں جن کی دنیا کے تمام ملکوں میں اس وقت بڑی مانگ تھی۔ چناں چہ مغربی ممالک مثلاً عرب، کلدان (بابل)، مصر، نیز مشرق بعید کے ممالک اور جزائر ملایا کے ساتھ بہت قدیم زمانے سے ہندوستانی تجارت کا سلسلہ جاری تھا۔ بائبل سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ٹائر کے بادشاہ حرّم کے حلیف سلیمان نے ایک معبد تعمیر کرایا تھا جس کے لیے انھوں نے اوپھر (موجودہ بمبئی میں موجودہ سوپارا) سے "ہاتھی دانت، بندر اور مور نیز کافی تعداد میں صندل کے درخت اور ہیرے "طرشش کے جہازوں" میں منگوائے تھے۔ ان میں بعض اشیا یقیناً جنوب سے دستیاب ہوئی ہوں گی۔ کیوں کہ مور کے لیے عبرانی لفظ تکی اِم استعمال ہوا ہے جو تامل کے توکئی سے مماثلت رکھتا ہے۔ قدیم مصر بھی جنوبی ہندوستان سے تن زیب اور دارچینی وغیرہ منگواتا تھا۔ ہندوستان و مصر کے قدیم تعلقات کی ایک اہم یادگار روہ ۲۰ کھیؤ نر ھنکس پیپی سائی" ہے جو پیپی رس کی یونانی نقل ہے۔ اس پر ایک یونانی خاتون کی کہانی مندرج ہے جس کا جہاز کناڑی ساحل کے قریب کہیں تباہ ہوگیا تھا۔ اسی طرح یونانی ادرک، سیاہ مرچ اور چاول وغیرہ جنوبی ہندوستان سے حاصل کرتے تھے کیوں کہ ان چیزوں کے لیے یونانی زبان میں جو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں وہ تامل ناموں سے مشتق ہیں۔ ۴۵ء کے قریب سکندریہ کے ایک سوداگر ہپتے لس نے مانسون کی حیرت انگیز دریافت پیش کی۔ پہلے، جہاز ساحل سمندر سے ملے ملے چلتے تھے، اس دریافت کے بعد جہازوں کے لیے بحیرۂ عرب کو نسبتاً بہت کم وقت میں پار کرنا ممکن ہوگیا۔ جنوبی ہندوستان اور سلطنت روم کے درمیان تجارت کے لیے یہ زبردست محرک ثابت ہوا۔ پلائینی ہمیں بتاتا ہے کہ روم کا سونا دس لاکھ سکوں کے بقدر مسالوں، سیاہ مرچ، موتیوں، زبرجد، کچھوے کے خول، عطریات،

لہ ملاحظہ ہو ہالنسن (انڈیا ۱۹۳۷)، ص۱۴۸، ص۱۴۹۔ موازنہ کریں — ہاتھی دانت، سنسکرت — ابھ دنت، عبرانی — ہش ہبّن؛ بندر، سنسکرت — کپی، عبرانی، کوپھ۔

ریشمی کپڑے اور دوسرے مشرقی تکلفات کے عوض ہر سال ہندوستان چلا جاتا ہے۔ اس تخمینہ میں مبالغہ بالکل نہیں معلوم ہوتا کیوں کہ جنوبی ہندوستان کے متعدد مقامات پر پہلی اور دوسری صدی عیسوی کے بے شمار رومی سکے دریافت ہوئے ہیں۔ اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لیے کہتے ہیں کہ روم کے سوداگروں نے بعض بندرگاہوں مثلاً کاویری پدّنم (پوہار) اور مُزی رِس (چرنگ نور) میں اپنی بستیاں بسالی تھیں اور وہاں آگسٹس کا گرجا بھی تعمیر کرلیا تھا۔[1] تامل کے مصنفین نے بھی "یوَن" جہازوں کے ہندوستانی بندرگاہوں پر شراب، ظروف اور سونا لانے اور اس کے عوض جنوبی ہندوستان کی مصنوعات لے جانے کا ذکر کیا ہے۔ دراصل ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض دراوڑ حکمرانوں نے اپنے باڈی گارڈ کے طور پر طاقتور یوَن، گونگے[2] ملیچھوں کو مقرر کر رکھا تھا جو لمبے کوٹ اور زرہ بکتر پہنتے تھے۔ وہ ان کی چستی، جواں مردی اور ثابت قدمی سے بے حد متاثر تھے۔ اس طرح جنوبی ہندوستان کے روابط بیرونی دنیا سے بہت قدیم زمانے میں پیدا ہو گئے تھے اور جنوبی ہندوستان کے باشندے اپنی بحری اور تجارتی سرگرمیوں کی وجہ سے کافی طاقتور اور خوش حال ہو گئے تھے۔

فصل (۲)

کانچی کے پلّو[3]

پلّو کون تھے؟

پلّووں کی اصل قدیم ہندوستان کی تاریخ کا ایک نہایت الجھا ہوا مسئلہ اور عاجز

---

[1] اسمتھ ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، ص ۴۶۳، ص ۴۶۳، حاشیہ ۔ ۱۔ تامل کے دوسرے تجارتی شہر یہ تھے ۔ کورکی، توندی، بجسلی اور کایل وغیرہ

[2] انھیں گونگا اس لیے کہا گیا کہ ان کی بولی جوں کہ سمجھ میں نہ آتی تھی اس لیے وہ اشاروں سے باتیں کرتے تھے۔

[3] آر۔ گوپالن، ہسٹری آف دی پلّوز آف کانچی، مدراس ۱۹۲۸ء؛ جو ویوڈ بروئیل، اینشنٹ ہسٹری آف دی ڈکن (۱۹۳۱)؛ دی پلّوز، بروہ بند ہیراس دی پلّو کنگسس؛ سی۔ مناکشی، ایڈمنسٹریشن اینڈ سوشل لائف انڈر دا پلّوز (مدراس، ۱۹۳۸ء)

کر دینے والا سوال ہے[۱] جنوبی ہندوستان کی روایتی طاقتیں، جیسا کہ اوپر بیان ہوا تین تھیں — چیر، پانڈیہ اور چول۔ پلّو[۲] ان میں شامل نہیں ہیں۔ چناں چہ بعض عالموں کا گمان ہے کہ پلّو غیر ملکی لوگ تھے اور غالباً شمالی مغربی ہندوستان کی پہلوی یا پارتھی نسل کی کسی شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ ناموں کی ظاہری مماثلت سے قطع نظر، ہمارے پاس کوئی شہادت سوائے دکن تک پہنچنے کی شہادت کے، ایسی نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ وہ ہجرت کر کے جنوبی ہندوستان تک پہنچ گئے تھے۔ ایک دوسرا نظریہ یہ ہے کہ پلّو ہندوستان کے قدیم ترین باشندے تھے اور کرمبوں، کلّروں، مروؤں اور دیگر "ظالم لٹیرے" قبیلوں سے متعلق یا منسلک تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جب پلّوؤں نے اپنے تئیں مستحکم کر لیا تو وہ ایک زبردست سیاسی قوت بن گئے لیکن مشری ایم۔ سی۔ رس نیگم[۳] کی رائے ہے کہ پلّو چول ناگ کی نسل سے تھے اور جزیرہ نما کی آخری جنوبی حدود اور لنکا کے ساکن تھے کہتے ہیں کہ منی پلّوم (ساحل لنکا کے قریب ایک جزیرہ) کے راجہ وَلے وَنَن کی لڑکی، یعنی ناگ راجکماری پلّی ولائی اور کِلّی وَلوَن کے ناجائز تعلق سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اِلم تِرائن تھا۔ باپ نے اس لڑکے کو توئنڈ منڈلم کا حاکم مقرر کر دیا۔ وہاں اس نے ایک نئے خاندان کی بنیاد ڈالی جو ماں کے آبائی وطن کے نام پر پلّو کہلایا۔ اس مقام پر ضروری ہے کہ ڈاکٹر کرشن سوامی آئینگر[۴] کے اس نظریہ کا بھی ذکر کیا جائے کہ سنگم ادب میں پلّوں کا ذکر "تون ڈائی یرہ" کی حیثیت سے کیا گیا ہے، نیز یہ کہ وہ ان ناگ سرداروں کی اولاد تھے جو سات واہن فرماں رواؤں کے باجگزار تھے۔ اس کے برخلاف ڈاکٹر کے۔ پی۔ جیسوال کی رائے ہے کہ پلّو "نہ غیر ملکی تھے نہ دراوڑ، بلکہ شمال کے برہمن رؤسا تھے جنھوں نے سپہ گری کا پیشہ اختیار کر لیا تھا"، نیز یہ کہ وہ واکاٹکوں کی شاخ تھے۔ پلّوؤں کی شمال سے نسبت یا تعلق کے بارے میں جو رائے ظاہر کی گئی ہے اس میں غالباً کچھ جان ہے؛ کیوں کہ یہ بات اہم ہے کہ ان کے قدیم ترین فرمان پراکرت میں ہیں۔

---

[۱] ملاحظہ ہو آر۔ گوپالن "ہسٹری آف دی پلّوز آف کانچی" ص ۱، ص ۲۰۔ یہ کتاب میرے لیے بہت مفید ثابت ہوئی

[۲] انڈین اینٹی کوئریز، جلد ۵۲ (اپریل ۱۹۲۳) ص ۷۷، ص ۹۲

[۳] جرنل آف انڈین ہسٹری، جلد ۲، حصہ اول (نومبر ۱۹۲۲) ص ۳۰-ص ۳۵ ("کانچی کے پلّوؤں کی اصل اور قدیم تاریخ")

[۴] جرنل آف بہار اینڈ اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی مارچ۔ جون ۱۹۲۳ ص ۱۸۰-ص ۱۸۳

نیز یہ کہ وہ سنسکرت علوم اور کلچر کے حامی تھے۔ ایسی روایات بھی موجود ہیں جن میں ان کا تعلق ڈنڈوناچاریہ اور اشوکت تھامن سے ظاہر کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کا نسباً برہمن ہونا حقیقت پر مبنی نہیں معلوم ہوتا۔ واقعہ یہ ہے کہ تال گنڈو کے کتبے میں میورشرمن، کانچی میں "پلوؤ کشتریوں" کے اثرات پر اظہار افسوس کرتا ہے۔ یہ ٹکڑا بلاشبہ پلوؤں کے نسلاً کشتری ہونے کی نشاندہی کرتا ہے[1]

پلوؤ حکومت کی ابتدا

پلوؤ تاریخ کے قدیم ترین مآخذ تین تانبے کی تختیوں کے فرمان پراکرت زبان میں ہیں[2] جنھیں کتبہ خوانوں نے "عیسوی سن کی تیسری اور چوتھی صدی"[3] سے منسوب کیا ہے۔ ان میں حکمرانوں کے ایک سلسلے کا ذکر کیا ہے جن کے نام یہ ہیں — بپّ دیو، شیوا سکند ورمن بدھی (آنکر) اور ویر ورمن۔ بپّ دیو پلوؤ حکومت کا بانی ہو یا نہ ہو، یہ بات طے ہے کہ اس کی حکومت تیلگو، آندھرپتھ اور تامل تونڈ منڈلم پر تھی۔ ان دونوں علاقوں کے صدر مقام علی الترتیب، دھانیہ کٹ (امراوتی کے قریب دھرنی کوٹ) اور کانچی (موجودہ کنجی ورم) تھے۔ اس کا بیٹا شیوا سکند ورمن تھا جو "دھرم مہاراج" کے لقب سے بھی موسوم ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس نے اپنی ریاست کافی بڑھالی تھی، غالباً جنوب کی طرف، کیوں کہ کامیاب جنگ و جدال کے بغیر وہ اشومیدھ، واج پیئہ اور اگنشٹوم وغیرہ یگیہ سرانجام دینے کا مستحق نہیں ہوسکتا تھا۔ ہیرہڈگلی (ضلع بیلاری) کی تختیوں سے جن میں ساتاہنی رٹ کے مقام پر اس کے ایک گاؤں دان کرنے کا ذکر کیا گیا ہے، ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی دکن میں بہرصورت اس کی حکومت تسلیم کی جاتی تھی۔ غالباً اسے وجے اسکند ورمن بھی کہتے تھے لیکن بعض عالموں

---

[1] ایپی گرافیہ انڈیکا، آٹھواں، صفحہ ۳۲، سطر ۳۴، اشلوک ۱۱، سطر ۴۔ اس سے موازنہ کریں — तत्र पल्लवाद्व वसंस्थेन कलहेन तीव्रेण रोषितः कलियुगेऽस्मिन्नहो बत क्षत्रात् परिपेलवा विप्रता यतः। نیز ملاحظہ ہو سی۔ مینا کشی ایڈمنسٹریشن اینڈ دی سوشل لائف انڈر دی پلوز، صفحہ ۱۳

[2] (۱) مئیڈ ڈوولو (ضلع گنٹور) کی تختیاں (۲) ہیرہڈگلی کی تختیاں اور (۳) رانی چارودیوی کا فرمان جو ضلع گنٹور میں پایا گیا ہے

[3] آر۔ گوپالن۔ ہسٹری آف دی پلوز آف کانچی، صفحہ ۳۳۔ بہت سے مشوروں اور حوالوں کے لیے میں اس کتاب کا رہین منت ہوں۔

نے اس شناخت پر شبہ ظاہر کیا ہے۔ پلّو تاریخ میں دوسری اہم شخصیت وِشنوگوپ کی ہے جس کا نام کانچی کے راجہ کی حیثیت سے الٰہ آباد کے ستونی کتبے میں آیا ہے۔ وہ سمُدر گپت کا معاصر تھا۔ چوتھی صدی عیسوی کے ربع دوم کے قریب سمُدر گپت نے جب دکشنا پتھ پر حملہ کیا تو وشنوگوپ کی حکومت اس وقت پورے عروج پر تھی۔ بدقسمتی سے پلّو خاندان کے شجرے میں اس کا ٹھیک مقام، یا پراکرت کے فرمان والے حکمرانوں سے اس کا تعلق، بالکل غیر یقینی ہے۔ بہرحال یہ فرض کرتے ہوئے کہ فرمانوں والے راجہ اس کے باپ دادا تھے اگر ہم پلّو خاندان کے عروج کی تاریخ تیسری صدی عیسوی کا وسط قرار دیں، یعنی وہ دور جس میں سات واہن سلطنت کا خاتمہ ہوا تو حقیقت سے زیادہ بعید نہیں ہوگا۔

سنسکرت فرمانوں والے پلّو

تانبے کی چھ مختلف قسم کی تختیوں سے، جن پر عبارتیں سنسکرت میں کندہ ہیں بہت سے پلّو راجاؤں کے ناموں کا انکشاف ہوا ہے۔ ان میں سے بعض محض یُوَ مہاراج تھے اور ایک درجن سے زاید ایسے راجہ تھے جن کی حکومت اندازاً چوتھی صدی کے وسط سے لے کر چھٹی صدی عیسوی کے ربع آخر تک رہی۔ ان پر معطی کا سن جلوس تو لکھا ہے لیکن کوئی معروف نظام سنوات درج نہیں ہے۔ کتبہ خوانوں نے بہرحال انھیں بجا طور پر پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی کی تحریر قرار دیا ہے ان کا مقصد برہمنوں اور مندروں یا مٹھوں کے نام عطیات کو قلم بند کرنا تھا۔ سیاسی واقعات پر ان سے کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ یہ بات قطعاً واضح نہیں ہے کہ پراکرت اور سنسکرت والے ان کتبوں والے فرماں روا مختلف شاخوں سے تعلق رکھتے تھے، یا براہِ راست ایک دوسرے سے کوئی رشتہ رکھتے تھے۔ سنسکرت کے کتبوں میں جو نام آئے ہیں ان کی سلسلہ وار تاریخ یا سلسلہ وار جانشینی کا مسئلہ بھی کوئی طے شدہ بات نہیں ہے، نہ ہمیں کوئی محکم شہادت ان کے حدودِ سلطنت کے بارے میں ملتی ہے نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ خاندان کا بانی کون تھا۔ البتہ ہم اتنا ضرور جانتے ہیں کہ ویرکُرچ یا ویرکُرچ ورمن نے ایک ناگ راج کماری سے شادی کے بعد سب سے پہلے شہرت حاصل کی۔ سنسکرت کے ان فرمانوں کے بارے میں ایک بات قابلِ غور یہ ہے کہ وہ سب کے سب لشکرگاہوں سے جاری کیے گئے تھے۔ چناں چہ یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ کری کال کے زمانہ میں چول

حملوں کے باعث کانچی پلوؤں کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا اور وہ نیلور کے ضلع میں پناہ گزیں تھے[1] ولوُرپالیئم کے کتبے[2] سے یہ بھی تصدیق ہوتی ہے کہ کمار وشنو کے عہد میں کانچی پر پلوؤں کا پھر قبضہ ہو گیا۔ یہ نظریہ بھی محل نظر ہے کہ کانچی پر کچھ وقفے کے لیے چولوں کا قبضہ رہا، کیوں کہ سلسلہ وار تاریخ سے قطع نظر ایک یہی بات اہم ہے کہ پلوؤں کی اپنی دستاویزات اس کی کوئی نشان دہی نہیں کرتیں کہ کانچی ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

عظیم پلوُ راجہ: سِنگھ وِشنو

چھٹی صدی عیسوی کے ربع آخر تک پہنچتے پہنچتے ہم پلو تاریخ کے عظیم الشان دور میں داخل ہو جاتے ہیں۔ خوش قسمتی سے ہمارے پاس جو مواد ہے اس سے ہمیں نسبتاً زیادہ معلومات بہم پہنچتی ہیں۔ سنگھ وشنو نے جسے سِنگھ وشنو پوترائن اور اونی سِنگھ بھی کہتے ہیں، ایک نئے پلو خاندان کی بنیاد رکھی۔ اس نے چولوں کو زک پہنچا کر اپنی ریاست کاویری تک بڑھالی کہتے ہیں کہ جنوبی مہموں کے دوران اس نے پانڈیوں، کل بھروں اور مالوؤں (مل ناڈوں کے باشندوں؟) کو شکست دی۔ غالباً وہ وِشنو کا پجاری تھا۔

مہیندر ورمن اول

سِنگھ وشنو کی گدی تقریباً ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں اس کے لڑکے مہیندر ورمن اول یا مہیندر وِکرم کو ملی۔ تخت نشینی کے چند ہی سال بعد پلوؤں اور چالکیوں کے درمیان جنوب میں اقتدارِ اعلیٰ کے لیے بڑی شدید جنگ چھڑ گئی جو عرصے سے تعویق میں پڑی ہوئی تھی۔ ایہول کے کتبے[3] میں پلکیشن دوم دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے پلوؤں کے راجہ کو شکست دی جو اس کی ترقی کی راہ میں حائل ہوا، جس نے اس کی شجاعت کو کانچی پور کے

---

[1] وین کیٹیا: آثار کیلاجیکل سروے رپورٹ، ۱۹۰۶ - ۱۹۰۷، صفحہ ۲۲۴

[2] ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، دوم، ۲، صفحہ ۵۰۳، حاشیہ

[3] ایپی گرافیہ انڈیکا، چھٹا، صفحہ ۹، صفحہ ۱۱۔ اشلوک ۲۹۔ اس سے موازنہ کریں۔

म्राक्रान्तात्मबलोन्नतिं बलरजः रञ्छन्नकाञ्चीपुर प्राकारान्तरितप्रताप-
मकरोद्यः पल्लवानां पतिम् ।

دمدموں میں چھپا دیا، اور اسے اپنی فوجوں کی گرد میں لپیٹ لیا۔" پلکیشن دوم نے اپنے حریف سے وینگی کا صوبہ چھین لیا، اور اس کا انتظام اپنے چھوٹے بھائی کبج وشنو وردھن وشم سِدھی کے سپرد کر دیا۔ جیسا کہ کسی دوسرے مقام پر بیان کیا گیا، وشنو وردھن کے جانشینوں نے جنھیں وینگی کے مشرقی چالکیہ بھی کہا جاتا ہے۔ واتاپی (بادامی) کے شاہی گھرانے سے تعلق منقطع کر لیا اور خود مختار ہو گئے۔ دوسری طرف کشکڈی کی تختیاں[1] ظاہر کرتی ہیں کہ مہیندر ورمن اول پُلّ لور (چنگل پٹ کے ضلع میں موجودہ پلّور) کے مقام پر فتحیاب ہوا۔ حالاں کہ اس میں دشمن کا نام نہیں ہے لیکن یہ حوالہ ہمیں ضرور ملتا ہے کہ چالکیہ حریف نے جب خاص کانچی پر حملہ کی کوشش کی تو پلّو حکمراں اسے پیچھے ہٹانے میں کامیاب ہو گیا۔

مہیندر ورمن اول اصلاً جین مت کا پیرو تھا اور دوسرے مذہبوں کے بارے میں اچھا خیال نہیں رکھتا تھا۔ لیکن اپنے عہد کے درمیان میں، یا اس سے بھی پہلے، اس نے جین مت ترک کر دیا اور اپّر سادھو کے زیر اثر شیو مت قبول کر لیا اور سچے دل سے اسے ماننے لگا۔ مہیندر اول کی تبدیل مذہب کے بعد جینیوں پر اس کی نظر عنایت کم ہو گئی اور اپّر اور ترِوگیان سمبندر جیسے سادھوؤں کی تبلیغی سرگرمیوں کی وجہ سے شیو مت میں نئی جان پڑ گئی اور وہ خوب پھلنے پھولنے لگا۔ مہیندر ورمن برہمن مت کے دوسرے فرقوں کے ساتھ بھی رواداری کا برتاؤ کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے وشنو کے اعزاز میں مہیندر واڈی (شمالی ارکاٹ کے ضلع) میں ایک تالاب کے کنارے چٹانی مندر تعمیر کرایا جس کا نام اسی کے نام پر رکھا گیا[2]۔ منڈ گپٹو کا کتبہ[3] ہمیں مزید بتاتا ہے کہ مہیندر اول نے ایک مندر برہما، ایشور اور وشنو سے منسوب کیا۔ اس مندر میں اینٹ مسالہ، لکڑی اور دھات استعمال نہیں کی گئی تھی۔ اس طرح مہیندر ورمن نے جنوبی ہندوستان میں ٹھوس چٹان سے مندر تراشنے کا طریقہ رائج کیا۔ درحقیقت اس کے بہت سے بِروُدوں یا القاب[4] میں سے ایک یہ بھی تھا — چیت کاری یا چیتیہ کاری، یعنی "چیتیوں یا مندروں

---

[1] ساؤتھ انڈین انسکرپشنز، جلد ۲، حصہ ۳، ص ۳۴۲

[2] ایپی گرافیہ انڈیکا، چوتھا، ص ۱۵۲، ص ۱۵۳

[3] ایضاً، سترہ، ص ۱۴، ص ۱۷

[4] ملاحظہ ہو ہسٹری آف دی پلّوز آف کانچی، ص ۹۱

کا معمار تھا۔ یہ مندر اپنی بعض خصوصیات، خاص کر مکعبی ستونوں کے لیے ممتاز تھے۔ چٹان سے تراشے گئے اس قسم کے مندر مختلف مقامات مثلاً دَل وَنُر (ضلع جنوبی ارکاٹ)، پلّ وَرم، سِپیہّ منگلم وَلم (چنگل پٹ کا ضلع)، وغیرہ سے دریافت ہوئے ہیں۔

مہیندر اول نے فنونِ لطیفہ مثلاً مصوری، رقص اور موسیقی کی ترقی کی طرف بھی توجہ کی۔ پُڈُوکوٹ ریاست میں کُڈُومیا ملئی کے مقام پر جو موسیقی والا کتبہ ہے اس کے متعلق خیال ہے کہ اسی کے اشارے سے کندہ ہوا تھا۔ اس کے علاوہ مشہور و معروف مزاحیہ تصنیف مَتّ وِلاس پرَھسَن اسی سے یادگار ہے، جو کاپالکوں، پاشوپتوں، شاکیہ بھکشوؤں اور دوسرے مذہبی فرقوں کی رنگ رلیوں اور مذہبی زندگی کی بڑی دل چسپ جھلک دکھاتی ہے۔

نرسنگھ ورمن اول

مہیندر ورمن اول کے مرنے کے بعد نرسنگھ ورمن اول ساتویں صدی عیسوی کی ربع دوم کی ابتدا میں، پلّو گدی پر بیٹھا۔ پلّو فرماں رواؤں میں وہ سب سے زیادہ نمایاں شخصیت کا مالک تھا۔ کُرَم کی تختیوں کے مطابق، اس نے بڑی کامیابی کے ساتھ پلکیشن دوم چالکیہ کے حملوں کو دفع کیا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ بڑھتا ہوا قریب قریب کانچی کے شہر پناہ تک پہنچ گیا تھا۔ نرسنگھ ورمن اول اپنی اس کامیابی سے مطمئن نہیں ہوا اور ایک مضبوط لشکر اپنے سپہ سالار سِرُو تونڈ نائیت پرن جوتی کی سرکردگی میں واتاپی (بادامی) کے خلاف روانہ کیا۔ پرن جوتی نے ۶۴۲ء میں واتاپی کا محاصرہ کرلیا اور پلکیشن دوم بہادری سے اپنی راجدھانی کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا۔ اگلے تیرہ سال تک چالکیہ حکومت تعطل کی حالت میں رہی۔ اس عظیم الشان فتح کی یادگار منانے کے لیے نرسنگھ ورمن نے "واتاپی کونڈ" کا لقب اختیار کرلیا۔ اس کا ایک اور لقب "مہامَل" بھی تھا، جو ایک دریدہ لوح میں آیا ہے۔ یہ لوح واتاپی سے دریافت ہوئی ہے اور اس پر جو تحریر ہے وہ تقریباً ساتویں صدی عیسوی کے وسط کی ہے۔ ہمیں مزید معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دو بحری مہمیں "مان وَرم" کی امداد کے لیے لنکا بھیجیں۔ مان ورم لنکا کے تخت کا دعوے دار تھا اور

لے ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، جلد ۱، ص۵۲

سے انڈین اینٹی کوئریز، نواں، ص۹۹

پناہ گزیں کی حیثیت سے نرسنگھ ورمن اول کے دربار میں مخلصانہ خدمات انجام دے چکا تھا۔ پہلی مہم کے نتائج دیرپا ثابت نہیں ہوئے، اس لیے پلوٗ جہاز مہابلی پرم کی بندرگاہ سے دوبارہ روانہ ہوئے۔ اس مرتبہ مانؑ ورّم کا مقام محفوظ ہوگیا۔ عوام کے دل و دماغ پر اس حملے کا اس قدر گہرا اثر ہوا کہ شری رام چندر کی فتح لنکا کی طرح عرصۂ دراز تک اسے لوگوں نے یاد رکھا۔ نرسنگھ ورمن اول نے نہ صرف میدانِ جنگ میں امتیاز حاصل کیا بلکہ اپنی تعمیری سرگرمیوں کے باعث بھی شہرت حاصل کی۔ ترچناپلی اور پدوکوٹ میں چٹان سے تراشے ہوئے کئی مندر تعمیر کرانے کا سہرا اس کے سر ہے۔ ان مندروں کا عام نقشہ تو وہی ہے جو مہیندر ورمن کے کھدوائے ہوئے مندروں کا ہے، البتہ فرق اتنا ہے کہ ان کے سامنے کے رُخ پر نقش و نگار زیادہ بنائے گئے ہیں اور ستونوں میں بھی تناسب اور نفاست پائی جاتی ہے۔ نرسنگھ ورمن اول نے مہامّل ایک شہر کی بنیاد رکھی جس کا نام اس نے اپنے نام پر مہابلی پرم یا مہامّل پرم رکھا۔ اس نے دھرم راج رتھ جیسے مندر تعمیر کرا کے شہر میں رونق کردی۔ یہ مندر چین کے سات مخروطی (پیگوڈا) مندروں جیسا ہے۔

نرسنگھ ورمن اول کے عہد میں نامور چینی زائر ہیوان چوانگ ۶۴۲ کے قرب و جوار میں کانچی پہنچا اور کچھ عرصہ وہاں قیام کیا۔ اس کا بیان ہے کہ اس ملک کو جس کی راجدھانی کن چی پُولو (کانچی پُرا) تھی، تالوُ پی چھا (دراوڑ) کہتے تھے۔ یہ ۶۰۰۰ لائی کے دائرے میں پھیلا ہوا تھا۔[1] اس کی زمین زرخیز ہے اور اس میں پابندی سے کاشت ہوتی ہے اور بکثرت اناج پیدا ہوتا ہے۔ طرح طرح کے پھول اور پھل یہاں موجود ہیں اور بیش قیمت ہیرے اور دوسری چیزیں یہاں پائی جاتی ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا گرم ہے اور لوگ بہادر ہیں۔ وہ ایمانداری اور سچائی کے اصولوں پر کاربند ہیں اور علم و دانش کی قدر کرتے ہیں۔ زبان اور رسم خط کے معاملے میں وسط ہند کے لوگوں سے زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ یہاں کم و بیش ۱۰۰ سنگھارام پائے جاتے ہیں جن میں ۱۰۰۰۰ پجاری رہتے ہیں۔ یہ سب کے سب مہایان فرقے کے استھوِر مسلک کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ یہاں تقریباً ۸۰ دیو مندر ہیں اور بہت سے بدعقیدہ لوگ ہیں جنھیں نِر گرنتھ کہتے ہیں۔[2] ہیوان چوانگ کہتا ہے کہ تتھاگت تبلیغ دین کے لیے اس ملک میں اکثر آتا رہتا تھا اور اشوک نے مقدس مقامات کی یادگار قائم کرنے کے لیے استوپ تعمیر کرائے۔ چینی زائر آگے چل کر لکھتا ہے کہ مشہور بدھ معلم

---

[1] بیل بُدھسٹ رکارڈس آف دا ویسٹرن ورلڈ، جلد ۲، ص ۲۲۸، ص ۲۲۹

دھرم پال کانچی کا رہنے والا تھا۔

پرمیشور ورمن اول

نرسنگھ ورمن اول کے بعد اس کا لڑکا مہیندر ورمن دوم ۶۵۵ء میں گدی پر بیٹھا۔ اس کا دور بہت مختصر اور غیر اہم رہا اور اس کے بعد پرمیشور آدل تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں پلّوؤں اور چالکیوں کی پرانی دشمنی عود کر آئی۔ جنگ میں دونوں فریق اپنی اپنی فتح کے دعوے دار ہیں جیسا کہ عام طور پر لڑائی میں ہوتا ہے۔ گدوال کی تختیوں سے پتہ چلتا ہے کہ وکرمادتیہ اول چالکیہ نے کانچی پر قبضہ کر لیا۔[۵] مہامل کے خاندان کو نیچا دکھایا[۶] اور اپنی فوجوں کو اُورگ پور (ترچناپلی کے قریب اوُرَیّر) تک لے گیا جو دریائے کاویری پر واقع ہے۔ اس کے برخلاف پلّو دستاویزات ظاہر کرتی ہیں کہ پرمیشور ورمن اول نے پیرو وَل نلّور کی جنگ میں جو ترچناپلی کے ضلع میں لال گڈی تعلقہ میں واقع ہے، وکرمادتیہ اول کی فوجوں کو مار بھگایا۔ اس کے پاس جسم ڈھکنے کے لیے صرف "ایک چیتھڑا" باقی رہ گیا تھا۔ چونکہ شواہد متضاد ہیں اس لیے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ فیصلہ کن نتیجہ کسی ایک فریق کے حق میں برآمد نہیں ہوا۔ پرمیشور ورمن اول شیو کا پجاری تھا اور اس نے اپنے محبوب دیوتا کے اعزاز میں متعدد مندر تعمیر کرائے۔

نرسنگھ ورمن دوم

ساتویں صدی عیسوی کے آخری دہے کے قرب و جوار میں پرمیشور ورمن کا انتقال ہو گیا، اور عصائے شاہی اس کے بیٹے نرسنگھ ورمن دوم راج سنگھ کے ہاتھ میں آیا۔ اس کا دور امن و امان اور خوش حالی کے لیے ممتاز ہے۔ اس کی شہرت کا دارومدار زیادہ تر کیلاش ناتھ مندر یا راج سنگھیشور مندر کی تعمیر پر ہے۔ کانچی کے ایراوتیشور مندر اور مہابلی پرم کے اس مندر کی تعمیر بھی

---

۵ ایپی گرافیہ انڈیکا، دسواں، ص۱۰۲، ص۱۰۳۔ اس سے موازنہ کریں۔

कृतपल्लवावमर्द दक्षिणादिग्युवतिमात्तकाञ्चीकः ।

मो भृशामभिरमयन्नपि सुतरां श्रीवल्लभत्वमितः ॥ (ایضاً، ص۱۰۳، ص۱۰۴، شلوک ۳)

۶ ایضاً ص۱۰۳، ص۱۰۴، اشلوک ۵۔ اس سے موازنہ کریں — मो राज मल्लशब्दं विहितमहामल्ल

جسے "شور" (ساحلی) مندر کا نام دے دیا گیا ہے، اسی سے منسوب ہے۔ نرسنگھ ورمن دوم ادیبوں کا قدر دان تھا اور خیال کیا جاتا ہے کہ عظیم خطیب ڈنڈن نے اسی کے دربار میں عروج حاصل کیا۔

نرسنگھ ورمن دوم کے بعد پرمیشور ورمن دوم گدی پر بیٹھا جس کے متعلق ممکن الحصول ماخذ سے ہمیں زیادہ معلومات بہم نہیں پہنچتی۔

نندی ورمن اور اس کے جانشین

آٹھویں صدی عیسوی کے دوسرے دہے کے قریب جب پرمیشور ورمن کا انتقال ہوا تو ریاست خانہ جنگی میں مبتلا ہوگئی اور ہر دعوے دار گدی حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ کس کڈی کی تختیوں کے مندرجات سے نیز کانچی میں ویکنٹھ پیرومل کے مندر کے اندرونی مجسموں کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ نتیجہ میں رعایا نے راجہ کی حیثیت سے ہرنیہ ورمن کے بیٹے نندی ورمن نامی راج کمار کا انتخاب کرلیا جو سنگھ وشنو کے بھائی کی اولاد میں تھا۔ نندی ورمن کے عہد میں پلوؤں اور چالکیوں کے درمیان دشمنی پھر شروع ہوگئی۔ کہتے ہیں کہ وکرمادتیہ دوم چالکیہ نے ۷۳۳ء میں گدی پر بیٹھتے ہی پلو ریاست پر حملہ کردیا اور ان کی راجدھانی کانچی پر قبضہ کرلیا۔ نندی ورمن نے بہرحال اپنے کو بہت جلد سنبھال کر میدان پھر جیت لیا اور دشمن کو نکال باہر کیا۔ پلو حکمراں کو دوسری طاقتوں، خاص کر جنوب کی طاقتوں کا سامنا کرنا پڑا مثلاً دڑمل (تامل)، پانڈیہ، اور گنگ سردار جو شری پرش کے مماثل ہے (تقریباً ۷۲۶-۷۷۶ء) ان لڑائیوں میں نندی ورمن کو اس کے سپہ سالار ادے چندر نے بڑی قابلیت سے اسے مدد دی۔ اس کے علاوہ کہا جاتا ہے کہ نندی ورمن کو راشٹرکوٹ خاندان کے راجہ دنتی درگ کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانی پڑی جس نے آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں واتاپی (بادامی) کے چالکیوں کی جگہ لے لی تھی۔

مہابلی پرم کے آدی وراہ مندر میں ایک کتبہ دریافت ہوا ہے جس سے معلوم ہوا ہے کہ نندی ورمن نے کم از کم ۶۵ سال حکومت کی۔ اس کا لقب پلو مل تھا اور وہ وشنو عقیدہ کا پیرو تھا۔ بہت سی مذہبی عمارتیں بنوانے کا سہرا اس کے سر ہے۔

نندی ورمن کا جانشین اس کا بیٹا دنتی ورمن ہوا جو اس کی رانی ریوا کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ یہ رانی غالباً راشٹرکوٹ راجکماری تھی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ دنتی درگ کی بیٹی تھی جس کی شادی دنتی درگ نے دنتی ورمن کے ساتھ نندی ورمن پلو مل سے صلح ہونے کے بعد

کر دی تھی۔ لیکن اس اتحاد کے باوجود گووند سوم کے متعلق لکھا ہے کہ ۸۰۴ء کے قریب اس نے کانچی پر حملہ کر دیا اور اس کے راجہ دنتگ (دنتی ورمن) کو زیر کر لیا۔ دنتی ورمن نے، جس کا دورِ حکومت نصف صدی سے زائد رہا ہے (تقریباً ۷۹۶ء سے ۸۲۸ء تک) پانڈیوں سے بھی شمشیر آزمائی کی جو اس کے خاندان کے دیرینہ دشمن تھے۔ یہی اس کے جانشینوں ــ نندی (تقریباً ۸۲۸ ــ ۸۵۱ء) اور نرپ تنگ ورمن (تقریباً ۸۵۱ ــ ۸۷۶ء) نے بھی کیا۔ اس سلسلے کا آخری اہم تاجدار اپراجت ورمن (تقریباً ۸۷۶ ــ ۸۹۵ء) تھا جس نے گنگ راجہ پرتھوی پتی اول سے صلح کر کے ۸۸۰ء میں پانڈیہ حکمراں ورگن دوم کو کمبھ کنم کے قریب شری پورم بیم کی لڑائی میں شکست فاش دی۔ ان لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ چول راجہ آدتیہ اول نے پلو طاقت پر کاری ضرب لگائی۔ اس نے اپراجت ورمن پر قابو پا لیا اور تونڈمنڈلم کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ اس طرح پلو ریاست جس کا کبھی ڈنکا بجتا تھا، خاک میں مل گئی۔ کتبوں سے بے شک دوسرے چھوٹے چھوٹے راجاؤں کا حال بھی معلوم ہوتا ہے لیکن پلو سلسلۂ نسب میں ان کی حیثیت غیر یقینی ہے۔

انتظام حکومت

تقریباً ۶۰۰ سال کے دورِ حکومت میں پلوؤں نے تامل دیس کے انتظامِ حکومت، مذہب ادب اور فن پر اپنی ایسی چھاپ لگائی جو آسانی سے مٹنے والی نہیں تھی۔ آئیے اب مختصراً ہر شعبے کا الگ الگ جائزہ لیں۔

حکومت کا افسرِ اعلیٰ راجہ ہوتا تھا جسے کتبوں میں "مہاراج" اور "دھرم مہاراج" کہا گیا ہے امورِ سلطنت میں راجہ کو وزیروں یا مشیروں کی ایک مجلس (رہسیادِکد) مدد دیتی تھی۔ راجہ کی مدد سے احکامات لکھنا اس کے پرائیویٹ سکریٹری کے ذمہ تھا۔ موریہ اور گپت انتظامِ حکومت کی طرح یہاں بھی عمالِ حکومت، فوجی اور غیر فوجی، مستقل اور باقاعدہ ہوتے تھے۔ چناں چہ ایک پلو کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ راجہ نے راج کماروں، ضلع کے حاکموں (رَشٹِک)، اعلیٰ مددمنوں (کسٹم افسروں) مقامی پرمی نلکوں (دیشا دِھکت) .... مختلف گاؤوں کے معافی داروں (گام گام بھوجک) ...... وزیروں (امچیہ)، محافظوں (ارکہ دِکتہ)، گوملکوں (کپتانوں یا جنگلات کے افسروں؟)، ڈوتکوں (پیام بروں؟)، جاسوسوں (سن چرن تکوں)، سرطولوں

(بھڈ منو مشوں) کے نام تہنیت نامے بھیجے. تمام سلطنت صوبوں (راشٹروں یا منڈلوں) میں منقسم تھی جس پر شاہی خاندان کے راجکمار یا ممتاز گھرانوں کے نوجوان حاکم کی حیثیت سے مقرر کیے جاتے تھے۔ پھر ہر صوبے کی تقسیم در تقسیم ہوتی تھی جنھیں کوٹم یا ناڈو کہتے تھے اور ان کے اپنے علیحدہ حاکم ہوتے تھے۔ گاؤں (گرام یا گام) کے نظام کے بارے میں جو انتظام حکومت کی سب سے چھوٹی اور سب سے اہم اکائی تھی، قدیم پلو دستاویزات سے کافی معلومات بہم نہیں پہنچتی لیکن بعد کے پلووں کے عہد میں معلوم ہوتا ہے گاؤں سبھا کا وجود پایا جاتا تھا جس کی مختلف کمیٹیاں گاؤں کے باغوں، مندروں، اشنان گرہوں اور تالابوں وغیرہ کا انتظام اور دیکھ بھال کرتی تھیں۔ چول حکومت میں بھی دیہی انتظام کی یہی خصوصیت تھی۔ اس کے علاوہ گاؤں سبھا عدالت کے فرائض بھی انجام دیتی تھی۔ لوگوں کے عطیات بھی امانت میں اسی سبھا کے پاس محفوظ رہتے تھے۔ آبپاشی کا طریقہ بہت اچھا تھا اور زمین کی پیمائش باقاعدہ کرائی جاتی تھی۔ گاؤں کی حد بندی باقاعدہ کی جاتی تھی اور قابل کاشت اور بنجر زمینوں کی تفصیلات، لگان وصول ہونے کے مقصد سے یا نیک اور عالم برہمنوں کو جاگیریں دینے کے خیال سے باقاعدہ رکھی جاتی تھیں۔ محصول بہت واضح تھے۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ راجہ اٹھارہ قسم کے محصول (اشٹادش پری ھاذ) گاؤں والوں سے وصول کرنے کا مجاز تھا۔ بعض کتبوں میں کچھ محصول معاف کیے گئے ہیں۔ ان معافیوں سے محصولوں کا تھوڑا بہت اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر ہیر ہڑگلی کی تختیوں میں میٹھا کھٹا دودھ اور شکر.... محصول ..... بیگار..... گھاس اور لکڑی..... ترکاریاں اور پھول وغیرہ وصول کرنے سے معافی دی گئی ہے۔ تنڈن ٹوتم کی تختیوں میں حسب ذیل ٹیکسوں سے معافی دی گئی ہے ـــ کولھواور کرگھوں پر محصول اُل وِیہ کوُلی یعنی شادیوں کی فیس، کمہاروں پر اُپہ یٹو نام کی فیس، تاڑی کھینچنے والوں اور گڈریوں پر محصول، دوکانوں اور دلالوں پر فیس، تیری موُگکانم، نمک سازی، اچھی گائیں اور اچھے بیل پیدا کرنے کا معاوضہ، وتی ناڑی، ناج کی ٹوکریوں اور سپاری پر فیس جو بازار میں دوکانوں پر لا بیچنے کے لیے لائی جائیں، وغیرہ وغیرہ[ع] اس طرح لوگوں کی آمدنی کے تمام ذرائع کا جائزہ لے کر انھیں انتظامی ضروریات پر صرف میں لایا جاتا تھا اور یہ سب بہت منظم طور پر ہوتا تھا۔

ع سائوتھ انڈین انسکرپشنس، جلد ۲، ص ۵۳۰، ۵۳۱۔

ادب

پلّوؔ دورِ حکومت میں کافی ادبی سرگرمیاں بھی رہیں اور پلّو راجاؤں نے سنسکرت زبان کی سرپرستی کی۔ چند کتبوں کو چھوڑ کر پلّو خاندان کے تمام قدیم کتبے اسی زبان میں ہیں۔ بعد کے کتبوں میں بھی جو تامل زبان میں ہیں، پرَ شَستی (مدحیہ) حصہ بہت اعلیٰ معیار کی سنسکرت میں ہے کانچی کی راجدھانی معلوم ہوتا ہے کافی قدیم زمانے سے علم وادب اور کلچر کا مرکز تھی[1] مشہور بدھ ماہر علم کلام، دِگ ناگ، اپنی علمی اور روحانی پیاس بجھانے یہیں آیا تھا۔ کہتے ہیں کہ برہمن عالم مَیورَ شرمن جس نے کدَمب سلسلے کی بنیاد رکھی، چوتھی صدی عیسوی کے تقریباً وسط میں یہیں سے فارغ التحصیل ہوا۔ ویدی مدرسے اس وقت مندروں میں قائم تھے اور انھیں مال دار عقیدت مند اپنے عطیات سے نوازتے تھے۔ علاوہ بریں سِنگھ وشنو (چھٹی صدی کا ربع آخر) کے بارے میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اس نے عظیم شاعر بھارَوی کو اپنے دربار میں مدعو کیا۔ نیز خیال کیا جاتا ہے کہ شعریات کا نامور مصنف دنڈِن نرسنگھ ورمن دوم راج سنگھ کے عہد کی شخصیت تھا (ساتویں صدی عیسوی کے اواخر) دنڈن کے دوسرے معاصرین میں ماتری دتّ کا نام لیا جاسکتا ہے۔ پلّوؔ راجاؤں میں مہیندر ورمن اول خود ایک پایہ کا مصنف تھا۔ مزاحیہ تصنیف مَتّ وِلاسَ پرَ ھَسَنَ اسی سے منسوب ہے۔ بعض عالموں کی یہ رائے بھی ہے کہ "سنسکرت کے ناٹک جنھیں بھاسؔ کی تصنیف کی حیثیت سے حال ہی میں تری وندرم سے شایع کیا گیا ہے، وہ دراصل بھاسؔ اور شودرَکؔ کی قدیم تصانیف ہیں جنھیں اس دَور میں پلّوؔ دربار میں پیش کرنے کے خیال سے مختصر کر لیا گیا تھا۔"[2] حقیقت کچھ بھی ہو، اس میں کوئی شک نہیں کہ پلّوؔ حکمراں عالموں کے قدردان تھے۔

مذہب

یُوآن چوانگ کی سند کے مطابق اس خطۂ ملک میں جس کی راجدھانی کانچی پورتھی،

---

[1] نیز ملاحظہ ہو وی۔ آر۔ دِکشِتر، "کانچی کی ایک ہندو یونی ورسٹی"، (ڈاکٹر کرشنا سوامی آینگر کیموریشن والیوم، ۱۹۳۶ - ص ۳۰۴، ص ۳۰۷)

[2] آر۔ گوپالن، ہسٹری آف دی پلّوز آف کانچی، ص ۱۵۹

لگ بھگ ۰۰ ۱۰ سنگھارام اور ۱۰۰۰۰ پجاری موجود تھے۔ وہ سب کے سب اِستھوِیر (چنگ لسو پو) عقیدے کی تعلیم حاصل کرتے تھے جو مہایان فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔[1] اس کا مزید بیان ہے کہ مشہور و معروف بدھ معلم دھرم پال کانچی پور کا رہنے والا تھا۔ اس طرح بدھ مت پلو ریاست میں زوال آمادہ نہیں تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ خاندان کے بعض ابتدائی راجہ اسی مذہب کے پیرو تھے۔ اسی طرح یوآن چوانگ نے بہت سے نرگرنتھوں کے وجود کا ذکر کیا ہے۔ مہیندر ورمن اول خود ابتدا میں جین تھا اور بعد میں اَپّر سادھو کے زیرِ اثر اس نے شیومت قبول کر لیا۔ اَپّر اور ترگیان سمبندر نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ جنوب میں تبلیغی کام کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بدھ اور جین مت دونوں کا زوال ہونے لگا اور شیومت کو حیاتِ تازہ مل گئی۔ پلو راجاؤں میں بہت سے شیو بھگوان کے سچے پجاری تھے۔ لیکن وہ وشنو مت کے ساتھ بھی رواداری سے پیش آتے تھے۔ الوردں (وشنو سادھوؤں) کی کوشش سے وشنومت بھی خوب پھلا پھولا۔

فن

یہ مذہبی احیا جو اس دور میں ہوا، پلو راجاؤں کی تعمیری سرگرمیوں کے لیے زبردست محرک ثابت ہوا۔ اُن کی بنوائی ہوئی عالی شان عمارتیں جنوبی ہندوستان میں آج تک ان کی یاد تازہ کرتی ہیں۔ ان عمارتوں کی تین یا چار واضح قسمیں نظر آتی ہیں۔ ڈلوَنور (جنوبی ارکاٹ کا ضلع) پلّاورم اور وَلَم (ضلع چنگل پٹ) میں جو مندر پائے جاتے ہیں وہ بالکل نئے طرز کی نمائندگی کرتے ہیں۔ جس کی ابتدا مہیندر ورمن اول نے جنوبی ہندوستان میں کی۔ یہ مندر ٹھوس چٹان کو کاٹ کر بنوائے گئے ہیں۔ ان کی امتیازی شان یہ ہے کہ ان میں مدور لِنگم، عجیب قسم کے دوار پال، بر بھا نورن اور مکعبی ستون پائے جاتے ہیں۔[2] دوسری قسم ان مندروں کی ہے جو نرسنگھ ورمن اول مہا مل نے تعمیر کرائے۔ اُس کے ابتدائی دور کے پُدوکوٹ اور ضلع ترچناپلی والے مٹھ مہیندر ورمن اول کے بنوائے ہوئے مندروں کی طرح ٹھوس پتھر سے تراشے گئے ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ ان کے سامنے کے رُخ پر نقش و نگار بکثرت بنائے گئے ہیں اور ستون نسبتاً زیادہ متناسب و موزوں ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہوں گزشتہ صفحات

[2] ہسٹری آف دی پلولز آف کانچی، ص92

بعد میں نرسنگھ ورمن اول مہامل نے بحیثیت دھرم راج کے مہابلی پرم میں بڑی بھاری گول مٹول گھسی پٹی چٹان سے رتھ تعمیر کروائے۔ اس کے بعد وہ دور آیا جس میں مندر اینٹ پتھر یا دونوں سے مل کر بننے لگے۔ ان مندروں کے مینار منزل بہ منزل تدریجاً بلند ہوتے چلے گئے ہیں۔ اس طرز کا بہترین نمونہ کانچی کا کیلاش ناتھ مندر نیز وہ مندر ہے جسے "شور" (ساحلی مندر) کا نام دیا گیا ہے۔ اسے سات پیگوڈا مندروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض مندروں کی خصوصیت یہ ہے کہ انھیں پلّو راجاؤں اور ان کی رانیوں کے خوب صورت اور جیتے جاگتے مجسموں سے آراستہ کیا گیا ہے۔ پلّو فنِ تعمیر کے نشوونما اور ارتقا کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ ایک نیا طرزِ تعمیر وجود میں آگیا جو چول راجاؤں کے نام سے موسوم ہے۔

فصل (۳)

چول خاندان کے راجہ

اشتقاق

بعض اوقات چول کے معنی "منڈلانے والا" کے لیے گئے ہیں جس کا مادہ تامل لفظ "چول" (بمعنی منڈلانا) ہے۔ اس کے برخلاف، دوسرے عالموں نے اسے سنسکرت لفظ "چور" (بمعنی چور) یا تامل کے "چولم" (بمعنی باجرہ) یا لفظ "کول" سے ربط دیا ہے جو عام طور پر قدیم زمانے میں جنوبی ہند کی کالے رنگ کی آبادی کے لیے استعمال ہوتا تھا۔[۱] لفظ چول کی اصل کے سلسلے میں ان رایوں کی جو بھی اہمیت ہو، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پانڈیوں اور چیروں کی طرح چول جنوبی ہند کے دیسی لوگ تھے، حالاں کہ بعد کے ادب اور کتبوں میں انھیں سورج کی روایتی نسل سے منسوب کر دیا گیا ہے۔[۲]

ان کا علاقہ اور شہر

روایتی چول منڈلم یا چولوں کی ریاست دو دریاؤں پنّر اور وِلّرو (وِلّر) کے درمیان

---

[۱] کے۔ اے۔ نیل کنٹھ شاستری، دا چولاز، ص۲ میں نے اس کی دونوں جلدوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔

[۲] ایضاً، ص۳۔ بعض کتبوں میں ایک چول راجہ کا نام آتا ہے جس سے خاندان منسوب ہے (ملاحظہ ہو ایضاً، ص۱۴۰)

میں شمال اور جنوب کی طرف واقع تھی، اور اس میں تخمیناً ریاست پڈو کوٹ کا کچھ حصہ اور تنجور اور ترچنا پلی کے موجودہ اضلاع شامل تھے۔ خاندانی جھگڑوں کے نتیجے میں جب چول طاقت گھٹتی بڑھتی تو سلطنت کے حدود میں بھی کمی بیشی واقع ہوتی تھی۔ راجدھانیوں میں سے ہم اورگ اپور (ترچنا پلی کے قریب اڈرے پر)، تنجوور (تنجور)، اور گنگئے کونڈ چول پورم کے بارے میں جانتے ہیں۔ ان کا مشہور ترین بندرگاہ کاویری پٹنم (پہار) تھا جو دریائے کاویری (شمالی شاخ) کے دہانے پر واقع تھا، جہاں سے چول بیرونی دنیا کے ساتھ بڑے پیمانے پر تجارت کرتے تھے۔

ابتدائی تاریخ

چوڑوں یا چولوں کا وجود، بحیثیت حکمراں کے، بہت بعید ماضی میں پایا جاتا تھا۔ قواعدداں کاتیاین (تقریباً چوتھی صدی ق م) نے ان کا ذکر کیا ہے، اور مہابھارت میں بھی ان کا نام آیا ہے۔ اشوک کے دوسرے اور تیرھویں چٹانی فرمان سب سے پہلی تاریخی دستاویزات ہیں جن میں چوڑوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان فرمانوں کے مطابق چوڑ جنوبی ہند کی ایسی طاقت تھے جو موریہ حدود سلطنت کے باہر ہوتے ہوئے اس سے دوستانہ تعلقات رکھتی تھی۔ اس کے علاوہ مہاونش چول سرتھ اور لنکا کے درمیان تعلقات پر روشنی ڈالتی ہے۔ اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دوسری صدی ق م کے وسط میں ایلار نامی ایک چول راجہ نے اس جزیرہ کو فتح کر لیا اور وہاں کافی طویل عرصے تک حکومت کی۔ چول دیس اور اس کے شہروں اور بندرگاہوں کا مزید حال تھوڑا بہت پیری پلس (تقریباً ۸۱ ء) نیز ٹالمی کے جغرافیہ (تقریباً دوسری صدی عیسوی کا وسط) سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد سنگم ادب ہے جسے کافی معقولیت کے ساتھ "عیسوی سن کی پہلی پانچ صدیوں سے منسوب کیا گیا ہے"۔ اس سے چند چول راجاؤں کی حکومت کی تصدیق ہوتی ہے جن میں سے بعض فیاضی اور انصاف کا روایتی نمونہ تھے۔ بہرحال جو باقی رہے ہو سکتا ہے وہ تاریخی شخصیت ہوں، لیکن ان کی سلسلہ وار تاریخ مرتب کرنا اور ان کی جانشینی کی ترتیب طے کرنا انتہائی زچ کرنے والا مسئلہ بنا ہوا ہے۔ ان میں سے ایک اڑن جیٹ چنی کا بیٹا کری کال تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے چول ریاست کے حدود واثرات کو کافی بڑھا دیا تھا۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے پانڈیہ اور چیر راجاؤں، نیز ان کے حلیف چھوٹے چھوٹے سرداروں کو ونی (کوول ونی، تنجور کے قریب) کی جنگ میں

شکست دی۔ وقت کا دھارا جیسے جیسے گزرتا ہے ہمیں ایک اور راجہ پیرو آنر کلی ملتا ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے مہاج سلویہ کی رسم ادا کی؛ اور اس کے بعد کوچین گنن دکھائی دیتا ہے جو کری کال کی طرح بہت سے قصوں کہانیوں کا موضوع بن گیا ہے۔ تیسری یا چوتھی صدی عیسوی کے قریب پلووں کے عروج اور پانڈیوں اور چیروں کے حملوں کے باعث چول حکومت گہن میں آگئی۔ چولوں کا وجود بے شک باقی رہا لیکن اگلی چند صدیوں کے بعد وہ بالکل بے حقیقت ہو گئے اور ہر طاقت ور حریف کے مقابلے میں انھیں جھکنا پڑا۔ ساتویں صدی عیسوی کے چوتھے دہے کے ختم پر یوآن چوانگ ہمیں بتاتا ہے کہ "چولائی پی (چولیہ یا چول) کے ملک کا دائرہ ۲۴۰۰ یا ۲۵۰۰ لائی اور راجدھانی کا ۱۰ لائی ہے۔ یہ ایک ویران اور وحشی علاقہ ہے اور متواتر جنگلوں اور دلدلوں سے بھرا ہوا ہے۔ آبادی بہت مختصر ہے اور فوجی ٹولیاں اور لٹیرے یہاں کھلے عام گھومتے پھرتے ہیں۔ آب و ہوا گرم ہے، لوگ بد چلن، بدعقیدہ اور ظالم ہیں۔ ان کے مزاج میں درشتی پائی جاتی ہے۔ سنگھارام اجڑے ہوئے اور گندے ہیں اور ان میں جو پجاری رہتے ہیں وہ بھی اسی قسم کے ہیں۔ دیوں کی تعداد میں دیو مندر ہیں اور بہت سے نرگرنتھ بدعقیدہ لوگ یہاں پائے جاتے ہیں"[1] اس خطۂ ملک کا اطلاق جس کی تفصیلات چینی زائر نے بیان کیں ڈاکٹر ونسنٹ اسمتھ کی رائے میں "ان اضلاع پر جو کمپنی کو دیے گئے تھے، خاص کر ضلع چُڈپّہ پر، ہوتا ہے"[2]۔ اس رائے سے ہم متفق ہوں یا نہ ہوں یہ بات بلاشبہ قابلِ لحاظ ہے کہ یوآن چوانگ اس علاقے کے حکمراں کے بارے میں بالکل خاموش ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ چول سردار کی طاقت اس وقت بہت کم تھی اور وہ شاید پلّو فرماں روا کے محض جاگیردار کی حیثیت رکھتا تھا۔ دراصل چولوں کی قسمت کا ستارہ اس وقت مکمل طور پر تاریکی کے غلاف میں لپٹ چکا تھا۔ لیکن نویں صدی عیسوی کے تقریباً وسط میں جب پلّو ریاست زوال پذیر ہوئی تو چول خاندان کا آفتابِ اقبال جنوبی ہند کے سیاسی افق پر پھر چمکنے لگا۔

چول خاندان کے شہنشاہ : وِجے آلیہ چولوں کی عظمت کا احیا جس خاندان نے

---

[1] بیل۔ بدھسٹ ریکارڈز آف دی ویسٹرن ورلڈ، جلد ۲، ص ۲۲۷

[2] ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا ایڈیشن، ص ۴۶۳

کیا اس کا نام وجے آلیہ تھا۔ بدقسمتی سے قدیم چول خاندان سے اس کے تعلق کا ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔ اس نے اپنی حکومت کی ابتدا ۸۵۰ء کے فوراً بعد غالباً پلّوراجہ کے باجگزار کی حیثیت سے اُورے یُور کے قریب کی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ وجے آلیہ نے تن جاوُر یا تنجور[1] کو مُتت ترئے یَر سرداروں سے چھین لیا جو پانڈیہ راجہ وَرگن وَرمن کے طرف دار تھے۔

آدِتیہ اوّل

وجے آلیہ کے بعد اس کا قابل بیٹا آدِتیہ اوّل تقریباً ۸۷۵ء میں تخت نشیں ہوا۔ اس نے خاندان کی طاقت اور عزت و وقار میں کافی اضافہ کیا، کیوں کہ اس نے پلّوراجہ اپراجت ورمن کو زیر کیا اور ۸۹۰ء میں تُونڈ منڈلم کو اپنے زیرنگیں کر لیا۔ آدِتیہ اوّل کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے کونگو دیش کو فتح کر لیا اور تلکاڈ کو حاصل کر لیا جو مغربی گنگوں کا صدر مقام تھا۔ آدِتیہ اوّل شیو کا پجاری تھا جس کے اعزاز میں اس نے کئی مندر تعمیر کرائے۔

پَرانتک اوّل

جب آدِتیہ کا بیٹا پَرانتک اوّل تخت نشیں ہوا تو چول قلمرو شمال میں کلہستی اور مدراس سے لے کر جنوب میں کاویری تک کے تمام مشرقی علاقے پر مشتمل تھی اور ۹۰۷ء سے ۹۵۳ء تک کے طویل دورِ حکومت میں اس نے اور اضافہ کر لیا۔ پہلے اس نے پانڈیہ راجہ راج سنگھ کے علاقوں کو اپنی ریاست میں شامل کیا جو بھاگ کر لنکا میں جا کر پناہ گزیں ہو گیا۔ اپنی اس فتح کی یادگار قائم کرنے کے لیے پرانتک اوّل نے "مُدرے کونڈ" کا لقب اختیار کر لیا۔ چول فاتح نے پھر اپنی فوجوں کا رُخ لنکا کی طرف موڑ دیا، لیکن یہ حملہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوا۔ اس کے بعد اس نے "دو بان راجاؤں کا استیصال کیا اور وَیدُمبوں کو فتح کر لیا"[2] پرانتک اوّل نے آخر میں پلّو طاقت کے آخری نشانات بھی مٹا دیے اور اپنی حکومت

---

[1] وجے آلیہ نے تنجاوُور یا تنجاپوری (تنجور) کو چول قلمرو کا صدر مقام بنا دیا۔ حالاں کہ پلّو علاقوں کی فتح کے بعد کانچی ایک قسم کی ثانوی راجدھانی بن گیا تھا۔ بعد ازاں راجندر اوّل نے نیا دارالسلطنت گنگا پوری یا گنگائے کونڈ چول پورم کو بنایا۔ [2] ساوتھ انڈین انسکرپشنس ۱۱، سرا نمبر۷۶، اشلوک ۹ ؛ دا چولاز صفحہ۱۵۱

شمال میں نیلور تک پہنچا دی۔ بہرحال اس تیزی کے ساتھ چول حکومت کی توسیع کے باوجود اُسے سکون نصیب نہ ہوا۔ اس کے عہد حکومت کے آخری دس سال کے اندر مفسد عناصر پھر بروئے کار آ گئے اور پرانتک اول، کرشن سوم راشٹرکوٹ سے خوں ریز جنگ میں مبتلا ہو گیا۔ حالاں کہ بعض چول کتبے اس طاقت ور دشمن کو شکست دینے کا سہرا اسی کے سر رکھتے ہیں لیکن دوسرے شواہد واسناد کے بغور مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کرشن سوم نے گنگ راجہ بوٹنگ دوم کی مدد سے چول فوجوں پر فیصلہ کن فتح حاصل کی۔ دراصل، معلوم ہوتا ہے راشٹرکوٹ حملہ آور نے کانچی اور تنجور پر قبضہ کر لیا اور "تنّ جے یُنْ کونڈ" کا فاخرانہ لقب اختیار کر لیا۔ پرانتک اول کا بڑا بیٹا راجادتیہ ۹۴۹ء میں تکولم (ضلع شمالی ارکاٹ) کی جنگ میں کام آیا[1] اور کہا جاتا ہے کہ کرشن سوم فتوحات کرتا ہوا رامیشورم تک پہنچ گیا۔ آخرالذکر دعویٰ درست ہو یا نہ ہو، اس میں بہرحال کوئی شک نہیں ہے کہ چولوں کو اس سے زبردست نقصان پہنچا جس کی تلافی کچھ عرصے تک ان کے لیے ممکن نہ ہو سکی۔

پرانتک اول نے دریا دلی کے ساتھ کئی یگیہ کیے اور چوں کہ وہ شیو کا سچا پجاری تھا اس لیے اس نے فنِ تعمیر کی ہمت افزائی کی اور اس کے عہد میں عالی شان مذہبی عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ چدمبرم کے شیو مندر پر سونا اسی نے منڈھوایا۔[2]

تاریک دور

۹۵۳ء میں پرانتک اول کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد تیس سال کی چول خاندان کی تاریخ بہت الجھی ہوئی ہے۔ واقعات کے سمجھنے میں عالموں کی رائے میں اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے پرانتک کے بعد اس کے دو بیٹوں گنڈرادتیہ اور ارنجیہ نے حکومت کی۔ نیز یہ کہ ارنجیہ کے بعد اس کا بیٹا سُندر چول راجہ ہوا، جس کی جگہ آدتیہ دوم کری کال اور اُتم چول گدی پر بیٹھے۔ یہ مریل قسم کے لوگ تھے اور ان کے دور میں سوائے آئے دن کی خاندانی

---

[1] موازنہ کریں آت کوزر کے کتبہ مورخہ شک سمبت ۸۷۲ مطابق ۹۴۹-۹۵۰ء سے (ایپی گرافیہ انڈیکا — چوتھا، صفحہ ۵، صفحہ ۵۸)۔ تکولم شمالی ارکاٹ کے ضلعے میں ارکونم سے تقریباً چھ میل مشرق کی طرف واقع ہے (ایضاً، چوتھا، صفحہ ۲۲۱، حاشیہ — ۳)

[2] دا چولاز، صفحہ ۱۶۴۔

ریشہ دوانیوں اور پڑوسیوں سے لڑائی جھگڑوں کے کوئی اہم واقعہ رونما نہیں ہوا۔

راجراج اول (تقریباً ۹۸۵-۱۰۱۴ء)

سندر چول کے بیٹے راجراج اول کی تخت نشینی کے ساتھ چول خاندان کے سب سے زیادہ پُرعظمت دور کا آغاز ہوا[1]۔ راجراج اول کو متعدد القاب سے یاد کیا جاتا ہے، مثلاً مُمَّدِی چول دیو، جین گونڈ، چول مارتنڈ وغیرہ۔ اُسے ورثہ میں ایک غیر منظم اور تخفیف شدہ ریاست ملی تھی۔ لیکن اس نے اپنی قابلیت، شجاعت اور فوجی قابلیت سے بگڑے ہوئے حالات پر بہت جلد قابو پالیا اور اپنے مقام و حیثیت کو بلند کر کے تمام جنوب میں اقتدارِ اعلیٰ حاصل کر لیا۔

راجراج اول کی ابتدائی کامیابیوں میں سے ایک یہ تھی کہ اس نے چیروں کو تسخیر کر لیا اور ان کے جہازی بیڑے کو کنڈلر کے مقام پر تباہ کر دیا۔ پھر اس نے مدورا حاصل کر لیا اور پانڈیہ راجہ امر بھجنگ کی ریاست پر قبضہ کر لیا۔ راجراج اول نے کوئلم اور مغربی گھاٹ میں اُدگے کے قلعہ کو، نیز ملے ناڈو کو بھی فتح کر ڈالا جو کُرگ کے مماثل ہے۔ ٹھیک اسی وقت لنکا میں گڑبڑی پھیل گئی، اس لیے اس نے لنکا پر حملہ کر دیا اور اس کے شمالی حصّے کو اپنی ریاست میں شامل کر لیا جو چول ریاست کا ایک صوبہ بن گیا اور اس کا نام مُمَّدِی چول منڈلم پڑ گیا۔ اس کے بعد اس نے گنگ واڑی اور نولمب پاڑی کے علاقوں کو تسخیر کیا جو میسور کے بیشتر حصے پر مشتمل تھے۔ راجراج اول کے روزافزوں اقتدار سے اس کا مغربی چالکیہ معاصر بے تعلق نہیں رہ سکتا تھا، اس لیے دونوں میں زور آزمائی ناگزیر ہو گئی۔ تیلپ کے اس دعوے میں (جس کا ذکر ۹۹۲ء کے ایک کتبے میں آیا ہے) کہ اس نے چولوں کو شکست دی، جس قدر بھی سچائی ہو، لیکن اس کے جانشین ستیا شریہ کو راجراج اول کے مقابلے میں ہزیمت اٹھانی پڑی۔ کہا جاتا ہے کہ راجراج اول نے رٹ پاڑی کو تسخیر کر لیا اور چالکیہ علاقہ کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ اس کے زبردست حملے سے بلاشبہ ستیا شریہ (تقریباً ۹۹۷-۱۰۰۸ء) کے چھکے چھوٹ گئے لیکن اُسے اپنے کو سنبھالنے اور چولوں کو پیچھے ہٹانے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔ پھر راجراج اول نے وینگی کی مشرقی چالکیہ

---

[1] کیل ہارن کی رائے ہے کہ راجراج اول ۲۵ر جون اور ۲۵ر جولائی ۹۸۵ء کے درمیان گدی پر بیٹھا (اپیی گرافیہ انڈیکا نواں، صفحہ ۲۱۵)

ریاست کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ شکتی ورمن (تقریباً ۹۹۹ - ۱۰۱۱ء) نے چول حملے کے اس سیلاب پر بند لگانے کی کوشش کی۔ لیکن اس کے چھوٹے بھائی اور جانشین وِملادِتیہ (۱۰۱۱ - ۱۰۱۸ء) نے راجراج اول کی سرداری قبول کی۔ راجراج اول نے دوستی کا ثبوت دینے کے لیے اپنی لڑکی گُندوَوے (کُندَوا) کی شادی اس کے ساتھ کر دی۔ ہمیں مزید معلوم ہوتا ہے کہ راجراج اول کی فتوحات میں کلنگ نیز "سمندر کے قدیم جزیرے" بھی شامل تھے" جن کی تعداد ۱۲۰۰۰ تھی" ان جزیروں کو لنکا دیپ اور مالدیپ کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ اگر یہ بات درست ہے تو اس کے معنی بلاشبہ یہ ہیں کہ چول راجاؤں کا جہازی بیڑا کافی طاقت ور تھا۔ اس طرح راجراج اول قریب قریب تمام موجودہ ریاست مدراس، کُرگ، میسور کے کچھ حصوں اور لنکا اور دوسرے جزیروں پر قابض و متصرف تھا۔ یہ واقعی عظیم الشان کارنامے تھے جن کے باعث راجراج اول کا شمار قدیم ہندوستان کے صف اول کے سورماؤں اور سلطنت کے معماروں میں کیا جاتا ہے

راجراج اول کی شہرت کا دار و مدار منجملہ اور باتوں کے خوب صورت شیو مندر کی تعمیر بھی ہے جو تنجور میں واقع ہے۔ اسی کے نام پر وہ راج راجیشور کہلاتا ہے اور اپنی عظیم الشان جسامت، سادگی، حسین مورتیوں اور نفیس آرائشی خصوصیات کے لیے مشہور ہے۔ مندر کی دیواروں پر راجراج کی مہموں کا حال کندہ ہے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے ورنہ راجراج کی زندگی اور کارناموں کی تفصیلات ہمیں ہرگز معلوم نہیں ہو سکتی تھیں۔

راجراج شیومت کو مانتا تھا، لیکن وہ دوسرے مذہبی فرقوں سے کوئی تعصب نہیں رکھتا تھا۔ اس نے دشنو کے بھی کئی مندر بنوائے اور انھیں جاگیریں دیں۔ اس کے علاوہ کہتے ہیں کہ اس نے نیگ پٹم میں ایک بدھ وِہار کے لیے ایک گاؤں جاگیر میں دیا۔ یہ وِہار سمندر پار جزیرہ ملایا میں شری وِجیہ اور کٹاہ کے سَیلیندر راجہ شری مار وِجے اُوت تُنگ ورمن نے تعمیر کرایا تھا۔

راجیندر اول گنگئے کونڈ (تقریباً ۱۰۱۴ - ۱۰۴۴ء)

راجراج اول کے انتقال کے بعد عصائے شاہی اس کے لائق فرزند راجیندر اول کے ہاتھ میں گیا جس نے باپ کی زندگی کے آخری ایام میں ہی حکومت کا بوجھ سنبھالنا شروع کر دیا تھا۔ راجیندر اول کے جلوس کا سن دراصل ۱۰۱۲ء سے شمار ہوتا ہے یعنی جس

سال اس کے باقاعدہ یُوَوَراج ہونے کا اعلان کیا گیا[5] وہ اپنے باپ کا بیٹا ثابت ہوا۔ وہ ایک بہادر سپاہی بھی تھا اور امورِ سلطنت میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ اس نے چول سلطنت کو معراج کمال پر پہنچا دیا۔ راجیندر اول اِدِی تُرئے ناڈو (ضلع رائچور) بن واسی (شمالی کنارا) کوُتپ پاک نے (کل پک) اور تنیک کڈم (غالباً مانیہ کمیٹ یا ل کیڈ) پر حملوں کے دوران ایک جنگ آزمودہ سپاہی کی حیثیت سے اپنے باپ کے زمانے ہی میں کافی شہرت حاصل کر چکا تھا۔ اس جہت سے اس کی فوجیں دریائے تنگ بھدرا کے اس پار چالکیہ علاقے کے ٹھیک بیچوں بیچ پہنچ چکی تھیں۔ لنکا کے شمالی حصے کو راجراج اول نے پہلے ہی فتح کر لیا تھا۔ راجیندر اول نے تخت پر بیٹھنے کے چند ہی سال بعد، غالباً ۱۰۱۷ء کے قریب تمام لنکا کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اگلے سال اس نے کیرل اور پانڈیہ دیش کے راجاؤں پر از سر نو چول اقتدار قائم کیا اور اپنے بیٹے جٹاورمن سُندر کو چول پانڈیہ کا خطاب دے کر اس علاقے کا وائسرائے مقرر کر دیا۔ علاوہ بریں، اس کا قبضہ بہت سے قدیم جزیروں "(غالباً لکا دیو مالدیو) پر بدستور قائم رہا، جنھیں اس کے باپ راجراج اول نے پہلے ہی فتح کر لیا تھا۔ راجیندر اول کی ایک جھڑپ مغربی چالکیہ راجہ جے سنگھ دوم جگ ویک مَل (تقریباً ۱۰۱۶ – ۱۰۴۲ء) سے بھی ہوئی۔ چالکیہ دستاویزات ظاہر کرتی ہیں کہ چولوں کے مقابلے میں چالکیوں کا پلّہ بھاری رہا۔ لیکن تامل کی پرشستی دعوے کے ساتھ کہتی ہے کہ جے سنگھ دوم نے مُوسنگی (مویگی) کی لڑائی میں "پیٹھ دکھائی اور منہ چھپایا"[6]۔ آخری فیصلہ جو کچھ بھی ہو، اس حد تک بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ جے سنگھ دوم تنگ بھدرا تک تمام ملک پر قابض و متصرف رہا۔ اس کے بعد راجیندر اول کی فوجوں نے شمال کا رُخ کیا۔ فتوحات کرتا ہوا وہ گنگا[7] اور گوڑ حکمراں مہی پال کے علاقوں تک پہنچ گیا۔

5۔ یہ واقعہ تخمیناً ۲۶ مارچ اور ۷ جولائی ۱۰۱۲ء کے درمیان میں پیش آیا (ایپی گرافیہ انڈیکا نواں، صفحہ ۲۱۷)

6۔ ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، دوسرا، صفحہ ۹۴، صفحہ ۹۵۔ مُسنگی یا مویگی کو بلاری کے ضلع میں اُچنگی درگ کے مماثل قرار دیا گیا ہے (ایضاً صفحہ ۹۴، حاشیہ ۴؛ ایپی گرافیہ انڈیکا، نواں، صفحہ ۲۳۳)

7۔ نیز ملاحظہ ہو آر۔ ڈی۔ بنرجی "راجیندر کی گنگا کی مہم"۔ جرنل آف بہار اینڈ اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی، چودہ (۱۹۲۸ء) صفحہ ۵۱۲، صفحہ ۵۲۲۔

ترُوملےُ (شمالی ارکاٹ کے ضلع میں پُولور کے قریب) کے کتبے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ راجیندر اول نے اُودّ وِشَیۂ (اڑیسہ)، کوسلے ناڈو (جنوبی کوسل)، تَنڈ بُتی (دنڈ بھکتی غالباً بلسور کے اضلاع اور مدنا پور کا کچھ حصہ) کے دھرم پال، تکن لاڈم (جنوبی رادھا) کے رنشُور، ونگال دیش (مشرقی بنگال) کے گووِند چندر، پال حکمراں مہی پال (تقریباً ۹۹۲ - ۱۰۴۰ء) اور اُتیر لاڈم (شمالی رادھا) کو تسخیر کر لیا تھا۔ چونکہ راجیندر اول کی اس شمالی لشکر کشی کا ذکر ترُوملے کے کتبے میں تو ہے جو اس کے جلوس کے تیرھویں سال کا ہے[1] اور میر پاڈی کے کتبے میں نہیں ہے جو نویں سال کا ہے[2]، اس لیے ہمارا یہ قیاس قرینِ عقل ہے کہ یہ لشکر کشی ۱۰۲۱ء اور ۱۰۲۵ء کے درمیان کسی وقت عمل میں آئی[3]۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ایک نہایت جرأت آفریں مہم تھی اور اس کی یادگار قائم کرنے کے لیے راجیندر اول نے "گنگئے کونڈ" کا لقب بھی اختیار کر لیا[4]۔ لیکن اس حملے کے نتائج دیرپا مرتب نہ ہو سکے۔ سوائے اس کے کہ کچھ کرناٹ سردار مغربی بنگال میں جا بسے اور راجیندر اول نے بہت سے شیومت والوں کو دریائے گنگا کے کنارے سے لا کر اپنی سلطنت میں بسا لیا۔ چول فرماں رواکے کارنامے صرف خشکی تک ہی محدود نہیں تھے اس کے پاس ایک مضبوط جہازی بیڑا بھی تھا جس نے دور خلیج بنگال میں کامیابیاں حاصل کیں۔ کہتے ہیں کہ اس نے سنگرام وِجے اُوت تنگ ورمن کو زیر کیا اور ہندوستان کے دور و دراز علاقوں کناہ اور کدارم کو فتح کر لیا۔ قیاس ہے کہ یہ مہم راجیندر اول نے ہوسِ ملک گیری کی تسکین کے لیے نہیں سر کی تھی، بلکہ اس کا مقصد جنوبی ہندوستان اور ملایہ کے درمیان تجارتی تعلقات قائم کرنا تھا۔ توسیع سلطنت اور فتوحات کے مسلسل دور کے بعد راجیندر اول نے اپنی تلوار نیام میں رکھ لی۔ اس کا بعد کا دور بہرحال کلیتاً پُرامن نہیں تھا۔ کیرل اور پانڈیہ دیش میں بغاوتیں ہونے لگیں لیکن انھیں یُوراج راجا دھراج نے کامیابی کے ساتھ فرو کر دیا۔ اس نے مغربی چالکیہ حکمراں سومیشور اول آہو مل کے مقابلے میں بھی کامیابی حاصل کی۔

---

[1] ایپی گرافیہ انڈیکا، نواں، ص ۲۲۹، ص ۲۳۳

[2] ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، جلد۔ ۳، حصہ اول، ۱۸۹۹، ص ۲۷، ص ۲۹

[3] ڈائینسک۔ ہسٹری آف ناردرن انڈیا، جلد ایک، ص ۳۱۶

[4] راجیندر اول کے دوسرے بیرود (القاب) یہ تھے — وکرم چول، پرکیشری ورمن وغیرہ۔

راجیندر اول نے ایک نئی راجدھانی کی بنیاد رکھی جو اسی کے نام پر "گنگئے چول کونڈ پُرم" کہلاتی تھی۔ اسے موجودہ گنگاکُنڈ پُرم کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ اس راجدھانی کو یہ شرف حاصل تھا کہ اس میں ایک عالی شان محل بنوایا گیا جسے سالم پتھروں کے نادر مجسموں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے یہ تمام عمارتیں اور فن کے نمونے دست بردِ زمانہ کی نذر ہو چکے ہیں۔ شہر کے نزدیک راجیندر اول نے ایک بہت بڑا مصنوعی تالاب بھی کھدوایا جسے نالیوں کے ذریعے دریائے کولےرُن اور وِتر کے پانی سے بھرا جاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ جھیل اور اس کے تمام پشتے کسی مخالف فوج نے تباہ کر دیے اور یہ تمام تختۂ آب اب ایک گھنے بن میں تبدیل ہو گیا ہے۔

راجادِھراج اول (تقریباً ۱۰۴۴-۱۰۵۲ء)

راجیندر اول کے بعد گدی ۱۰۴۴ء میں راجادِھراج کو ملی۔ ۱۰۱۸ء میں وہ یووَراج کی حیثیت سے باپ کے انتظامِ حکومت میں دخیل تھا۔ میدانِ جنگ میں بھی اس نے نام پیدا کیا۔ جب گدی پر بیٹھا تو اُسے بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن تمام مخالفتوں پر اس نے بہت جلد قابو پا لیا۔ اس نے کیرل اور پانڈیہ راجاؤں کو زیر کیا جو لنکا (سیلون) کے حکمرانوں کے ساتھ ایک اتحاد میں شامل ہو گئے تھے جن کے نام یہ تھے — وِکرم باہو، وِکرم پانڈو، ویر سال میگھ، اور شری ولبھ مدن راج۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ ان حریفوں کے مقابلے میں فتوحات کا جشن منانے کے لیے راجہ دھراج اول نے آشومیدھ یگیہ کیا۔ اس نے مغربی چالکیہ راجہ سومیشور اول آہومل (تقریباً ۱۰۴۲ - ۱۰۶۸ء) سے بھی جنگ کی۔ شروع شروع میں قسمت نے چول فرماں روا کا ساتھ دیا[۱] لیکن آخر کار ۱۰۵۲ء میں کوپم کی مشہور لڑائی میں راجادھراج کام آیا۔[۲]

راجیندر (دیو) دوم (تقریباً ۱۰۵۲ - ۱۰۶۳ء)

راجہ دھراج کے قتل ہو جانے کے بعد وہیں میدانِ جنگ میں اس کے چھوٹے بھائی

---

۱ کہتے ہیں کہ آہومل "خوف زدہ ہو گیا، ذلیل ہوا اور بھاگ گیا" ساؤتھ انڈین انسکرپشنز، تیسرا، ص۱۱۳

۲ یہ تاریخ ہمیں منگلم کے کتبے سے حاصل ہوئی ہے جو راجیندر دوم کے جلوس کے چوتھے سال کا ہے (ایضاً، تیسرا، ۵۸)؛ نیز ملاحظہ ہو ہسٹاریکل انسکرپشنز آف سدرن انڈیا (مدراس ۱۹۳۲ء)، ص۲

راجیندر دوم پرکیشری کے راجہ ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ اس کے عہد میں بھی چولوں اور چالکیوں کے درمیان جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ اس جنگ میں، جیسا کہ عام قاعدہ ہے، دونوں ہی فریق فتح کے دعوے دار ہیں۔ واقعی چول کتبوں میں تو یہ لکھا ہے کہ راجیندر دوم نے کولاپور (کولاپورم) پر دباؤ ڈالا اور وہاں ایک جے استمبھ نصب کیا[1] اس کے برخلاف وکرمانک دیو چرت کا مصنف بلہن بیان کرتا ہے کہ سومیشور اول نے آندھی دھاندی کانچی پر حملہ کر دیا جو چولوں کا ایک اہم مرکز تھا۔ ان متضاد بیانات کے پیش نظر حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ لڑنے والے فریقوں میں سے کسی ایک کو بھی دوسرے کے مقابلے میں فیصلہ کن فتح نصیب نہیں ہوئی۔ ایک بات بہرحال صاف ہے اور وہ یہ کہ راجیندر دوم نے چول سلطنت کو جیوں کا تیوں سالم وثابت رکھا۔

ویرراجیندر (تقریباً ۱۰۶۳ - ۱۰۷۰ء)

۱۰۶۳ء میں راجیندر دوم کے بعد اس کا چھوٹا بھائی ویرراجیندر راج کیشری راجہ ہوا، جس نے چالکیوں کے ساتھ روایتی جنگ کو جاری رکھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے کرشنا اور تنگ بھدرا دریاؤں کے سنگم کے قریب کُوڈل سنگ مم (ضلع کرنول) کی لڑائی میں سومیشور اول آہومل کو شکستِ فاش دی[2] بعد ازاں، سومیشور اول نے ایک بار پھر فاتح کے ساتھ زور آزمائی کی کوشش کی لیکن معلوم نہیں کیا وجہ ہوئی کہ وہ میدانِ جنگ میں نہ آسکا۔ اس کے بعد ویرراجیندر نے بزدل رامیشور اول کا پتلا بنوایا اور اُسے ذلیل کیا۔ چول حکمراں نے اپنی توجہ پھر وینگی کی طرف منعطف کی جہاں اس کے حلیف وجے آدتیہ ہفتم کے حالات ناموافق ہو رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سومیشور اول کے چھوٹے بیٹے، مغربی چالکیہ راجہ وکرم آدتیہ (بعد ازاں وکرمادتیہ ششم) نے وجے آدتیہ ہفتم کو پریشان کر رکھا تھا۔ ویرراجیندر موجودہ باڑواڑہ کے قریب چالکیہ فوجوں سے برسرپیکار رہا اور ان پر غالب آنے کے بعد اس نے گوداوری کو پار کیا اور کلنگ اور چکٹ کوٹم

---

[1] ملاحظہ ہو برزکٹ کونی لوڑ (ضلع جنوبی ارکاٹ) کا کتبہ وی۔ رنگ آچاریہ انسکرپشنس آف مدراس پریسیڈنسی جلد ایک، صفحہ ۳۳۶، نمبر ۸۵۱)

[2] ملاحظہ ہو ترنگاڈو کا کتبہ (ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، تیسرا، ۱۹۳۰)۔ ایک دوسرے نظریہ کی رو سے کوڈل سنگ مم دریائے تنگ اور دریائے بھدرا کے سنگم پر واقع تھا۔

کو تاخت وتاراج کیا۔ اس طرح وینگی پر پھر قبضہ ہوگیا اور وجے آدتیہ ہفتم کو اس کا سابقہ مقام پھر حاصل ہوگیا۔ علاوہ بریں، پانڈیہ اور کیرل کے راجاؤں نے سر اٹھایا تو ویرراجیندر نے انھیں بھی کچل دیا۔ اُدھر اس نے لنکا کے وجے باہو کے توسیع سلطنت کے منصوبوں، نیز چولوں کو سنگھل دوئپ سے بے دخل کرنے کی تمام کوششوں کو خاک میں ملا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ویرراجیندر نے ایک مہم کداَرم یا شری وجے کے خلاف بھی بھیجی، لیکن اس کے اسباب کیا تھے؟ اس کی تفصیلات تاریکی میں ہیں۔ آخر میں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۶۸ء میں سومیشور اول آہومل کی جگہ جب سومیشور دوم بھونیک مل گدی پر بیٹھا تو ویرراجیندر نے مغربی چالکیہ علاقوں پر پھر یورشیں کیں۔ وہ وکرم آدتیہ سے بھی ٹکرایا جو اپنے بڑے بھائی سومیشور دوم سے لڑنے کے بعد کلیان کی راجدھانی چھوڑ کر چلا گیا اور تنگ بھدرا کی طرف جا کر مقام کیا۔ آخر کار شرکائے جنگ میں مصالحت ہوگئی اور ویرراجیندر نے اپنی لڑکی کی شادی چالکیہ راجہ سے کر دی اور اس کے بعد وہ اس کی حمایت کرنے لگا۔

اَدِھی راجیندر (تقریباً ۱۰۷۰ء)

۱۰۷۰ء میں ویرراجیندر کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا، اَدھی راجیندر تخت نشیں ہوا۔ معلوم ہوتا ہے وہ یوؤراج کی حیثیت سے تین سال انتظام سلطنت کا تجربہ حاصل کر چکا تھا۔ لیکن اس کا اپنا دورِ حکومت بہت مختصر رہا۔ سلطنت میں گڑبڑ پھیل گئی اور اس کے برادرِ نسبتی وکرمادتیہ ششم) کی امداد کے باوجود وہ اپنی حیثیت برقرار نہ رکھ سکا اور اسے قتل کر دیا گیا۔

کُلوتّنگ اول (تقریباً ۱۰۷۰-۱۱۲۲ء)[1]

اَدھی راجیندر کے کوئی اولاد نہ تھی اس لیے گدی راجیندر دوم کو ملی۔ چول خاندان میں ایک قریبی ازدواجی رشتے کے باعث گدی کا وہ حقدار ہوگیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ وینگی کے وِملادتیہ (تقریباً ۱۰۰۹-۱۰۱۸ء) نے راجراج اول چول کی لڑکی کُندوایا کُندوّوے نام کی لڑکی سے شادی

---

[1] ملاحظہ ہو کے۔ اے۔ نیل کانت شاستری، دا چولانز، جلد دوسری (حصہ اول) مدراس ۱۹۳۷ء۔ آخری کتبہ جس سے ہم واقف ہیں کُلوتّنگ کے عہد کے باونویں سال کا ہے (ایضاً، ص۴۹، ص۹۱)

کی تھی۔ ان دونوں کے لڑکے راجراج وشنو وردھن نے راجیندر اول چول کی لڑکی امنگ دیوی کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ ان دونوں کے اتصال سے راجیندر دوم چالکیہ پیدا ہوا جو بعد میں کلوتنگ اول کہلایا۔ اس نے خود راجیندر دوم چول کی لڑکی مدھوران تکی سے شادی کی۔ اس طرح واقع ہوا کہ کلوتنگ کی رگوں میں چالکیہ خون سے زیادہ چول خون موجزن تھا؛ اور حالاں کہ ہمارے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اُسے چول خاندان میں باقاعدہ داخل کر لیا گیا تھا پھر بھی ایک تو خاندان کی اصل شاخ میں عقب کے نہ ہونے سے، دوسرے اَدھی راجیندر کے مرنے کے وقت جو افراتفری پھیلی اس کی وجہ سے کلوتنگ کو چول راج گدی حاصل کرنے کا بہترین موقع مل گیا۔ قیاس ہے کہ کلوتنگ اول نے پہلے اپنے چچا وجے آدتیہ ہفتم سے وینگی میں معاملات طے کیے اور اس کے بعد ۹ر جون ۱۰۷۰ء کو چول دیس کی راج گدی پر قبضہ کر لیا۔[1] اس طرح کلوتنگ اول نے وینگی کی مشرقی چالکیہ ریاست اور تنجوور (تنجور) کی چول ریاست کو متحد کر دیا۔ مغربی چالکیہ راجہ وکرما دتیہ نے اس اختلاط کو کالعدم کرنے کی کوشش کی، غالباً سومیشور دوم بھوونیک مل کے اُکسانے سے، جو کسی نہ کسی طرح اپنے لائق چھوٹے بھائی کو ہٹانا چاہتا تھا۔ لیکن یہ تمام کوشش ناکام ہوگئی۔ اپنے مقام کو مضبوط کرنے اور چول قلم رو میں امن و امان قائم کرنے کے بعد کلوتنگ اول نے اپنے بیٹے راجراج ممڈی چوڑ کو وینگی میں گورنر مقرر کر دیا۔ ممڈی چوڑ نے اپنے عہدہ کا کام ۲۷ر جولائی ۱۰۷۶ء کو سنبھالا لیکن ایک سال بعد چھوڑ دیا۔ بعد ازاں اس کے دو بھائیوں، ویر چوڑ (۱۰۷۸–۱۰۸۴ء) اور راجراج چوڑ گنگ (۱۰۸۴ء–۱۰۸۹ء) کو یکے بعد دیگرے وینگی کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اور اس کے بعد وینگی راج کمار گورنروں کا صدر مقام بن گیا۔ کلوتنگ نے پھر پانڈیہ اور کیرل کے ضدی سرداروں اور جنوب کے دوسرے سرداروں سے مواخذہ کیا۔ کہتے ہیں کہ اس نے اپنے مالوہ کے پرمار معاصر سے بھی کامیاب زور آزمائی کی، اور کلنگ کو اس کی فوجوں نے دوبار لوٹا کھسوٹا۔ مغربی چالکیہ راجہ وکرما دتیہ ششم کے ارادوں کی روک تھام کے لیے کلوتنگ اول نے اپنے جلوس کے چھبیسویں سال میں پہلی مہم کی قیادت خود کی۔ دوسری مہم اس نے مشرقی گنگ راجہ، اننت ورمن چوڑ گنگ (تقریباً ۱۰۷۷–۱۱۴۷ء) کے خلاف اپنے آزمودہ سپہ سالار کرونا کر تونڈے مان کی سرکردگی میں

---

[1] ایپی گرافیہ انڈیکا، ساتواں، صث، حاشیہ ۔۵؛ "چول راجاؤں کی تاریخوں" کے لیے ملاحظہ ہو ایضاً، صا، صنا؛ انضماں، صن۳۶۰–۲۷۴؛ نواں، ص۲۰۷، ص۲۴۳

لگ بھگ ۱۱۱۲ء میں بھیجی۔ بہرحال، ہمارے پاس ایسے شواہد موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کلوتنگ کی حکومت سمندر پار کے کسی علاقے میں نہیں تھی۔ نیز یہ کہ آخر عہدِ حکومت میں گنگ وادی یا جنوبی میسور اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اس کی وجہ ہوائے سَل سردار بِٹِّگ وِشنو وردھن (تقریباً ۱۱۱۰ - ۱۱۴۰ء) کا حملہ تھا جو اپنے بوڑھے چالکیہ فرماں روا وکرمادتیہ ششم کا محض برائے نام پابند تھا ورنہ ہر لحاظ سے خود مختار تھا۔

کلوتنگ اول نے ریاست کے داخلی انتظام میں بعض اہم اصلاحات کیں۔ ان میں سب سے اہم یہ تھی کہ اس نے محصول لگانے اور لگان وصول کرنے کے مقصد سے زمین کی ازسرِ نو پیمائش کروائی۔

کلوتنگ اول کا دور مذہبی اور ادبی سرگرمیوں کے لیے بھی ممتاز رہا۔ وہ خود شیومت کا سچا پیرو تھا، لیکن اس نے نیگاپٹم میں بُدھ مٹھوں کے لیے بھی جاگیریں دیں۔ البتہ وہ عظیم وشنو معلم رامانج کا مخالف ہو گیا تھا۔ اس لیے یہ مہاتما ترچناپلی کے قریب سری رنگم کو خیر باد کہنے اور میسور میں ہوائے سَل راجہ بِٹِّگ وشنو وردھن کے یہاں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔ ادبی شخصیتوں میں جنھوں نے کلوتنگ اول کے زمانے میں عروج پایا ایک جے گونڈن تھا جس نے کلنگت تُپَرنی تصنیف کی۔ دوسرا اَدِی یَرکُ کُنڈرُ تھا جس نے تِرُکپّ دِھکا رم کی شرح لکھی۔

کلوتنگ اول کے جانشین

تقریباً نصف صدی کے طویل دورِ حکومت کے بعد کلوتنگ اول ۱۱۲۲ء[1] میں فوت ہو گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا وِکرم چول جسے تیاگ سَمُدر بھی کہتے ہیں گدی پر بیٹھا۔ وہ وینگی کا وائسرائے رہ چکا تھا۔ وہ غالباً وشنومت کا پیرو تھا اور خیال کیا جاتا ہے کہ اس کے عہد میں رامانج میسور سے پھر چول دیس میں واپس آ گئے۔ وکرم چول (تقریباً ۱۱۱۸ - ۱۱۳۳ء[2]) اور اس کے بیٹے پوتے کلوتنگ دوم (تقریباً ۱۱۳۳ - ۱۱۴۷ء)، راجراج دوم (تقریباً ۱۱۴۷ - ۱۱۶۳ء) اور راجہ دھراج

---

[1] کلوتنگ اول کے عہد کی آخری تاریخ جو ہمیں معلوم ہے وہ سن باون (جلوس) ہے (داچولانہ، جلد ۲، حصہ اول ۱۹۳۴ء، صفحہ ۹۱)

[2] وکرم چول کی تخت نشینی آخر جون ۱۱۱۸ء میں عمل میں آئی (اپی گرافیہ انڈیکا، ساتواں ۱۹۰۲ء، صفحہ ۵) ۔ معلوم ہوتا ہے کہ چند سال اس نے اور اس کے باپ نے مل کر حکومت کی۔ (داچولانہ، صفحہ ۹۱)

دوم (تقریباً ۱۱۶۳ — ۱۱۷۸ء)، سب ناکارہ تھے اور ان کے عہد حکومت میں چول خاندان کا بڑی تیزی سے زوال ہونے لگا اور جنوبی ہند کی سیاسیات میں دوار سمدر کے ہوئے سل ابھر کر ایک طاقت ور عنصر بن گئے۔ لنکا، کیرل اور پانڈیہ ریاستوں کے حکمرانوں نے بڑی دیدہ دلیری سے چول خاندان کی وفاداری سے روگردانی اختیار کرنی شروع کر دی۔ حقیقت یہ ہے کہ چول حکومت کا وقار اس قدر گر گیا کہ لنکا کے راجہ کو پانڈیہ ریاست کے معاملات میں دخل اندازی کی ہمت ہو گئی اور اس نے تخت کے دعوے داروں میں سے ایک کا ساتھ دینا شروع کر دیا۔ لیکن نتیجہ میں راجادھراج دوم نے تمام مخالفت پر پوری طرح قابو پالیا، اور تخت نشینی کا تصفیہ اپنے امیدوار کے حق میں طے کرادیا۔ اگلے حکمراں کلوتنگ سوم (تقریباً ۱۱۷۸ — ۱۲۱۶ء[1]) کو پانڈیہ ریاست میں ایک اندرونی بغاوت فرو کرنی پڑی۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فتوحات کرتا ہوا وہ مدورا تک پہنچ گیا، اور لنکا کے راجہ نے جو یورشیں جزیرہ نما میں کیں ان کا اس نے مقابلہ کیا اور اسے پیچھے ہٹا دیا۔ لیکن ان معمولی کامیابیوں کے باوجود چول خاندان کا ستارۂ اقبال اب ڈوبتا جا رہا تھا۔ کلوتنگ سوم کے بیٹے اور جانشین راجراج سوم (تقریباً ۱۲۱۶ — ۱۲۵۲ء) کے عہد میں یہاں تک نوبت پہنچی کہ ماروورمن سندر پانڈیہ نے تنجور کو تاخت و تاراج کر ڈالا اور راجراج سوم کو ایسی خطرناک مصیبت میں مبتلا کر دیا کہ اسے مدد کے لیے اور قید سے رہائی دلانے کے لیے ویر بلال دوم یا نرسنگھ دوم ہوئے سل (حساب لگانے کے بعد ۱۲۱۵ء) کو بلانا پڑا۔ اسی اثنا میں پلّو نسل کے ایک اور کوپر ینجنگ نام کے سردار نے سینڈ منگلم میں کافی نام پیدا کر لیا۔ کہتے ہیں کہ اس نے بھی راجراج سوم کو قید کر لیا۔ ہوئے سل کے راجہ نے پھر مداخلت کی اور کوپر ینجنگ کو شکست دے کر راجراج سوم کو رہا کرایا چناں چہ چول خاندان کے حالات کافی ابتر ہو چکے تھے اور ۱۲۴۶ء میں جب راجراج سوم اور راجیندر سوم کے درمیان خانہ جنگی شروع ہو گئی تو چول بادشاہت کی زبوں حالی سے فائدہ اٹھا کر دوار سمدر کے ہوئے سلوں، گنپتی (تقریباً ۱۱۹۹ — ۱۲۶۱ء) کے دورِ حکومت میں ورنگل کے کاکتیوں اور مدورا کے پانڈیوں نے اپنی طاقت کو خوب خوب بڑھایا۔ واقعہ یہ ہے کہ راجیندر سوم ہی کے زمانے میں جس نے ۱۲۴۶ء سے ۱۲۵۲ء تک اپنے حریف راجراج سوم کے ساتھ مل کر حکومت

---

[1] ایپی گرافیہ انڈیکا، آٹھواں، صفحہ ۲۶۰ کیل ہارن کہتا ہے کہ کلوتنگ سوم کا عہد (تخمیناً) "چھٹی اور ساتویں جولائی سن ۱۱۷۸ء کے درمیان اور راجراج سوم کا (اندازاً) ۲۷ جون اور ۱۰ جولائی ۱۲۱۶ء کے درمیان باقی رہا۔

کی اور بعد ازاں ۱۲۶۷ء تک آزادانہ حکومت کی۔ چول خاندان کی سیادت پر جٹاورمن سُندر پانڈیہ (تقریباً ۱۲۵۱ - ۱۲۷۲ء) نے آخری ضرب لگائی۔ وہ اس کا بھی مدعی ہے کہ اس نے چول علاقے کے ایک بڑے حصے کو تاخت و تاراج کیا اور کانچی پر قبضہ کر لیا۔ اس نے دوسرے معاصر سرداروں پر بھی ہیبت بٹھا دی اور اپنی برتری اور طاقت جتانے کے لیے اس نے "مہاراج دھراج" کا لقب اختیار کر لیا۔ راجیندر سوم بگڑے ہوئے حالات پر قابو پانے میں ناکام رہا۔ آخر کار کچھ تو اندرونی خلفشار کے سبب اور کچھ پانڈیوں اور دوسرے جاگیرداروں کے عروج کے باعث چول سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا اور چول خاندان تاریکی کے سمندر میں ڈوب گیا۔

چولوں کا انتظامِ حکومت[1]

راجہ اور اس کے افسر

چولوں کے کتبے ثابت کرتے ہیں کہ ان کا انتظامِ حکومت بہت منظم اور باقاعدہ تھا۔ راجہ حکومت کا محور ہوتا تھا جس پر کل ریاست کی مشین گردش کرتی تھی۔ وہ اپنے وزیروں اور دوسرے بڑے بڑے افسروں کی امداد و مشورہ سے انتہائی محنت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتا اور اپنی ذمہ داریوں سے بہ احسن وجوہ سبکدوش ہوتا تھا۔ اس کے زبانی احکامات (تِرُو واکیہ کیلوِی) کا مسودہ اس کا منشی خاص یا پرائیویٹ سکریٹری تیار کرتا تھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ راجراج اول اور اس کے بیٹے کے عہد میں ان کا منشی خاص (اُو لے نائکم) اور ایک دوسرا عہدے دار (پیرُندرم) شاہی احکامات کی توثیق کرتے تھے تب منشی مراسلات (اُولے یا دِھکاری) اُن احکامات کو متعلقہ فریقین کے پاس بھیجتا تھا۔ آخر میں، مقامی گورنر ان کی جانچ پڑتال کرتے تھے اور اس کے بعد انھیں محافظ خانہ میں بھیج دیا جاتا تھا تاکہ رجسٹر پر باقاعدہ ان کا اندراج کر لیا جائے۔

علاقائی تقسیم تمام ریاست (راجیم یا راشٹرم) متعدد صوبوں (منڈلم) میں

---

[1] ملاحظہ ہو ڈاکٹر ایس. کرشن سوامی آئنگر، اینشینٹ انڈیا، ص۱۵۸، ص۱۹۰؛ پروفیسر کے. ایل. نیل کنٹھ شاستری، اسٹڈیز ان چولا ہسٹری اینڈ ایڈمنسٹریشن، ص۴۳، ص۱۴۲؛ دا چولاس، جلد ۲، حصہ اول، ص۲۱۰ - ص۳۶۲۔ میں اپنے بہت سے حوالوں کے لیے ان کتب کا مرہونِ منت ہوں۔

منقسم ہوتی تھی۔ ان میں سے اہم ترین صوبوں میں نائب السلطنت (وائسرائے) تعینات کیے جاتے تھے۔ عام طور پر وائسرائے شاہی خاندان کے راجکماروں یا شریف گھرانے کے نوجوانوں کو بنلیا جاتا۔ بعض صوبے ان علاقوں پر مشتمل تھے جنھیں چول راجاؤں نے فتح کرکے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا تھا۔ اس کے علاوہ باجگزار سرداروں کے علاقے تھے جو خراج ادا کرتے تھے اور وقتِ ضرورت اپنے فرماں روا کا حکم بجالاتے تھے۔ صوبوں کی مزید تقسیم حلقوں (کوٹم یا وَل نادُو) میں ہوتی تھی۔ ان سے چھوٹی انتظامی اکائیاں بھی ہوتی تھیں مثلاً ضلعے (نادُو)، کئی کئی گاؤں کے جتھے (کرّم)، اور گاؤں (گرامم)

مجالس

یہ ثابت کرنے کے لیے ہمارے پاس کافی شواہد موجود ہیں کہ چول اقتدار کے زمانے میں ان تمام چھوٹے چھوٹے حلقوں میں اپنی اپنی عوامی مجلسیں ہوتی تھیں۔ سب سے پہلے ہمیں تمام مَنڈلم کی ایک عوامی مجلس کا حال معلوم ہوتا ہے جس کا نام اس سلسلے میں لیا گیا ہے کہ اس نے اپنے ماتحت آراضی پر کچھ محصول معاف کردیے تھے۔ اس کے بعد کتبوں میں ضلع (نادو) کی ایک عوامی مجلس نادر کا، نیز نگر تار یعنی "بیوپاریوں کی انجمن" کا ذکر آتا ہے جو عرف عام میں نگرم کہلاتی تھی۔ یہ دونوں اصطلاحیں علی الترتیب، جَن پَد اور پَور سے مطابقت رکھتی تھیں۔ بدقسمتی سے ان کے آئین اور طریقۂ کار کی تفصیلات ہمیں معلوم نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ، مقامی انتظام میں تجارتی انجمنوں یا شرینیوں، پگوں، اور دیگر ایسی آزاد جماعتی تنظیموں کا وجود بڑی مدد دیتا تھا جو کسی خاص ترفہ یا پیشہ کی بنیاد پر جماعت بندی کرلیتی تھیں۔ دیہاتی مجلسوں کے متعلق یہ ہے کہ اُن میں اُوُر ہوتے تھے۔ یعنی گاؤں کے باشندوں کے اجتماعات جن میں کسی خاص قاعدہ قانون کی پابندی کے بغیر معاملات پر تبادلۂ خیالات کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ سبھا یا مہا سبھا ہوتی تھی، یعنی ان دیہات کی مجلس جن میں برہمن آباد تھے (یعنی برھم دِیو)۔ ان سبھاؤں یا مہا سبھاؤں کے بارے

لے ملاحظہ ہو نیل کنٹھ شاستری۔ اسٹڈیز ان چولا ہسٹری اینڈ ایڈمنسٹریشن، صلہ

لے ڈاکٹر آر۔ سی۔ مجمدار۔ کارپوریٹ لائف ان اینشینٹ انڈیا: ڈاکٹر آر۔ کے۔ مکرجی: لوکل گورنمنٹ ان اینشینٹ انڈیا۔

میں بے شک ہماری معلومات وافر ہے۔ لوحی دستاویزات سے خاص کر جو اُترمیرؤسے دستیاب ہوئی ہیں، واضح ہوتا ہے کہ یہ دیہی مجلسیں، بشرطِ انتظامِ افسرانِ شاہی، جو اَدھی کارن کہلاتے تھے، دیہات کے انتظامی معاملات میں قریب قریب کلیتاً با اختیار ہوتی تھیں۔ وہ گاؤں کی مزروعہ اور غیر مزروعہ دونوں قسم کی اراضیات کی مالک تھیں۔ چوں کہ زراعت کی وہی ذمہ دار تھیں اس لیے جنگلات کو وہ ہر سال صاف کرکے قابلِ کاشت بناتی تھیں اور وہ ہر قسم کی تکلیف و پریشانی سے کاشتکار کی حفاظت کی کوشش کرتی تھیں۔ مقررہ مطالبات وصول کرنے میں حد سے زیادہ سختی کرنے سے گریز کیا جاتا تھا۔ بسا اوقات یہ مجلسیں مذہبی اغراض کے لیے بغیر مرکزی حکومت یا مقامی نمائندۂ حکومت کے اطلاع کے زمین کو منتقل یا بیع کر دیتی تھیں۔ مزید براں یہ مجلس نقد رقمیں وصول کرتی یا آراضی کے تحفے قبول کرتی تھی تاکہ انھیں وقف علی الخیر کے طور پر اپنے تصرف میں لاسکے۔ سبھا گاؤں کے اخلاقیات کے محافظ کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیتی تھی۔ اسے انصاف کرنے اور مجرمین کو سزائیں دینے کے بھی اختیارات حاصل تھے۔ یہی سبھا مٹھوں میں گاؤں کے بچوں کو سنسکرت یا تامل زبان میں تعلیم دینے کا انتظام کرتی تھی۔ سبھا کے اراکین کی تعداد کا تعین ابھی تک ٹھیک نہیں کیا جاسکا ہے۔ قیاس ہے کہ تعدادِ اراکین گاؤں کی اہمیت اور رقبے پر منحصر ہوتی تھی۔ اس کے جلسے مندر میں، یا اگر کوئی پبلک ہال ہوتا تو اس میں، یا کسی گھنے اور سایہ دار املی کے پیڑ کے نیچے منعقد ہوتے تھے۔ مفادِ عامہ کے کاموں کی دیکھ بھال کے لیے سبھا چھوٹی چھوٹی کمیٹیاں بنا دیتی تھی۔ چناں چہ ہم مختلف کمیٹیوں کا نام سنتے ہیں، جیسے عام انتظامات کی کمیٹی (پنچ وار واریم)، تالابوں کا بندوبست کرنے والی کمیٹی (ایری واریم)، باغوں، کھیتوں مندر، خیرات، انصاف اور سونے کی نگرانی اور دیکھ بھال کرنے والی کمیٹی (پوُن واریم)۔ ان کمیٹیوں کے انتخاب کے لیے بڑے واضح قواعد مرتب کیے گئے تھے۔ ہر گاؤں، محلوں (کُدُمبُوں) میں منقسم ہوتا تھا اور رکنیت کے لیے کسی شخص کی اہلیت یا نااہلی جانچنے کے لیے کچھ قیود و شرائط مقرر تھے۔ جن کا تعین اس شخص کی عمر، علمی قابلیت، کردار، معیارِ زندگی اور سماجی حیثیت کی بنیاد پر کیا جاتا تھا ہر رکن صرف ایک سال کے لیے منتخب ہوتا تھا۔ انتخاب کا طریقہ بہت سادہ تھا۔ تمام امیدواروں کے نام کے ٹکٹ ایک گھڑے میں ڈال دیے جاتے تھے اور انھیں اچھی طرح گڈمڈ کر دیا جاتا تھا اور اس کے بعد کوئی لڑکا ایک ایک کرکے وہ ٹکٹ اس گھڑے میں سے نکالتا تھا۔ اس کے بعد پجاری جو سرپنچ کے فرائض بھی انجام دیتا تھا، انتخاب کے نتیجے کا اعلان کر دیتا

تھا۔ اگر کمیٹی کا کوئی رُکن کسی وقت بھی کسی جُرم کا مرتکب ہوتا تو اُسے رکنیت سے خارج کردیا جاتا تھا۔ ہر شخص سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ کھُل کر سامنے آئے اور اپنے چلن سے دوسروں کے لیے مثال قائم کرے۔ حسابات کے معاملے میں حد سے زیادہ احتیاط برتی جاتی تھی اور محاسب پابندی کے ساتھ ان کی جانچ پڑتال کرتے تھے۔ کسی قسم کا تصرف بیجا، غبن یا خیانت کرنے والے کو بڑی سخت سزا دی جاتی تھی[1]

پیمائش اراضی

سرکار وقتاً فوقتاً زمین کی پیمائش کرواتی تھی۔ یہ پیمائش آخری کسر تک درست ہوتی تھی آراضیات کے تمام پٹوں کا اندراج کیا جاتا تھا۔ ابتدا میں ۱۶ سے ۱۸ بالشت تک لمبی سلاخیں پیمائش کے کام میں لائی جاتی تھیں، لیکن بعد میں کلوت تنگ اول کے نشان قدم کو معیاری پیمانہ قرار دے دیا گیا۔

ذرائع آمدنی (آیم)[2]

سرکار کی آمدنی کا خاص ذریعہ لگان تھا جو عام طور پر پیداوار کا چھٹا حصہ ہوتا تھا۔ قسم زمین اور آبپاشی کی سہولتوں کو مدنظر رکھ کر اس شرح میں بشرط ضرورت کبھی کبھی ردو بدل بھی کردیا جاتا تھا[3] بعض اوقات جب سیلاب آتے یا قحط سالی ہوتی تو لگان معاف بھی کردیا جاتا تھا۔ سرکاری مطالبات گرام سبھا وصول کرتی تھی جو نقد کی صورت میں بھی ادا کیے جاسکتے تھے اور جنس کی صورت میں بھی۔ وزن کی اکائی کو اس وقت کلم (تگ بھگ تین من) کہتے تھے اور رائج الوقت سکہ کشنو کہلاتا تھا۔ ایک کتبہ میں حسب ذیل محصولوں کا ذکر آتا ہے۔ کرگھوں پر (تری ایری) کولھوؤں پر (تیک کیری)، تجارت پر (سیٹی مرئی)، سناروں پر (تتشارہ پاٹم)، مویشیوں تالابوں اور دریاؤں پر (اُو تک کنیر پاٹم)، نمک پر (اُپایم)، چنگی (وِلی آیم)، باٹوں پر

---

[1] نیز ملاحظہ ہو داچولانہ، جلد دوسری، حصہ اول، باب اٹھارہ

[2] ملاحظہ ہو داچولانہ، جلد دوسری، حصہ اول، باب انیس

[3] . ریاست کی آمدنی بڑھانے کے لیے جنگلوں کو کٹوایا گیا اور بنجر زمینوں میں کاشت کا انتظام کیا گیا۔

(راڈے وَرِیوئی)، بازاروں پر (اَنگاڈِی پاٹم) ۔ ان کے علاوہ بھی کچھ محصول ہوتے تھے جن کا مطلب صاف نہیں ہے[1] اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ سرکار نے اپنا خزانہ بھرنے کے لیے قیاس میں آنے والے تمام ذرائع کو اچھی طرح کھنگال لیا تھا۔

خرچ

خرچ کی خاص خاص مدات یہ تھیں ــــ خاندان شاہی اور محلسرائے کا خرچ، فوجی اور غیر فوجی نظم و نسق پر اخراجات، شہر آباد کرنے کا خرچ (مثال کے طور پر گنگئے کونڈچول پُرم)، مندر، سڑکیں، آبپاشی کی نالیاں، اور دوسرے رفاہِ عامہ کے کاموں پر اخراجات ۔

فوج اور جہازی بیڑا

چول حکمرانوں کے پاس ایک اعلیٰ تربیت یافتہ لشکر اور ایک مضبوط جہازی بیڑا رہتا تھا، جن کے باعث راجراج اول اور راجیندر اول کو اپنی پڑوسی طاقتوں کے مقابلے میں اور دور سمندر پار بحرِ ہند اور جزیرہ نمائے ملایا میں شان دار فتوحات نصیب ہوئیں ۔چول فوج کئی حصوں میں منقسم تھی ۔ یہ تقسیم ہتھیاروں کے اعتبار سے بھی ہوتی تھی اور سواروں اور پیادوں کے لحاظ سے بھی۔ اس طرح اس کے حسب ذیل حصے تھے ــ ایک "منتخب تیر اندازوں کا دستہ (وِلی گَز)" دوسرے، باڈی گارڈ کے پیدل سپاہی (وَل پیرِ کیکٹ کولَر)، تیسرے، داہنے بازو کی پیدل فوج (دنگئے کے وِلے لے کاہرُ)، چوتھے، "منتخب سوار" (کُدئی سَہَچ چیوگرُ)، پانچویں، ہاتھیوں کا دستہ (آنے کیاٹ کلُ، کُنجر دملَر)، وغیرہ ۔ فوج مختلف چھاؤنیوں میں تیار رہتی تھی جو کڈگم کہلاتی تھیں وہاں رہ کر فوج بڑے سخت نظم و ضبط کی پابندی کرتی تھی اور تربیت حاصل کرتی تھی ۔ بعض سپہ سالار برہمن ہوتے تھے جو بدھما دِھراج کہلاتے تھے۔

چول خاندان بحیثیت معمار: (۱) آبپاشی کے کام

پلّووں کی طرح چولوں نے بھی آبپاشی کے بڑے بڑے منصوبے بنائے ۔ کنوئیں اور تالاب

---

[1] ملاحظہ ہو ڈاکٹر ایس کرشن سوامی آیَنگر، اینشینٹ انڈیا، ص۱۸۰

بنوانے کے علاوہ انھوں نے کاویری اور دوسرے دریاؤں پر پتھر کے بڑے مضبوط ڈام تیار کروائے^ط اور وسیع علاقوں میں آبپاشی کے لیے نالیاں بنوائیں۔ ایک عظیم الشان کارنامہ جو راجیندر اول کے عہد سے تعلق رکھتا ہے یہ ہے کہ اس نے اپنی نئی راجدھانی گنگئی کونڈ چول پُرم کے قریب ایک مصنوعی جھیل کھدوائی جسے دریائے کولے رُن اور وِلّر کے پانی سے بھرنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہ بند ۱۶ میل لمبا تھا اور اس میں پانی کو نکالنے اور روکنے کے لیے پھاٹک اور نالیاں بھی رکھی گئی تھیں اس طرح ہم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ ذخیرۂ آب غریب کسانوں کے لیے کس قدر مفید ثابت ہوا ہوگا۔

(۲) سڑکیں

چولوں نے "لمبی چوڑی سڑکیں" بھی تعمیر کرائیں جنھوں نے تجارت میں آسانیاں اور رسل و رسائل میں سہولتیں پیدا کردیں۔ ان سڑکوں نے فوجی مہموں کے دوران چول لشکروں کے نقل وحرکت میں ضرور مدد پہنچائی ہوگی۔ اہم سڑکوں پر مقررہ فاصلوں پر چھاؤنیاں قائم کیں اور کشتیوں کے ذریعہ دریا پار کرنے کا انتظام رہتا تھا۔

(۳) شہر اور مندر

چولوں نے شہر تعمیر کروائے اور عالی شان محلسراؤں اور مندروں سے ان کی رونق کو دوبالا کیا۔ اس عہد میں مندر شہری اور دیہی زندگی کے مرکز کی حیثیت رکھتے تھے۔ مندروں میں لوگ مقدس کتابیں سنتے اور روحانی تسکین حاصل کرتے تھے۔ اس کے علاوہ مندر مدرسوں کا بھی کام دیتے تھے جہاں ویدوں، پُرانوں، رزمیہ نظموں، دھرم شاستروں، ہیئت، قواعد اور دوسرے علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ راجا، مہاراجا اور امرا وہاں مذہبی رسوم ادا کرتے تھے اور اپا ہجوں اور حاجت مندوں کو انعام و اکرام دیتے تھے۔ تیوہاروں اور رنگ رلیوں کے موقعوں پر ان مندروں میں ناٹک کھیلے جاتے تھے اور لوگ رقص اور موسیقی سے لطف اندوز ہوتے تھے۔

ط اس طرح نرسی ڈاڈز ٹرے کے کہتے ہیں (۱۹۲۵ کا ۱۱۰) حوالہ آتا ہے کہ پرکیشری کری کال چول نے کاویری کے کناروں کو اونچا کروایا۔

ان کا فن

چول مندروں کی خصوصیات ان کے عظیم الشان وِمان یا مینار اور وسیع و عریض صحن ہیں۔ بعد کی دراوڑی عمارتوں میں گوپورم یا پھاٹکوں پر منبت کاری نے میناروں کو پست کر دیا ہے۔ یہ پھاٹک چاروں طرف میلوں دور تک تمام منظر پر چھائے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ تنجور کا عظیم الشان شیو مندر راجراج اول نے بنوایا تھا اور اسی کے نام پر وہ راج راجیشور کہلاتا ہے۔ اس کا وِمان یا مینار تقریباً ۱۹۰ فٹ اونچا ہے اور ۸۲ مربع فٹ کی کرسی پر تیرہ سلسلہ وار منزلوں میں اہرامی انداز میں اوپر بلند ہوتا ہے۔ اس کا تاج ایک خاص قسم کے پتھر سے سالم ٹکڑے سے تراشا گیا ہے جس کی اونچائی ۲۵ فٹ اور وزن ۸۰ ٹن ہے۔ اسے وہاں پہنچانے اور نصب کرنے میں کس قدر محنتِ شاقہ برداشت کرنی پڑی ہوگی اور وہ انجینئر کتنے ماہر اور قابل ہوں گے! تنجور کا دوسرا خوب صورت مندر جوشان میں ذرا کم ہے، تقریباً دسویں یا گیارھویں صدی عیسوی کی یادگار ہے۔ اُسے سُبرمنیہ دیوتا کے اعزاز میں تعمیر کرایا گیا تھا۔ اسی طرح راجراج اول کے بہادر بیٹے اور وارث راجیندر اول نے اپنی نئی راجدھانی گنگئی کونڈ چول پُرم (ضلع ترچنا پلی) میں ایک شان دار مندر تعمیر کرایا۔ اس کی غیر معمولی جسامت، ٹھوس پتھر کا بھاری بھرکم لنگم اور نازک منبت کاری نہایت دیدہ زیب ہے۔ چول راجاؤں نے ڈھلائی کے فن کی بھی ہمت افزائی کی۔ ان کے عہد میں فن کاروں نے دھات، اور پتھر کے بہت خوب صورت مجسمے تعمیر کیے جن میں حیرت انگیز طور پر زندگی، وجاہت اور وقار پایا جاتا ہے۔ اس مقام پر مناسب ہے کہ تنجور اور کالہستی کے چول مندروں کا ذکر کیا جائے جن میں شاہی خاندان کے افراد مثلاً راجراج اول اور اس کی رانی لوک مہادیوی اور راجیندر اول اور اس کی رانی چول مہادیوی کے خوب صورت اور دیدہ زیب مجسمے اور شبیہیں موجود ہیں۔

مذہب

جیسا کہ ہم نے گذشتہ صفحات میں دیکھا، چول حکمراں شیو کے پجاری تھے[1] لیکن وہ دوسرے

---

[1] راجراج اول اور راجیندر اول کے کتبوں میں اپشان، بشیو اور شروتری کے جو نام آتے ہیں وہ پانڈیہ دربار کے شمالی ہندوالے شیومت سے تعلق کا بہترین ثبوت ہے جیسا کہ پروفیسر نیل کنٹھ شاستری نے ظاہر کیا ہے (دا چولاس، جلد دوسری، حصہ اول، صفحہ ۲۲۱)

رائج الوقت عقائد کے ساتھ بھی کوئی تعصب نہیں رکھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ راجراج اول خود شیومت کا گرم جوش معتقد تھا، لیکن اس نے وشنو کے مندروں کو بھی جاگیریں دیں اور نیگ پٹم میں بُدھ وِہاروں کو بھی عطیات سے نوازا[1] جینیوں نے بھی امن وآشتی کے ساتھ اپنی تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ البتہ کلوتنگ اول کے متعلق یہ ضرور ہے کہ اس نے شیومت کو مانتے ہوئے ایک بدھ وِہار کو تو ایک گاؤں جاگیر میں دیا لیکن اس کے برخلاف وہ مشہور ومعروف وشنو مصلح رامانج کا مخالف ہوگیا۔ چناں چہ رامانج کو سری رنگم چھوڑ کر کچھ عرصے کے لیے ہوائےسل ریاست میں میسور جاکر رہنا پڑا۔ وکرم چول نے بعد میں جب اپنے باپ کی پالیسی کو بدلا تو وہ پھر چول ریاست میں لوٹ آئے۔ اس قسم کی ایذا رسانی کی مثالیں بہرحال بہت شاذ تھیں، اور عام طور پر وشنو "الوِر" اور شیو نینمار اپنے اپنے عقائد کا پرچار کرنے میں آزاد تھے۔ علاوہ بریں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ چول راجاؤں کے یہاں ویدی قربانیوں کے حوالے (سوائے سنگم عہد کی نظموں کے) بہت کم ملتے ہیں۔ راجا دھراج کی دستاویزات میں بے شک آشومیدھ کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ شاید اس عہد میں یگیہ (قربانی) کے مقابلے میں دان (تحفہ، نذر) پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ برہمنوں کو لوگ انعام واکرام دیتے تھے اور مندروں کو جاگیریں۔

فصل (۴)

مدورا کا پانڈیہ خاندان[2]

اصل

یہ ایک زچ کر دینے والا مسئلہ ہے کہ پانڈیہ کون تھے اور ان کے نام کی وجہ تسمیہ ٹھیک ٹھیک آخر کیا ہے؟ بدقسمتی سے روایات میں تضاد پایا جاتا ہے۔ بعض عالموں کی رائے میں پانڈیہ دیومالا والے کورکے کے تین بھائیوں کی اولاد تھے جنھوں نے علی الترتیب پانڈیہ، چول اور چیر ریاستوں کی بنیاد رکھی تھی۔ دوسری روایات ان کا تعلق شمال کے پانڈوؤں یا چندونشی

---

[1] ملاحظہ ہو لیڈن کا فرمان

[2] ملاحظہ ہو پروفیسر نیل کانت شاستری، دا پانڈین کنگ ڈم (لندن ۱۹۲۹ء) یہ کتاب میرے لیے بہت کارآمد ثابت ہوئی۔ پانڈیہ راجاؤں کی تاریخوں کے لیے ملاحظہ ہو ایپی گرافیہ انڈیکا، ساتواں، صفحہ، صفحہ؛ آٹھواں صفحہ ۲۴۴، صفحہ ۲۴۳؛ نواں صفحہ ۳۳۲، صفحہ ۲۱۹

سے ظاہر کرتی ہیں۔ کیا ان بظاہر متضاد کہانیوں کا مطلب یہ ہے کہ حالاں کہ پانڈیہ نسلاً دراوڑ تھے لیکن رزمیہ نظموں کے ویروں سے ان کا تعلق اس وقت پیدا کر دیا گیا جب آریوں نے جنوبی ہند میں بود و باش اختیار کرلی اور وہاں اپنے مذہب اور رسم و رواج کی توسیع و اشاعت کی؟

پانڈیہ دیش

پانڈیہ خاندان جزیرہ نمائے ہند کے آخری سرے پر ساحل مشرق کے متوازی حکومت کرتا تھا۔ ان کی ریاست کی وسعت راجہ کے کمزور یا طاقت ور ہونے پر منحصر تھی اور گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ بہرحال پانڈیہ دیس معمولاً موجودہ مدورا، رم نڈ، اور ٹینیولی کے اضلاع پر مشتمل تھا۔ مدھورا (مدورا)، یعنی "جنوب کا متھورا"، ان کی راجدھانی تھی؛ اور دریائے تامر پرنی کے دہانے پر کورکے (ضلع ٹینیولی)، عہد قدیم میں ان کا خاص تجارتی بندرگاہ تھا۔ بعد ازاں ساحل کی بناوٹ میں رفتہ رفتہ تبدیلی واقع ہوئی تو اس کی اہمیت کم ہوگئی اور دریا سے چند میل کے فاصلے پر کیل واقع تھا جو تجارتی منڈی بن گیا۔

ابتدائی جھلکیاں

پانڈیہ ریاست بہت قدیم تھی۔ کاتیائن (تقریباً چوتھی صدی ق۔م۔) نے اپنی پانینی کی اشٹا دھیائی کی شرح میں غالباً اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور والمیکی کی رامائن میں پانڈیہ راجدھانی کی دولت کا ذکر آیا ہے۔ مہاونش کے ایک گنجلک سے بیان میں کہا گیا ہے کہ لنکا کے وجے نام کے راجہ نے بدھ کے پری نِروان کے بعد ایک پانڈیہ راج کماری سے شادی کی۔ اس کے بعد کوٹلیہ کے ارتھ شاستر میں ایک خاص قسم کے موتی کا ذکر آیا ہے جو پانڈیہ کاواٹک کہلاتا تھا۔ یہ موتی پانڈیہ دیس کے ایک پہاڑ پانڈیہ کاوٹ پر دستیاب ہوتا تھا۔ میگستھنیز نے عجیب و غریب معلومات بہم پہنچائی ہے، یعنی یہ کہ پانڈیہ قوم پر عورتیں حکومت کرتی تھیں[1]، اور یہ کہ چھ سال کی عمر میں ان کے بچہ پیدا ہوجاتا تھا[2]۔ وہ مزید بیان کرتا ہے کہ ہیراکلیز کے صرف ایک لڑکی تھی جس کا نام پانڈیہ تھا وہ جس دیس میں پیدا ہوئی تھی اور جس کی حکومت اس نے (ہیراکلیز نے) اسے سونپ دی تھی وہ اسی کے نام پر پانڈیہ کہلاتا تھا۔ اسے اپنے باپ سے

---

[1] میک کرنڈل، اینشینٹ انڈیا ایز ڈسکرائبڈ بائی میگستھنیز اینڈ ایرین (۱۹۲۶)، جزو ۵۶ (ب)، صفحہ ۱۶۱

[2] ایضاً جزو ۵۱، صفحہ ۱۵۱۔ یہ سب خرافات ہے۔

۵۰۰ ہاتھی، ۴۰۰۰ سوار اور ۲۰۰۰۰ پیادوں کا لشکر جرار ورثہ میں ملا تھا۔[۱] میگستھنیز کی شہادت کی جو کچھ بھی اہمیت ہو، یہ بات یقینی ہے کہ اشوک کے دوسرے اور تیسرے چٹانی فرمان میں پانڈیوں کو اس کی سلطنت کی جنوبی سرحدوں کی ایک آزاد قوم بتایا گیا ہے۔ وقت کے دھارے کے ساتھ جب ہم آگے بڑھتے ہیں تو ہاتھی گمپھا کے کتبے میں ہمیں دکھائی دیتا ہے (سطر-۱۳) کہ کلنگ کے کھارویل نے پانڈیہ راجہ کو نیچا دکھایا اور اس سے "گھوڑے، ہاتھی، ہیرے، جواہرات اور رنگ برنگے موتی" حاصل کیے۔ پانڈیہ راجہ کا ایک حوالہ اسٹرابو کی تحریروں میں ملتا ہے۔[۲] وہ کہتا ہے کہ راجہ پانڈیون نے ایک سفارت روم کے شہنشاہِ اعظم، آگسٹس سیزر کے دربار میں تقریباً ۲۰ ق۔م۔ میں بھیجی تھی۔ اس کے بعد پیری پلس اور تالمی کے جغرافیہ میں ہم پانڈوئی اور اس کی راجدھانی موُدورا (مدُورا) اور دوسرے شہروں اور تجارتی مرکزوں کا حال سنتے ہیں۔

تاریک صدیاں

پانڈیوں کی تاریخ کا مواد تقریباً ساتویں صدی کے اوائل تک، انتہائی نامکمل و ناقص ہے سنگم تصانیف ــ پتّاپاٹّ، کاٹّ، تم ، منی میکھلئی اور دوسرے شعری مجموعے ــ جنھیں معقول وجوہ سے "عیسوی سن کی ابتدائی صدیوں سے منسوب کیا گیا ہے"، ہمیں واقعاتاً راجاؤں کے چند نام ضرور بہم پہنچاتی ہیں، لیکن ان کی سلسلہ وار تاریخ اور ان کے کارناموں پر کوئی روشنی نہیں ڈالتیں انھوں نے اس عہد کی مذہبی اور سماجی زندگی سے سروکار رکھا ہے اور بس۔ ان میں سے ایک حکمراں نیڈُن جلین نے معلوم ہوتا ہے، تلئے یا لنگانم (تنجور کے ضلع میں موجودہ تلئے آلم کاڈو) کے مقام پر اپنے خوف ناک دشمنوں کی متحدہ افواج کو شکست دے کر پانڈیوں کے وقار کو دوبالا کر دیا۔ سنگم عہد کے بعد کم و بیش اگلی تین صدیاں کلیتاً تاریکی کے غلاف میں لپٹی ہوئی ہیں قیاس ہے کہ شروع میں پلّووں کے عروج کی وجہ سے پانڈیوں کی اہمیت کم ہوگئی اور بعد میں یعنی چھٹی صدی عیسوی میں ان کے ملک پر کلبھروں نے قبضہ کر لیا۔[۳] حملہ آوروں کو بہر حال مغلوب

۱۔ ایضاً ایرین، ۸، ص۲۰۶

۲۔ کتاب ۱۵، باب ۴، ص۴۳

۳۔ دا پانڈین کنگ ڈم ، ص۴۸ ، ص۴۹ ، حاشیہ ۔ ۱

کر دیا گیا، اور چھٹی صدی عیسوی کے اواخر یا ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں کڈُن گُون نے پانڈیہ طاقت کو نئی زندگی بخش دی۔

ترقی کا دور

چناں چہ کڈُن گُون نے ایک نئے دور کا آغاز کیا جسے "پانڈیہ سلطنت کے دورِ اول" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے کڈُن گُون کے حالات ہمیں زیادہ نہیں معلوم۔ البتہ اس کا ثبوت ہمارے پاس ہے کہ اس نے یا اس کے بیٹے مارورمن اَوَنی شولامَنی نے سنگھ وشنو سے ٹکر لی جو اس وقت پلوؤں عظمت کی بنیاد رکھ رہا تھا۔ اگلا قابلِ ذکر پانڈیہ راجہ اَری کیشری مارُورمن (تقریباً ساتویں صدی عیسوی کا وسط) تھا جسے نیڈو مرَن یا روایتی کُن پانڈیہ کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ ابتدا میں وہ جین تھا، لیکن بعد میں سنت تُرگیان سمبندر کے زیرِ اثر شیومت کا پُرجوش حامی بن گیا۔ اَری کیشری مارُورمن اور اس کے جانشینوں — کُوچ ڈَیَن رندھیر (تقریباً ساتویں صدی کے اواخر یا آٹھویں صدی عیسوی کے اوائل)، مارورمن راج سنگھ اول، اور نیڈنج ڈین وَرگُن اول (تقریباً ۷۶۵ - ۸۱۵ء) — کے عہد میں چولوں، کیرلوں اور دوسری پڑوسی ریاستوں میں تخفیف ہوتی رہی اور پانڈیہ ریاست کی چاروں طرف توسیع ہوئی۔ آخری دو کو نندی ورمن پلوؤں کے مقابلے میں تھوڑی بہت کامیابی بھی ہوئی۔ مزید برآں نیڈنج ڈین کے باپ نے کونگو دیش (موجودہ کوئمبتور اور سالم کے اضلاع) کو فتح کر لیا تھا۔ نیڈنج ڈین نے اس فتح کو مکمل کیا اور وناڈ (جنوبی تراونکور) کو اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ اس کے بیٹے اور جانشین شری مار شری ولبھ (تقریباً ۸۱۵ - ۸۶۲ء) نے لنکا کے راجہ[1] نیز پلوؤں، گنگوں اور چولوں کی متحدہ افواج کو کُنڈ مکو (کُم بکونم) کے مقام پر شکست دے کر امتیاز حاصل کیا۔ پلوؤں کے ساتھ کشمکش کا سلسلہ بہرحال اپراجیت ورمن کے وقت تک جاری رہا۔ اپراجیت ورمن نے گنگ سردار پرتھوی پتی اول اور شاید ادتیہ اول چول کی مدد سے پانڈیہ حکمراں وَرگُن ورمن یا ورگُن دوم کے خلاف لگ بھگ ۸۸۰ء میں کُم بکونم کے قریب شری پُرم بیم (تری پُرم بیم) کی جنگ میں فیصلہ کن فتح حاصل کی۔ اس زبردست جھٹکے کے علاوہ پانڈیہ راجہ کو چولوں کے عروج کے باعث جنوب میں ایک اور اہم سیاسی صورتِ حال کا مقابلہ کرنا پڑا۔ کہتے ہیں کہ مارُورمن

---

[1] اس کے برخلاف لنکا والے اپنے شواہد کی بنیاد پر اس کے برعکس دعوے پیش کرتے ہیں۔

راج سنگھ دوم نے لنکا کے راجہ سے اتحاد قائم کر کے چولوں کو کچلنے کے لیے پرانتک اول (تقریباً ۹۰۷-۹۵۳ء) پر حملہ کر دیا۔ لیکن اسے شکست فاش ہوئی اور کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کے بعد فاتح نے پانڈیہ علاقوں پر قبضہ کر لیا اور اس فتح کی یادگار قائم کرنے کے لیے "مدورے کونڈہ" کا لقب اختیار کر لیا۔ مار ورمن راج سنگھ دوم لنکا کی طرف بھاگ گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے اپنی کھوئی ہوئی طاقت پھر حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن اس کی تمام کوششیں بہرحال رائیگاں گئیں۔

چولوں کی سرداری

اس طرح پانڈیہ ریاست کی آزادی ختم ہو گئی اور اس پر ۹۲۰ء سے لے کر تیرھویں صدی کی شروعات تک چول خاندان کا راج رہا۔ یہ واقعہ ہے کہ چول خاندان بالکل نابود نہیں ہو گیا بلکہ وقتاً فوقتاً حکراں خاندان کے نوجوانوں نے چول راج کا جوا اتار پھینکنے کی کوششیں کیں۔ تکولم کی جنگ (۹۴۹ء) نے جس میں کرشن سوم راشٹرکوٹ نے چولوں کی بنیادیں ہلا دیں، اس قسم کا پہلا موقع فراہم کر دیا۔ لیکن ویر پانڈیہ کی اس بغاوت کو فرو کر دیا گیا۔ باغی راج کمار کو گرفتار کر لیا گیا اور بعد میں قتل کر دیا گیا۔ اسی طرح راجراج اول (تقریباً ۹۸۵-۱۰۱۴ء) کو امر بھجنگ کی مخالفت پر قابو پانا اور پانڈیہ دیس کو از سر نو تسخیر کرنا پڑا۔ بہرحال گڑبڑ پھر شروع ہو گئی۔ چناں چہ راجیندر اول (تقریباً ۱۰۱۴-۱۰۴۴ء) نے اپنے بیٹے جٹا ورمن سندر کو "چول پانڈیہ" کا لقب دے کر وہاں کا وائسرائے مقرر کر دیا گیا۔ اس طرح پانڈیہ علاقے چول سلطنت کا ایک صوبہ بن گئے۔ لیکن اس براہ راست اقتدار کے باوجود، پانڈیوں نے چیروں اور سنگھالیوں کو ساتھ ملا کر علم بغاوت پھر بلند کر دیا۔ اسے فرو کرنے میں چول حکرانوں کو کافی مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ واقعہ یہ ہے کہ راجادھراج دوم (تقریباً ۱۱۶۳-۱۱۷۸ء) کے وقت تک چولوں کی گرفت اس قدر ڈھیلی ہو گئی کہ لنکا کے راجہ نے پراکرم اور اس کے بیٹے ویرکی طرف داری کی، جب کہ تخت کے دوسرے دعوے دار کل شیکھر کو چول فرماں روا کی ہمدردی اور امداد حاصل تھی۔ قضیہ آخرکار چول فرماں روا کے امیدوار کے حق میں طے ہو گیا۔ لیکن اس سے یہ واضح ہو گیا کہ چول راجاؤں کی اب یہ حیثیت باقی نہیں رہی تھی کہ جنوبی ہند کے سیاسی معاملات میں وہ تنہا چودھری بنے رہیں۔ چول طاقت کی آخری جھلک اس وقت دکھائی دی جب کلوتنگ سوم (تقریباً ۱۱۷۸-۱۲۱۶ء) نے لنکا کے راجہ کو پسپا کیا اور کل شیکھر کے جانشین وکرم پانڈیہ کے تحفظ کے لیے مدورا پر قبضہ کر لیا۔ اس واقعہ کے بعد چول خاندان بالکل بے حقیقت ہو گیا اور پانڈیوں نے اپنی

اگلی شان و شوکت ایک بار پھر حاصل کر لی۔

تازہ خوش حالی

۱۱۹۰ء میں جٹاورمن کُل شیکھر کی تخت نشینی پانڈیہ خاندان کی تاریخ میں ایک نیا موڑ ثابت ہوئی۔ اس کے بعد خاندان کی نئی زندگی کا آغاز ہوا، اور ایک صدی تک، یا اس سے کچھ زیادہ، جنوبی ہندوستان کے سیاسی منظر پر وہی چھایا رہا۔ اس عہد کے، جسے عام طور پر "پانڈیہ سلطنت کے دوسرے دور" سے تعبیر کیا جاتا ہے، ماخذ وافر ہیں۔ لیکن چوں کہ وہی نام بار بار آتے ہیں اور ایک وقت میں کئی راجہ ریاست کے مختلف حصوں میں حکومت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اس لیے سلسلے وار تاریخ اور سلسلۂ نصب کے تعین میں دشواریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔ حقیقتاً بعض غیر ملکی مصنفین نے تو یہ رائے ظاہر کی ہے کہ "مابار کے عظیم صوبہ" میں "پانچ صاحب تاج راجہ" پائے جاتے تھے۔ ان راجاؤں کی "مخلوط ولایت" کا نظریہ حقائق پر مبنی نہیں ہے کیوں کہ حق بات یہ ہے کہ وہ مقامی سردار تھے اور بعض علاقوں میں محض جاگیردار کی حیثیت سے حکومت کرتے تھے۔

جٹاورمن کُل شیکھر کے جانشین، ماروَرمن سندر پانڈیہ اول (تقریباً ۱۲۱۶-۱۲۳۸ء) کے عہد میں چول خاندان پھر گوشۂ گمنامی میں چلا گیا۔ اس نے ان کی ریاست کو تاخت و تاراج کیا اور تنجور اور اُرے یُر کے شہروں کو خوب لوٹا کھسوٹا اور نذرِ آتش کر دیا۔ چول راجہ راجراج سوم (تقریباً ۱۲۱۶-۱۲۵۲ء) پہلے تو بھاگ گیا لیکن بعد میں جب اس نے اطاعت قبول کر لی تو اسے گدی پر بحال کر دیا گیا۔ اس نے ایک بار پھر بغاوت کی، لیکن بغاوت کو فوراً فرو کر دیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مارورمن سندر پانڈیہ اول نے راجراج سوم کے خلاف دونوں مرتبہ کوئی سخت اقدامات اس لیے نہیں کیے کہ نرسنگھ دوم ہوائے سل نے مداخلت کی تھی جسے ایک لوح میں "پانڈیہ راجہ کو گدی سے اتارنے اور چول راج قائم کرنے والا" کہا گیا ہے۔ نرسنگھ دوم کی یہ عملی مداخلت جس نے سری رنگم پر خود چڑھائی کی، بالکل فطری بات تھی، کیوں کہ پانڈیوں کو کسی قسم کی قوت پہنچانا خود ہوائے سلوں کے لیے خطرناک تھا۔ مارورمن سندر پانڈیہ دوم (تقریباً ۱۲۳۸-۱۲۵۱ء) کے زمانے میں چولوں، پانڈیوں اور ہوائے سلوں کے درمیان تعلقات جیوں کے تیوں رہے۔ اگلا حکمراں جٹاورمن سندر پانڈیہ

(تقریباً ۱۲۵۱ – ۱۲۷۲ء) بہر حال دم خم کا آدمی تھا اور اس نے پانڈیہ طاقت کو عروج کمال پر پہنچا دیا۔ اس نے بالآخر چولا اقتدار کو جنوب میں بالکل کچل دیا، کانچی پر قبضہ کر لیا اور چیر دیس کونگو دیس اور لنکا کو زیر کر لیا۔ اس کے علاوہ اس نے ہوائے سلوں کے راجہ، ویر سومیشور کا تعاقب کیا اور کنو، رکوپم کا قلعہ فتح کر لیا۔ اس نے وارنگل اور کوپرینجنگ کے کاک تیہ گن پتی (تقریباً ۱۱۹۹ – ۱۲۶۱ء) اور سیندمنگلم کے پلو سردار کو بھی شکست دی۔ چناں چہ ان فتوحات کا نتیجہ یہ نکلا کہ جٹاورمن سندر پانڈیہ کی حکومت بہت تیزی کے ساتھ جنوبی ہند کے بیشتر حصے میں پھیل گئی اور شمال میں چدپہ اور نیلور تک پہنچ گئی۔ اپنے اقتدار اعلیٰ کو جتانے کے لیے اس نے "مہاراجادھراج شری پرمیشور" کا بلند آہنگ لقب اختیار کر لیا۔[1] جٹاورمن ویر پانڈیہ نام کا ایک اور راجہ لڑائیوں میں اور انتظام حکومت میں، جٹاورمن سندر پانڈیہ کا ایک طویل عرصے تک شریک کار رہا۔ کہتے ہیں کہ مارورمن کل شیکھر نے جٹاورمن سندر پانڈیہ کی موت سے چند سال پیشتر یعنی ۱۲۶۸ء سے حکومت شروع کی۔ اسی طرح مارورمن کل شیکھر کے زمانے میں بھی ہم دوسرے راجاؤں کا نام سنتے ہیں۔ غیر ملکی مبصرین نے غلط طور پر یہ سمجھ لیا کہ وہ الگ الگ آزادانہ حکومت کر رہے تھے، لیکن جیسا کہ اوپر کہا گیا وہ غالباً مدورا کے مہاراجہ کے ماتحت جاگیردار کی حیثیت رکھتے تھے ماتحت حکمرانوں کا یہ وجود انتظام حکومت کی منفرد خصوصیت تھی۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ سلطنت میں غیر معمولی وسعت کے باعث پانڈیہ راجاؤں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا۔ جٹاورمن سندر پانڈیہ کی موت کے بعد جب ۱۲۷۱ء میں مارورمن کل شیکھر مہاراجہ ہو گیا تو اس نے جنگ میں کئی فتوحات حاصل کر کے ملے ناڈو (ٹراونکور دیس) اور لنکا میں حاصل کیں۔ اس نے چین گونڈا شول پرم میں ایک محل تعمیر کرایا۔ اس سے پوری طرح ثابت ہوتا ہے کہ چولا خاندان پوری طرح معدوم ہو گیا تھا۔ تیرھویں صدی کے اختتام کے قریب (۱۲۹۳ء)، وینس کا سیاح مارکو پولو جنوب پہنچا اس نے وہاں کے راجہ، اس کے دربار اور عوام کی زندگی کے بارے میں دل چسپ معلومات بہم پہنچائی ہے۔ اس نے یہاں کی بے شمار دولت، موتیوں اور اعلیٰ پیمانے پر قیمتی پتھروں اور دوسری پر تکلف اشیا کی تجارت کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کیا ہے۔ مارکو پولو کے بیشتر

---

[1] جٹاورمن کے بارے میں کتبوں میں کہا گیا ہے کہ وہ یگیہ بہت کرتا تھا اور ان میں دان بہت دیتا تھا۔ اس نے چدمبرم اور سری رنگم کے مندروں کو جاگیریں دیں اور خوب آراستہ کیا۔

مشاہدات کی تصدیق مسلم مورخ وصاف کے بیانات سے ہوتی ہے۔ وصاف کہتا ہے کہ "مابار کے حاکم کلیس دیور نے ۴۱ سال تک بڑے عیش کی زندگی بسر کی"۔ کلیس دیور، مارورمن کل شیکھر کے مماثل ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس کی عمر کے آخری ایام المیہ انداز میں گزرے۔ اس کے ناجائز بیٹے ویرپانڈیہ اور جائز وارث سندر کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ یہ دونوں "مخلوط حکمراں" کی حیثیت سے باپ کے شریک کار تھے۔ ویرپانڈیہ ۱۲۹۶ء سے اور سندر ۱۳۰۳ء سے۔ کہا جاتا ہے کہ مارورمن کل شیکھر کو قتل کر دیا گیا اور سندر نے علاءالدین خلجی سے امداد طلب کی۔ حقیقت کچھ بھی ہو، یہ بات صاف ہے کہ سلطان کے بہادر سپہ سالار ملک کافور کے ہاتھ ایک سنہری موقع آ گیا اور اس نے ۱۳۱۰ء میں دلیری کے ساتھ مدورا پر چڑھائی کر دی۔ اسے خوب تاخت و تاراج کیا اور اس کی تمام دولت لوٹ لی۔ مسلمانوں کے حملے نے جنوبی ہند کی سیاسیات میں ایک نئی پیچیدگی پیدا کر دی، لیکن دونوں لڑنے والے بھائیوں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ انھوں نے شکستہ حالی میں کچھ دن اور جیسے تیسے زندگی گزار دی۔ علاء الدین خلجی نے چند سال بعد پھر ایک لشکر جرار خسرو خاں کی سرکردگی میں بھیجا۔ اب جو گڑبڑ پھیلی اس سے چیر راجہ روی ورمن کل شیکھر اور وارنگل کے کاکتیہ راجہ نے بھی اپنی طاقت بڑھانے کے لیے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔ اس طرح، چاروں طرف کے حملوں سے پس کر، "دوسری پانڈیہ سلطنت" ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور بہت جلد قصہ پارینہ بن گئی۔ پھر بھی پانڈیہ سلطنت کے راج کماروں کا نام کچھ عرصے بعد تک سننے میں آتا رہا۔ مدورا کے مسلم گورنر نے ۱۳۳۰ء کے قریب دہلی سے قطع تعلق کر لیا، لیکن اس کی خود مختاری بہرحال چند روزہ ثابت ہوئی اور نتیجہ میں وجے نگر کی ہندو ریاست نے جنوبی ہند پر قبضہ کر لیا۔

ضمیمہ

یوآن چوانگ کی شہادت

چینی زائر یوآن چوانگ نے جو اپنی انتھک یاترا کے دوران ۶۴۰ء میں جنوبی ہند پہنچا، "مُولُوکیوچھ" یا "مَلَ کوٹ" کا حال بیان کیا ہے جسے پانڈیہ دیس کے مماثل ٹھہرایا گیا ہے۔ وہ لکھتا ہے — "یہاں کا موسم بہت گرم ہے، لوگ کالے رنگ کے ہیں اور مستقل مزاج اور تند خو ہیں۔ کچھ مذہب حقہ کے پیرو ہیں، باقی بدعقیدہ ہیں۔ علم و فن کے زیادہ قدردان

نہیں ہیں بلکہ تجارت سے نفع کمانے میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ پرانی خانقاہوں کے بہت سے کھنڈر دکھائی دیتے ہیں، جن کی صرف دیواریں باقی رہ گئی ہیں۔ مذہب کو ماننے والوں کی تعداد یہاں بہت کم ہے۔ کئی سو کی تعداد میں یہاں دیو مندر ہیں اور بے شمار بدعقیدہ لوگ پائے جاتے ہیں جن میں اکثریت نرگرنتھوں کی ہے[1]۔" اس طرح ہمیں ساتویں صدی عیسوی میں ملک کا، عوام کے کردار کا، ان کے مذہبی رجحانات کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت برہمن مت کا نی عروج پر تھا اور جینیوں کی تعداد بھی کافی تھی، لیکن بدھ مت کی مقبولیت میں کمی آ گئی تھی۔

فصل (۵)

چیر خاندان

ان کی اصل اور ان کا علاقہ

چیر یا کیرل دراوڑ نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی ریاست جو جنوبی ہند کی روایتی تقسیم کا ایک جزو تھی، تخمیناً موجودہ مالابار اور تراونکور اور کوچین کی ریاستوں پر مشتمل تھی۔ بعض اوقات اس میں کانگو کا علاقہ، کوئمبٹور کا ضلع اور سالم کا جنوبی حصہ بھی شامل ہو جاتے تھے۔ چیر ریاست کے مغربی ساحل پر کئی قدرتی بندرگاہ واقع تھے، مثلاً مزری پٹن (موجودہ کرنگ نوڑ) جو دریائے پیری یر کے دہانے پر واقع تھا۔ دوسرا ڈیک کرے تھا جہاں سے عہدِ قدیم میں بہت بڑے پیمانے پر تجارت ہوتی تھی اور مسالے اور قیمتی اشیا بیرونی ممالک کو بھیجی جاتی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مزری پٹن میں کچھ ایسی کشش تھی کہ رومی سوداگر اور بیوپاری اتنی بڑی تعداد میں یہاں پہنچ گئے کہ انھوں نے آگستس کا ایک گرجا بھی یہاں تعمیر کر لیا۔ معلوم ہوتا ہے یہاں یہودیوں کی بھی ایک نو آبادی تھی۔ کتبوں سے پتہ چلتا ہے کہ چیر راجہ بھاسکر روی ورمن نے تقریباً دسویں صدی کے اوائل میں یہودیوں کے نام ایک فرمان جاری کیا۔

---

[1] بیل، بدھسٹ ریکارڈز آف دی ویسٹرن ورلڈ، جلد دوسری، ص ۲۳۱

تاریخ

چیر خاندان کی تاریخ ہمیں زیادہ نہیں معلوم۔ سب سے پہلے ان کا ذکر اشوک کے دوسرے چٹانی فرمان میں آتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ کیرل پُت یا کیرل پُتر، چوڑوں (چولوں) اور پانڈیوں کی طرح جنوب کی ایک سرحدی طاقت تھے۔ چیروں کا دوسرا حتمی تاریخی حوالہ پیری پلس اور جغرافیہ داں ٹالمی کے یہاں ملتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ان کی سیاسی تاریخ کے بارے میں ہماری معلومات بہت ناقص ہے یہاں تک کہ ہم سینگٹ توُن کے عہد تک پہنچ جاتے ہیں جس کے حملوں کو تامل کی مشہور و معروف کلاسیکی تصنیف سِلپّاڈِ کارم نے زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ اس کا مصنف اس کا بھائی النگ وِدی گل تھا جو بھکشو بن گیا تھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ سینگٹ توُن، نیدُنجیلین پانڈیہ اور کری کال چول کے پوتے کا معاصر تھا۔ یہ ایک دوسرے کے ہم عصر ہوں یا نہ ہوں، اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ سینگٹ توُن ایک طاقت ور حکمران تھا اور اس نے اپنے پڑوسیوں کے مقابلے میں کئی فتوحات حاصل کیں۔ یہ دعویٰ کہ وہ فتوحات کرتا ہوا ہمالیہ تک پہنچ گیا حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ اس کے جانشین کو چولوں اور پانڈیوں سے جنگ کرنی پڑی۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ انھوں نے اُسے گرفتار کر لیا لیکن نتیجہ میں وہ کسی نہ کسی طرح بچ کر نکل گیا۔ اس واقعے کے بعد چند سال کے لیے چیر خاندان ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور آٹھویں صدی کے شروع میں جب پردہ پھر اٹھتا ہے تو ہم چیر راجہ کو پلّو پرمیشور ورمن سے معروف جنگ دیکھتے ہیں۔ آٹھویں صدی کے اواخر میں چیر حکمرانوں کو پانڈیوں خاص کر مارورمن راج سنگھ اول اور نیدُنج دڑین دڑگن اول (تقریباً ۷۶۵ - ۸۱۵ء) کے حملوں کا مقابلہ کرنا پڑا، جنھوں نے کونگودیش اور وِناڈ (جنوبی ٹراونکور) کو فتح کر لیا۔ چیروں کے تعلقات چولوں کے ساتھ بہرحال خوش گوار رہے۔ کہتے ہیں کہ پَران تک اول (تقریباً ۹۰۰ - ۹۵۳ء) اور اس کے ہم نام نے چیر راجکماریوں سے شادیاں کیں۔ دسویں صدی کے آخر تک پہنچتے پہنچتے چیروں اور چولوں کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو گئی۔ راجراج اول (تقریباً ۹۸۵ - ۱۰۱۴ء) نے چیر حکمراں کو زیر کر لیا۔ اور کندلور کے مقام پر ان کے بیڑے کو تباہ کر دیا۔ راجیندر اول گنگئے کونڈ (تقریباً ۱۰۱۴ - ۱۰۴۴ء) نے چول اقتدار اعلیٰ از سر نو قائم کر لیا۔ واقعہ یہ ہے کہ چول حکمراں چیر دیس پر اس وقت تک حاوی رہے جب بارھویں صدی عیسوی میں ان کا خود زوال شروع ہو گیا اور وہ پرکیرل خود مختار

ہو گیا۔ تیرھویں صدی عیسوی میں پانڈیہ طاقت کے احیا کے بعد، خاص کر جٹاورمن سندر پانڈیہ کے عہد میں (تقریباً ۱۲۵۱ - ۷۲-۱۲۷۲ء) چیر خاندان پھر محکوم بن گیا۔ لیکن جب ۱۳۱۰ء میں علاء الدین خلجی کے فاتح سپہ سالار ملک کافور نے مدورا کو تاخت و تاراج کیا، تو پانڈیہ حکومت بالکل مفلوج ہو گئی۔ روی ورمن کل شیکھر نے جو چیر گدی پر ۱۲۹۹ء میں بیٹھا تھا، فوراً اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور پانڈیوں اور نااہل چولوں کو نقصان پہنچا کر آزادی کے ساتھ اپنی طاقت بڑھا لی۔ اس کی جارحانہ سرگرمیوں کو بہرحال کاکتیہ راجہ رودر دیو ثانی/ پرتاپ رودر اول نے روکا۔ روی ورمن کل شیکھر کے جانشینوں میں کسی نے امتیاز حاصل نہ کیا؛ اور اس طرح چیر خاندان، طاقت کی حیثیت سے مورخ کی نظروں سے ہمیشہ کے لیے اوجھل ہو گیا اور اس کے بعد جنوبی ہندوستان میں شاہانہ شان کبھی نہ حاصل کر سکا۔

انیسواں باب

ہندوستان قرونِ وسطیٰ کے اوائل میں

فصل (۱)

شمالی ہندوستان کی سیاسی حالت

اگرچہ سن ۷۱۱ء میں نہ کسی حکومت کا قیام عمل میں آیا، نہ کسی حکومت کا زوال رونما ہوا پھر بھی ہندوستان کی تاریخ میں اسے سنگ میل سمجھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس سن میں شیر دل محمد ابن قاسم کی سپہ سالاری میں سرزمینِ سندھ پر مسلمانوں کا نزول شروع ہو گیا جنھوں نے دیبل پر قبضہ کر لیا اور برہمن پچ خاندان کو تباہ و برباد کر دیا۔ حالاں کہ عربوں نے ہندوستان کی سرحدوں اور ساحلی علاقوں پر غارت گری کا سلسلہ ۱۵ھ مطابق ۶۳۶ء یعنی عہدِ خلافتِ عمرؓ ہی سے شروع کر دیا تھا، لیکن ۷۱۱ - ۷۱۲ء میں انھیں ہندوستان کے ایک گوشے 'یعنی سندھ میں' پاؤں ٹیکنے کا باقاعدہ سہارا مل گیا۔ عرب کے مسلمان اس وقت ہندوستان کے سیاسی افق پر بادل کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کی مانند نمودار ہوئے، لیکن تین صدی بعد محمود غزنوی کے ساتھ آنے والے افغان اور ترک گروہوں کی صورت میں یہ کالے بادل گاڑھے ہو گئے اور ہندوستان کے زرخیز میدانوں پر برس پڑے۔ کچھ عرصہ طوفانی آندھیاں بہت تند و تیز چلیں، پھر ان کا زور کم ہو گیا لیکن وہ اپنے پیچھے بڑی تباہ کاریاں چھوڑ گئیں۔ بارہویں صدی عیسوی کے آخری دہوں کے قریب ہندوستان کے آسمانِ سیاست پر بادل پھر چھا گئے؛ اندھیرا گمبھیر ہو گیا اور شہاب الدین غوری کے حملے کے ساتھ جو سیلاب آیا اس نے تمام شمالی ہند کو غرقاب کر دیا۔ اس کا ریلا اس بلا کا شدید تھا کہ ۱۲۰۶ء تک جب قطب الدین باقاعدہ سلطانِ دہلی ہو گیا، شمالی ہند کی تمام ریاستیں برباد ی

کے عام بھنور میں پھنس چکی تھیں۔ لیکن جنوبی ہند ۱۰۰ سال سے کچھ زیادہ عرصے تک مسلمانوں کے حملوں کی زد سے بچا رہا۔ ملک کافور نے ۱۳۱۰ء میں جب مدورا پر چڑھائی کی، تو جنوبی ہند بھی اس کی لپیٹ میں آگیا۔ اس طرح مسلم حکومت جس نے سندھ میں معمولی ابتدا کی تھی، سرزمین ہند پر کم سے کم ۶۰۰ سال میں اپنے قدم جما سکی۔ بہرحال اس تمام عرصے میں مسلم حملہ آوروں کی گرج کی آواز تواتر کے ساتھ سننے میں نہیں آئی۔ عربوں کی فتح سندھ اور محمود غزنوی کی تباہ کاریوں کے درمیان ۳۰۰ سال کا طویل فصل رہا، اور آخرالذکر اور شہاب الدین غوری کے حملوں کے درمیان ۱۷۰ سال کا۔ لیکن شہاب الدین کی کامیابی کے بعد بھی جنوبی ہندوستان تقریباً ایک صدی تک اور محفوظ رہا۔ اس طرح حالاں کہ مسلم حملوں کی لہریں کافی طویل وقفوں کے ساتھ آئیں، پھر بھی ان کی توسیع سلطنت کا مسئلہ اس دور کی سب سے زیادہ دلچسپ خصوصیت ہے۔ سندھ اور مغربی ہندوستان میں آنے کے بعد، چاہے تجارت کے مقصد سے، چاہے فتوحات کے خیال سے مسلمان اول دن سے ہندوستان کے سیاسی ماحول میں ایک اہم عنصر بن گئے۔ وہ ایک ایسے مذہب کے پیرو تھے جو جہاد کی تلقین کرتا تھا اور توحید اور مساوات کے مسئلے میں کسی سمجھوتے کے لیے تیار نہیں تھا۔ یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ان عرب فاتحین کا ہندوستان کے ان دیسی لوگوں کے ساتھ کیا رویّہ رہا جو بہت سے دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے، بت پرستی کرتے تھے اور ذات پات کے بندھنوں میں گرفتار تھے۔ بقولِ البلاذری[1] سندھ کے عرب حکمرانوں نے شروع ہی سے رواداری کی دور اندیشانہ پالیسی پر عمل درآمد کیا۔ انھوں نے ہندوؤں کے بُدّ کو اسی طرح محفوظ و مستحکم رکھا، جس طرح "عیسائیوں کے گرجوں کو، یہودیوں کے معبدوں کو، اور مغوں کی قربان گاہوں کو" یہی نہیں بلکہ بعض اوقات عرب حکمرانوں نے برہمنوں کو اپنے شکستہ مندروں کی از سرِ نو تعمیر کی اجازت بھی دی۔ اسی طرح ہندو حکمرانوں نے بھی، خاص طور سے مُنکِر کے بلہرا یعنی مانیہ کھیٹ کے راشٹرکوٹ راجہ نے مسلم تاجروں کو اپنے حفظ و امان میں رکھا[2] اور اپنے طریقے پر عبادت کی پوری آزادی دے دی۔ المسعودی کہتا ہے[3]۔ "سندھ اور ہند کے تمام بادشاہوں میں بلہرا سے زیادہ مسلمانوں

۱۔ کتاب فتوح البلدان، حصہ دوم، ص۲۲۱

۲۔ ایلیٹ، ہسٹری آف انڈیا، جلد اول، ص۳

۳۔ ایضاً ص۲۴

کی کوئی عزت نہیں کرتا۔ اس کی سلطنت میں اسلام کا احترام کیا جاتا ہے اور مسلمان محفوظ ہیں۔"
اسی طرح الاِستخری[6] اور ابنِ ہوکل[7] نے بعض شہروں میں جامع مسجدوں کے وجود کی تصدیق کی ہے جہاں اسلامی احکامات کھلم کھلا بجالائے جاتے تھے۔ چناں چہ مسلم نوواردوں اور ہندوؤں کے درمیان ابتدائی روابط رواداری اور وسیع النظری کی بنیادوں پر قائم ہوئے۔ بدقسمتی سے آگے چل کر آئے دن کی جنگوں، اقتصادی تقاضوں اور کبھی کبھی ظاہر ہونے والے مذہبی تعصب اور جذبۂ بُت شکنی نے ان خوش گوار تعلقات کو بہر حال بڑا شدید نقصان پہنچایا۔ اس کے بعد یہ ایک پیچیدہ مسئلہ بن گیا۔ لیکن یہ بحث کہ مسلمان حکمرانوں نے اس مسئلے کو حل کرنے میں کس حد تک دوراندیشی اور آزاد خیالی کا ثبوت دیا یہاں ہمارے احاطۂ تنقید سے باہر ہے۔

اس عہد کی اگلی اہم خصوصیت یہ ہے کہ کانیہ کبج (قنوج) کا اقتدار بدستور باقی رہا۔ قنوج کو ہم حقیقیاً اپنی اس دور کی تاریخ کا محور کہہ سکتے ہیں اس کی اہمیت سب سے پہلے چھٹی صدی عیسوی میں موکھاریوں کے زمانے میں بڑھی جنھوں نے پاٹلی پُتر کے زوال کے بعد قنوج کو اپنا صدر مقام بنا دیا۔ ہرشں کے عہد میں قنوج عہد کمال پر پہنچ گیا۔ اس نے اپنی سلطنت کو بڑھا کر مغرب میں مشرقی پنجاب تک اور مشرق میں بنگال اور اڑیسہ تک پہنچا دیا۔ ۶۴۷ء میں ہرشں کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد ۷۵ سال تک قنوج کی تاریخ تاریکی میں رہی۔ ۷۲۵ء میں جب پردہ پھر اٹھا تو میدانِ سیاست میں ہمیں ایک اور اہم شخصیت دکھائی دی، یعنی یشوورمن، جسے گوڑ وَدھو میں "دِگ وِجیئی"، کہا گیا ہے۔ اس میں مبالغے کے بے جتنی بھی رعایت رکھی جائے یہ بات بہرانہج حقیقت پر مبنی معلوم ہوتی ہے کہ اس نے گوڑ اور مگدھ کے راجہ کے مقابلے میں کامیابی حاصل کی۔ اس کے جانشین کمزور ثابت ہوئے۔ آیدھوں نے بھی کوئی قابلِ ذکر کامیابی حاصل نہیں کی۔ لیکن جب نویں صدی کے شروع میں منصۂ سیاست پر پرتی ہار نمودار ہوئے تو قنوج کی ہرشں کے عہد والی عظمتوں کی یاد تازہ ہوگئی اور مہر بھوج اعظم اور مہیندر پال اول کے عہد میں پرتی ہار خاندان کی حکومت ایسے دور دراز علاقوں تک پھیل گئی جو ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر واقع تھے، مثلاً مشرقی پنجاب، گورکھپور کا علاقہ، مگدھ، شمالی بنگال، بندیلکھنڈ

---

[6] ایضاً، ص۳۰

[7] ایضاً، ص۳۴

اجین اور سوراشٹر۔ قنوج کے یہ پرتی ہار جو پہلے اجین کے پرتی ہار کہلاتے تھے، آٹھویں اور نویں صدی عیسوی میں عربوں کی دست درازیوں کے خلاف زبردست پشت پناہ ثابت ہوئے۔ پرتی ہار سلطنت کا شیرازہ بکھرنے کے بعد قنوج کی تاریخ میں طوائف الملوکی کا دور آیا جو محمود غزنوی کے تباہ کن حملوں سے شروع ہو کر گیارہویں صدی کے آخری دہوں، یعنی گاہڑ والوں کے عروج حاصل کرنے کے وقت تک جاری رہا۔ گاہڑ والوں نے قنوج کی کھوئی ہوئی عظمت پھر حاصل کرنے کی کوشش کی اور اپنی حکومت گدھ اور اس کے ملحقہ علاقوں پر قائم کر لی لیکن ۵۹۰ھ مطابق ۱۱۹۴ء میں جب جے چندر کو شہاب الدین غوری کے ہاتھوں شکستِ فاش ہوئی تو قنوج کی رہی سہی شان و شوکت بھی خاک میں مل گئی۔

جو کچھ اوپر بیان کیا گیا، اس کا بہرحال یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ قنوج ہمارے اس زیرِ نظر عہد میں مسلسل و متواتر پرامن و پرسکون رہا۔ وقتاً فوقتاً طبلِ جنگ کی آواز کانوں میں آتی رہی اور اقتدارِ اعلیٰ اور فوجی شہرت حاصل کرنے والی حریص نگاہیں مَہودَیہ شری پر بار بار اٹھیں۔ پہلے کشمیر کے فرماں رواؤں نے اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ کہتے ہیں کہ یشوورمن کو للتا دِتیہ مکتا پیڈ[1] کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانی پڑی (تقریباً ۷۲۴ - ۷۶۰ء)، اور وجرایدھ کو یا اندرایدھ کو جیا پیڈ ونیا دِتیہ کا لوہا ماننا پڑا (تقریباً ۷۷۹ - ۸۱۰ء)۔ اس کے بعد دھرو دوار اشٹر کوٹ اور گوڑ کے راجہ دھرم پال کے حملے شروع ہو گئے۔ (تقریباً ۷۷۹-۷۹۴ء) راجہ دھرم پال نے اندرایدھ کو گدی سے اتار دیا، اور معاصر ریاستوں مثلاً بھوج، متسیہ، مدر، کرو، یدو، اونتی، گندھار اور کیر[2] کے راجاؤں کے مشورے سے اس کی جگہ چکرایدھ[3] کو گدی پر بٹھا دیا۔ ان سب کی خواہش تھی کہ شمالی ہندوستان کی سب سے اہم ریاست کے معاملات میں یک گونہ یکسوئی پیدا ہو جائے لیکن دھرم پال کی خواہش تھی کہ قنوج پر اقتدارِ اعلیٰ اسی کا رہے اس لیے گووند سوم راشٹر کوٹ سے اس کی جنگ چھڑ گئی (تقریباً ۷۹۴ - ۸۱۴ء) گووند سوم نے اس پر فتح پائی اور اس کے آدرد چکرایدھ[3] پر فتح پائی۔ جب گووند سوم اس اندرونی الجھن میں گرفتار ہو گیا تو ناگ بھٹ دوم

---

[1] ایپی گرافیہ انڈیکا، چوتھا، ص ۲۴۸، ص ۲۵۲

[2] انڈین اینٹی کوئریز، پندرھواں، ص ۱۰۵، ص ۳۴

[3] ایپی گرافیہ انڈیکا، اٹھارہ، ص ۲۴۵، ص ۲۵۵

راشٹرکوٹ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور یکایک کانیہ کبج پر ٹوٹ پڑا؛ اور چکرایدھ سے بڑی دلیری کے ساتھ اُسے چھین لیا[1]۔ بہرحال، فاتح مگدھ اور گوڑ کے دھرم پال سے شمشیر آزمائی بغیر اپنے نئے مقبوضات کو محفوظ نہیں رکھ سکتا تھا۔ چناں چہ ناگ بھٹ دوم نے مُدگری (مونگیر[2]) کے مقام پر دھرم پال کا مقابلہ کیا۔ بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں دھرم پال بھاگ گیا[3]۔ یہ تھیں وہ ڈرامائی تبدیلیاں جو قنوج کی تاریخ میں رونما ہوئیں جسے اب سلطنت کے صدر مقام کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا تھا۔ اس طرح آٹھویں صدی کے بیشتر حصے میں اور نویں صدی کے شروع میں قنوج بلاشبہ تمام سورماؤں اور حوصلہ مند راجاؤں کا مرجع نظر بن گیا۔ ان کی ہوس پرستی کا انجام یہ ہوا کہ ریاست کو بار بار تاخت و تاراج کیا گیا۔ اس لوٹ کھسوٹ سے عام لوگوں کو شدید مصائب برداشت کرنے پڑے۔ لیکن قنوج نے مشہور خیالی پرند ققنس[4] کی طرح اپنی چتا کی راکھ پر ہی ایک بار نیا جنم لیا۔ حالاں کہ پرتی ہاروں کی فتح قنوج کے بعد وہاں ایک مضبوط حکومت قائم ہوگئی تھی، اور ریاست شہنشاہیت کی شاہراہ پر چل نکلی تھی، لیکن گوڑ اور دکن سے خوں ریز لڑائیوں کا سلسلہ بھی تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد متواتر جاری رہا۔ درحقیقت کانیہ کبج کے راجاؤں، بنگال کے پالوں، اور دکن کے راشٹرکوٹوں کی سہ طرفہ لڑائی اس عہد کی سب سے نمایاں خصوصیت ہے۔ یہ خوں آشام جنگ نسلاً بعد نسلٍ چلتی رہی۔ چنانچہ ہمارے علم میں یہ بھی آتا ہے کہ راشٹرکوٹ حکمرانوں نے شمالی ہندوستان پر حملہ کیا۔ ان حکمرانوں کے نام یہ ہیں — دھرو دُہر دیم (تقریباً ۷۷۹ - ۷۹۴ء)، گووند سوم (تقریباً ۷۹۴ - ۸۱۴ء)، کرشن دوم (تقریباً ۸۷۸ - ۹۱۵ء)، اندر سوم (تقریباً ۹۱۵ - ۹۱۸ء)، اور کرشن سوم (تقریباً ۹۴۰ - ۹۶۸ء) اسی طرح ہر عظیم پرتی ہار فرماں روا مثلاً — ناگ بھٹ دوم (تقریباً ۸۰۵ - ۸۳۳ء)، مہر بھوج (تقریباً ۸۳۶ - ۸۸۵ء)، مہیندر پال اول (تقریباً ۸۸۵ - ۹۱۰ء)، اور مہی پال

[1] ایضاً، ص ۱۰۱، ص ۱۱۲، اشلوک - ۹

[2] ہسٹری آف قنوج ص ۲۳۳

[3] ایپی گرافیہ انڈیکا، چوتھا، ص ۲۴۸، ص ۲۵۲، اشلوک ۱۰

[4] ایک فرضی پرند جو اپنی جنس میں واحد ہے۔ پانچ چھ سو برس صحرائے عرب میں زندہ رہا، اس کے بعد لکڑی کی چتا بنائی اور اس میں جل کر مرگیا اور اس کے بعد دوبارہ نو زندہ ہوگیا۔ اسے قُقناس کہتے ہیں (مترجم)

(تقریباً ۹۱۲-۹۴۴ء) ـــ نے فرداً فرداً اپنے ہم عصر حکمراں سے زور آزمائی کی جو حسب ذیل تھے ـــ دھرم پال (تقریباً ۷۷۰- ۸۱۵ء)، دیوپال (تقریباً ۸۱۵- ۸۵۵ء)، نارائن پال (تقریباً ۸۵۸- ۹۱۲ء)، اور راجیہ پال (تقریباً ۹۱۲- ۹۳۶ء)۔ مہیندر پال اول ہی کے وقت میں غالباً قنوج کی حدودِ سلطنت بڑھکر شمالی بنگال تک پہنچ گئیں، لیکن پالوں نے ہمت نہ ہاری اور انھوں نے پرتی ہاروں سے اپنے بنگال اور مگدھ کے کھوئے ہوئے علاقے پھر حاصل کرنے کی جی توڑ کوشش کی۔ گاہڑوالوں نے بھی اپنے مقام پر مشرق کی طرف گھور کر دیکھا۔ لیکن وہ حدودِ مگدھ سے آگے بہرحال کبھی نہ بڑھ سکے۔ گوڑ اور کانیہ کبج کی دشمنی اب روایتی ہو چکی تھی۔ وقت کے دھارے کے ساتھ اگر ہم لیشو ورمن اور ہرش کے زمانے سے چلیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ایشان ورمن موکھری (تقریباً چھٹی صدی عیسوی کا وسط) پہلا راجہ تھا جس نے "ساحل سمندر پر رہنے والے" گوڑوں کا مقابلہ کیا[1] کانیہ کبج کے راجاؤں نے فطری طور پر دریائے گنگا کی جنوبی بندرگاہ پر قبضہ کرنا چاہا، کیوں کہ اس زمانے میں تجارت اور آمد و رفت کے لیے یہ وہ شاہراہ تھی جو مدھیہ دیش اور بنگال کے سب سے زیادہ زرخیز علاقوں کو ایک دوسرے سے ملاتی تھی۔ اس لیے ریاست کی اقتصادی خوش حالی کے نقطۂ نظر سے ان کے لیے دریائے گنگا کے اس وسیع و عریض علاقہ پر اقتدار حاصل کرنا از بس ضروری تھا۔ اسی طرح محض سیاسی اسباب کی بنا پر ہی نہیں بلکہ جنوب مغربی تجارتی راستوں اور بحری تجارت پر قابو پانے کے لیے بھی مندرجہ بالا پرتی ہار حکمرانوں نے اپنی حکومت سوراشٹر تک بڑھالی، اور مالوہ اور اجین کے علاقے پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کی غرض سے انھیں کئی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔

دسویں صدی عیسوی کے وسط میں (نہ کہ ۹۱۶- ۹۱۷ء میں، جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے)، پرتی ہار سلطنت کی مضبوط عمارت مسلسل لڑائیوں، راشٹرکوٹ کرشن سوم کے حملوں اور چندیلوں کے عروج کے باعث جواب دینے لگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوئے ہوئے فتنے جاگ اٹھے اور مرکزی حکومت کی گرفت ڈھیلی دیکھ کر فوراً حرکت میں آ گئے۔ مرکز سے ٹوٹ ٹوٹ کر الگ ہونے کا سلسلہ بہت تیزی سے شروع ہو گیا یہاں تک کہ سلطنتِ قنوج کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہو گئی جو حسب ذیل تھیں ـــ (۱) جیجاک بھکتی کے چندیل (۲) گوالیار

---

[1] ہسٹری آف قنوج، چودہ، ص۱۱۱، ص۱۱۲، اشلوک - ۱۳

کے کچھپ گھاٹ، (۳) ڈاہل کے چیدی، (۴) مالوہ کے پرمار، (۵) ساکم بھری کے چاہ مان، (۶) جنوبی راجپوتانہ کے گوہل اور (۷) انہل واڑ کے چالکیہ۔

شمال و مغرب میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں پہلے ہی سے موجود تھیں۔ کابل اور ادبھانڈ پور کے ترکی شاہیوں کی حکومت نویں صدی کے درمیان تک باقی رہی۔ اس خاندان کے آخری تاجدار لگ تورمان کو اس کے برہمن وزیر کلر نے تخت سے اتار دیا۔ کلر نے حکومت پر غاصبانہ قبضہ کرنے کے بعد ایک نئے خاندان کی بنیاد رکھی جو "ہندوشاہی" کہلایا۔ اس میں جے پال اور انند پال بہت مشہور ہیں۔ انھوں نے سلطان سبکتگین اور محمود کے حملوں سے بڑی بہادری سے ہندوستان کی سرحدوں کی حفاظت کی۔ خاندان کا آخری رکن بھیم پال ۱۰۲۶ء میں غزنوی حملہ آور کا مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا۔ "شاہی" خاندان کے باقی ماندہ افراد نے اس کے بعد کشمیر کے لوہر دربار میں پناہ لی اور پنجاب مسلم فاتحین کے قبضے میں چلا گیا۔ ایک کشمیر تھا جو زیر نظر دور میں غیر ملکی اقتدار سے محفوظ رہا۔ اور کشمیر کے حکمراں اپنے ذاتی منصوبوں اور ارادوں میں بالکل آزاد رہے۔ کشمیر کے حکمراں خاندان حسب ذیل تھے ــ کرکوٹک (تقریباً ۶۳۱ - ۸۵۵ء)، اُتپل (تقریباً ۸۵۵ - ۹۳۹ء) اُتپلوں کے جانشین (تقریباً ۹۳۹ - ۱۰۰۳ء) لوہر (تقریباً ۱۱۷۱ - ۱۳۳۹ء)۔ ۱۳۳۹ء تک دیسی راجاؤں نے کشمیر پر حکومت کی۔ اسی سال میں میر شاہ نام کے ایک مسلم جانباز نے تخت پر قبضہ کر لیا اور شری شمسدین یا شمس الدین کے لقب سے حکومت کرنے لگا۔ مشرق میں پال خاندان کا وجود کافی نشیب و فراز سے گزر کر لگ بھگ ۷۶۵ء سے تقریباً بارھویں صدی عیسوی تک باقی رہا۔ پال خاندان کے ایک بے حقیقت سے راجہ گووندپال کا حال ہمیں ایک کتبہ سے معلوم ہوتا ہے جس پر گت راجیہ چتر: وَش سم وَت سرے " یعنی وکرم سمت ۱۲۳۲ مطابق ۱۱۷۵ء پڑا ہوا ہے۔ لیکن جب سینوں نے مدن پال کو شمالی بنگال سے بالکل بے دخل کر دیا تو پالوں کی ریاست جو بہار میں پٹنہ اور مونگھیر کے علاقوں میں محدود تھی، بڑی حد تک سینوں کے قبضے میں آگئی۔ ابتداً سینوں نے گیارہویں صدی کے وسط میں ممتاز مقام حاصل کیا، لیکن وجے سین (تقریباً ۱۰۹۵ - ۱۱۵۸ء) کے عہد میں انھوں نے بنگال پر پورا اقتدار حاصل کر لیا۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ انھوں نے کامروپ (آسام) اور کلنگ (اڑیسہ) جیسی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو نقصان پہنچا کر خوب خوب اپنی طاقت کو بڑھایا۔ بہرحال ۱۱۹۹ء میں محمد ابن بختیار خلجی کے ندیہ پر حملے نے لکشمن سین کے دل پر ہیبت بٹھا دی اور ندیا کہ

منہاج الدین نے لکھا ہے۔ لکشمن سین گنگا پار کرکے بڑی تیزی سے مشرقی بنگال کی طرف بھاگ گیا، جہاں ۱۲۰۶ء تک اس نے حکومت کی۔ اس قصّے میں جس قدر بھی سچائی ہو، یہ طے ہے کہ لکشمن سین کے سرحدی انتظامات نہایت درجہ خراب وخستہ تھے، ورنہ حملہ آور کی یہ مجال ہرگز نہیں ہوسکتی تھی کہ اتنی آسانی سے راجدھانی تک پہنچ جاتے۔ مسلمانوں کی حکومت کا جُوا اس کے بعد مغربی بنگال پر رکھا گیا۔ اگلے پچاس سال یا اس سے کچھ زیادہ میں بنگ یا مشرقی بنگال کا بھی جہاں سین خاندان پناہ گزین تھا یہی انجام ہوا۔ اس سے اور آگے مشرق کی جانب آسام تھا جو نہ کبھی ہندوستانی سیاسیات کی لپیٹ میں آیا، نہ مسلمانوں ہی نے اس پر قبضہ کرنے کی طرف توجہ کی۔ البتہ محمد ابن بختیار خلجی نے ۶۰۱ھ مطابق ۱۲۰۵ء میں، اور بعد ازاں، اورنگ زیب کے مشہور سپہ سالار میر جملہ نے ۱۶۶۲ء میں کئی کوششیں کیں۔ جنوب مشرقی ساحل پر کلنگ کو لیجیے۔ آٹھویں صدی کے تقریباً اوائل میں وہاں مشرقی گنگ خاندان حکومت کررہا تھا۔ اس خاندان کی مشہور شخصیت اننت ورمن چوڑ گنگ (تقریباً ۱۰۷۶۔ ۱۱۴۸ء) کی تھی۔ مسلمانوں کے حملوں کی ابتدا اڑیسہ میں تیرھویں صدی کے شروع میں ہوگئی تھی، لیکن سولھویں صدی تک وہ ان کے قبضے میں نہیں پہنچا۔

ہمارے زیرِ نظر دور میں جو ریاستیں ہندوستان کی آخری سرحدوں پر پائی جاتی تھیں ان کا ہم نے سرسری جائزہ لیا۔ اب ہمیں ان ریاستوں کی طرف نظر ڈالنی چاہیے جنھوں نے پرتی ہار سلطنت کے زوال کے بعد عروج حاصل کیا۔ سب سے پہلے جو خاندان ہمیں نویں صدی میں سب سے پہلے اپنی طرف متوجہ کرتا ہے وہ جیجاک بھکتی (بندیل کھنڈ) کے چندیل تھے۔ دسویں صدی کے دوران یشو ورمن اور دھنگ ۹۹۰ء میں اس اتحاد میں شامل ہوگیا تھا جو جے پال شاہی نے سبکتگین کے حملوں کے خلاف قائم کیا تھا۔ اسی طرح اس کے بیٹے گنڈ نے بھی محمود غزنوی کے حملے کے مقابلے کے لیے ۱۰۰۸ء میں آنند پال شاہی کی دعوت پر فوراً لبیک کہا تھا۔ گنڈ نے یہ بھی کیا کہ جب راجیہ پال پرتی ہار نے ۱۰۱۸ء میں محمود کی اطاعت قبول کرلی تو اسے سزا دینے کے لیے اس نے ایک فوج اپنے یُوراج وِدیا دھر دیو کی سپہ سالاری میں بھیجی۔ لیکن جب سلطان سے اس کے [redacted]بلے کی باری آئی تو اس نے دو مرتبہ پیٹھ دکھائی۔ پہلے ۱۰۱۹ء میں اور دوسری بار ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳ء میں۔ بہرحال ۱۲۰۳ء میں قطب الدین ایبک نے ماردی یا پرمَل پر قابو پالیا۔ ہمارے اس دور کی تاریخ میں کچھپ گھاتوں اور گوہلوں نے کوئی قابلِ ذکر کام انجام نہیں دیا اس لیے ہم ان کو نظر انداز کرکے داہل کے چیدیوں کی

طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ چیدیوں نے نویں صدی کے اواخر اور دسویں صدی کے اوائل میں عروج پایا۔ گانگیہ دیو (تقریباً ۱۰۱۹-۱۰۴۱ء)، اور لکشمی کرن (تقریباً ۱۰۴۱-۱۰۷۲ء) کے عہد میں چیدی خاندان اپنی عظمت کی معراج پر پہنچ گیا۔ انہوں نے مدھیہ دیش اور دوسرے دیشوں پر چڑھائیاں بھی کیں۔ بہرحال بارھویں صدی کے ربع آخر تک چیدیوں کی اہمیت بالکل ختم ہوگئی۔ اگلا مشہور حکمراں خاندان مالوہ کے پرماروں کا تھا جس میں بھوج (تقریباً ۱۰۱۰-۱۰۵۵ء) ایک ہمہ گیر و بلند مرتبہ شخصیت کا مالک تھا۔ اس کی فوجی قابلیت اور اختراعی قوت کے باعث اس کا اثر دور دراز علاقوں میں پایا جاتا تھا اور اس کی راجدھانی دھارا قنوج کی اگلی شان و شوکت کا مقابلہ کرتی تھی۔ بعد کے پرمار حکمراں کمزور تھے، چنانچہ گیارھویں صدی کے آخری حصے میں ان کی اہمیت کافی گھٹ گئی۔ اگلی دو صدیوں میں انحطاط کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ علاء الدین خلجی کے سپہ سالار عین الملک نے ۱۳۰۵ء میں مالوہ فتح کرلیا۔ جہاں تک چاہمان کا تعلق ہے، کہتے ہیں کہ اس قبیلے کی کئی شاخوں نے طویل عرصے تک حکومت کی۔ ان میں سب سے اہم سامبھری (سمبھر) تھا جسے پرتھوی راج سوم یا مسلم مورخین کے رائے پتھورا کی فتوحات نے غیرفانی بنا دیا ہے۔ شہاب الدین غوری سے معرکے اور سنیوگتا سے اس کے عشق کی داستان بہت سے مشہور گیتوں اور روایتوں کا موضوع بن گئی ہے۔ سنیوگتا قنوج کے راجہ جے چندر کی بیٹی تھی، جو شمالی ہند میں اقتدار حاصل کرنے میں پرتھوی راج کا حریف تھا۔ شہاب الدین غوری کے مقابلے میں پرتھوی راج کو شکست ہوئی۔ پرتھوی راج کو گرفتار کرلیا گیا اور بعد ازاں قتل کردیا گیا۔ کچھ عرصے بعد قطب الدین نے چاہمان علاقوں کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا، البتہ خاندان کا وجود رنتھمبور کے مقام پر ۱۳۰۱ء تک باقی رہا۔ اور اسی سال اس نے علاء الدین خلجی کی اطاعت قبول کرلی۔ جے چندر کا نام اس مقام پر متقاضی ہے کہ گاہڑوال خاندان کا ذکر کیا جائے جس نے محمود کے حملوں سے پیدا ہونے والی طوائف الملوکی پر قابو پانے کے بعد ۱۰۸۰ء اور ۱۰۸۵ء کے درمیان کانیہ کبج اور بنارس پر قبضہ کرلیا۔ گاہڑوال مدھیہ دیش پر ۱۱۹۴ء تک قابض رہے اسی سال شہاب الدین غوری نے ایک خوں ریز جنگ کے بعد جے چندر کو شکست دی اور اسے قتل کردیا۔ آخر میں انہل واڑ کا چالکیہ خاندان تھا جس کی بنیاد مول راج اول نے رکھی تھی۔ اس کی [illegible] معلوم ہے ۹۴۱ء ہے۔ ۱۰۲۵ء میں بھیم (تقریباً ۱۰۲۱-۱۰۶۳ء) کے عہد میں محمود نے گجرات پر زبردست چڑھائی کی اور سومناتھ کے مندر کو جو اپنی بے شمار دولت کے

لیے مشہور تھا خوب لوٹا۔ لیکن جے سنگھ سدھ راج (تقریباً ۱۰۹۳-۱۱۴۳ء) اور کمار پال (تقریباً ۱۱۴۳-۱۱۷۲ء) جیسے نامور فرماں رواؤں کے عہد میں ریاست پھر سنبھل گئی۔ مسلمانوں نے انہل واڑ پر قبضہ کرنے کی کئی کوششیں کیں۔ ۱۱۷۸ء میں سلطان شہاب الدین غوری نے اس پر حملہ کیا۔ لیکن بھیم دیو دوم نے اسے ناکام کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۲۹۷ء میں علاء الدین خلجی کے سپہ سالاروں الغ خاں اور نصرت خاں نے اس کا استیصال کیا۔ انھوں نے گجرات کے دوسرے فوجی اہمیت کے مقامات کو بھی فتح کیا۔

مندرجہ بالا بیان سے نویں صدی سے لے کر بارھویں صدی کے اختتام تک شمالی ہندوستان کی سیاسی حالت کا ایک سادہ خاکہ سامنے آگیا، نیز یہ معلوم ہو گیا کہ مسلم حملوں کے تیز و تند شعلوں نے رفتہ رفتہ مختلف ریاستوں کو کس طرح جلا کر خاکستر کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ۱۲۰۶ء تک ان کی ترقی بالکل ختم نہیں ہو گئی، اور دہلی میں سلطنت کے قیام کے باوجود ان میں سے بعض کا وجود بہرصورت کافی عرصے بعد تک باقی رہا۔ حملہ آوروں کے لیے بھی یہ فتوحات کوئی کھیل نہیں تھیں۔ جے پال، آنند پال اور بھیم پال نے، جو شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، ہندوستان کی سرحدوں پر سبکتگین اور محمود کا مقابلہ کیا۔ جب شہاب الدین غوری انہل واڑ پر حملہ آور ہوا تو بھیم دیو دوم نے اسے پیچھے ہٹا دیا۔ پرتھوی راج سوم چاہان اور جے چندر نے بھی بہادری سے غوری سلطان کا مقابلہ کیا؛ اور واقعہ یہ ہے کہ پرتھوی راج چاہان نے ایک مرتبہ ۵۸۷ھ مطابق ۱۱۹۱ء میں دشمن کو شکست بھی دی۔ بھوج پرمار، گووند چندر اور وجے چندر گاہڑوال کی لوحی دستاویزات سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے علی الترتیب ترشکوں اور ہمیر کے مقابلے میں فتوحات حاصل کیں۔ حقیقت میں ایسے بزدل حکمراں بھی موجود تھے جیسے قنوج کا راجیہ پال پرتی ہار، گنڈ چندیل اور لکشمن سین جنھوں نے ذلت کے ساتھ حملہ آوروں کی اطاعت قبول کرنے میں عافیت سمجھی ہندو راجاؤں نے مشترکہ خطرے کو دفع کرنے کے لیے متحد ہونے کی کوئی کوشش نہ کی۔ فرشتہ نے بے شک دہلی، اجمیر، کالنجر اور قنوج کے راجاؤں کی جتھے بندیوں کا ذکر کیا ہے جو جے پال اور آنند پال نے قائم کی تھیں۔ لیکن فرشتہ کی شہادت کو آنکھیں بند کر کے نہیں تسلیم کیا جا سکتا، کیونکہ ہم عصر مورخ العتبی نے اپنی تاریخ یمینی میں اس جتھے بندی کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ ہر ریاست نے اپنا جداگانہ طریقہ کار اختیار کیا اور یہ مطلق نہ سوچا کہ دوسروں پر کیا گزر رہی ہے۔ دشمن ان کے دروازوں پر دستک دیتا رہا اور وہ اپنی معمولی رقابتوں میں الجھے رہے۔ مثال کے طور پر جس وقت

پرتھوی راج سوم شہاب الدین غوری کے ساتھ خوں ریز مجادلہ میں مصروف تھا تو جے چند بڑی شان کے ساتھ علیحدہ کھڑا اس کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ بعض راجاؤں نے غیر ملکی حملہ آوروں کی بہ نسبت اپنے ہم وطن حکمرانوں کے خلاف زیادہ اکڑ دکھائی۔ وہ کسی مشترکہ بندھن میں بندھے ہوئے نہیں تھے۔ اپنے ذاتی مفادات کے علاوہ، اور اپنے محدود حلقے سے باہر، گویا ان کے کوئی فرائض اور ذمہ داریاں تھی ہی نہیں۔ اس طرح، حالاں کہ ملک میں، بارھویں صدی کے اختتام تک دیسی حکومت باقی رہی لیکن یہ سب ایک دوسرے سے نفرت کرنے والی ہندو ریاستیں ایک مشترکہ جذبۂ قومیت کی نشوونما کی مزاحم بنی رہیں۔

فصل (۲)

جنوبی ہندوستان میں ریاستوں کا عروج وزوال

ہم اب تک شمالی ہند کی تاریخ کی بھول بھلیوں میں چکر لگاتے رہے۔ آئیے اب ذرا جنوبی ہند کی تاریخ کا جائزہ لیں۔ زیر نظر دور میں شمالی ہند کی طرح جنوبی ہند میں بھی متعدد خاندان وہاں کے سیاسی اسٹیج پر اپنا پارٹ ادا کر رہے تھے۔ ان کی تفصیل یہ ہے ——— (۱) واتاپی (بادامی)، کے قدیم چالکیہ خاندان کے چند آخری حکمراں؛ (۲) وینگی کے مشرقی چالکیہ (تقریباً ۶۱۵ — ۱۰۷۰ء)؛ (۳) مانیر کھیٹ یا موجودہ مل کھید کے راشٹرکوٹ (تقریباً ۷۴۰ - ۹۷۳ء)؛ (۴) کلیان کے مغربی چالکیہ (تقریباً ۹۷۳ - ۱۱۸۹ء)؛ (۵) دیوگری کے یادو (تقریباً آٹھویں صدی کے اختتام سے ۱۳۱۸ء تک)۔ ان کے علاوہ حکومت کرنے والے ایسے چھوٹے چھوٹے گھرانے بھی ہیں دکھائی دیتے ہیں جیسے کھرے پتن اور تھانہ کے سلاہار، ہنگل اور گول کے بعد والے کدمب، وارنگل کے کاک تیہ، تلکاڈ کے گنگ (تقریباً چوتھی صدی تا ۱۰۰۴ء) اور دوار سمدر کے ہوائسل (تقریباً گیارھویں صدی سے چودھویں صدی کے وسط تک)۔ جنوب بعید میں حکومت کرنے والے خاندان یہ تھے ——— کانچی کے پلّو (تقریباً تیسری صدی کے وسط سے ۸۹۰ء تک)، تنجور کے چول (تقریباً نویں صدی کے وسط سے ۱۲۶۷ء تک) مدورا کے پانڈیہ اور مالابار کے چیر۔ اتنی بہت سی ریاستوں کا وجود صاحب حوصلہ افراد کے لیے کمزور ریاستوں کو ہڑپ کرنے کا محرک ثابت ہوا۔ چناں چہ ان کی فوجیں ہمیشہ حرکت میں

رہتی تھیں اور ریاستوں کے حدود گھٹتے بڑھتے رہتے تھے۔ بسا اوقات تو یہ ہوتا تھا کہ صرف حملہ ہو کر رہ جاتا تھا اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا تھا، البتہ خونی لڑائیوں کی ہولناک تلخیاں باقی رہ جاتی تھیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ واتاپی کے قدیم چالکیہ اور کانچی کے پلّو مسلسل جنگ و جدال میں مصروف رہے جس کے نتائج مختلف ہو سکتے تھے لیکن سنگ دلی اور سفاکی میں کوئی کمی نہیں آتی تھی۔ راشٹر کوٹوں نے بھی جنگ کو جاری رکھا اور انھوں نے قدیم چالکیوں کی جگہ لے لی۔ دنتی درگ راشٹر کوٹ نے نندی ورمن پلّو کے دھرُوو نروپم (تقریباً ۷۷۹–۷۹۴ء) کے خلاف فتوحات حاصل کیں؛ اور بعد ازاں ۸۰۴ء میں اس کے بیٹے گووند سوم (تقریباً ۷۹۴، – ۸۱۴ء) نے دنتی ورمن پلّو کو نیچا دکھایا۔ لیکن ان شکستوں کے باوجود پلّووں نے ۸۹۰ء تک اپنی حکومت کو باقی رکھا۔ ۸۹۰ء ہی میں آدتیہ اوّل چول (تقریباً ۸۷۵–۹۰۷ء) نے اس پر کاری ضرب لگائی۔ آٹھویں صدی کے ربع آخر اور نویں صدی کے بیشتر حصّے میں پے درپے کئی پلّو حکمراں، مثلاً دنتی ورمن (تقریباً ۷۷۶–۸۲۸ء)، نندی (تقریباً ۸۲۸–۸۵۱ء)، نرپ تنگ ورمن (تقریباً ۸۵۱–۸۷۶ء)، پانڈیہ فرماں رواؤں —— نیدنجَ دَین وَرگُن (تقریباً ۷۶۵، –۸۱۵ء) اور شری مار شری ولبھ کے ساتھ دیرینہ جنگ و جدال میں مصروف رہے؛ اور اپراجت ورمن پلّو (۸۷۶–۸۹۵ء) نے ورگُن دوم پانڈیہ کو ۸۸۰ء میں کُنبھ کنم کے قریب شری پرم بیم کی جنگ میں شکست دینے کا فخر حاصل کیا۔ دکشنا پتھ میں آٹھویں صدی کے وسط سے لے کر دسویں صدی کے ربع آخر تک مانیہ کھیٹ کے راشٹر کوٹ سیاسی اسٹیج پر چھائے رہے۔ شمالی ہند پر راشٹر کوٹوں نے جو یورشیں کیں جن کا ذکر آگے چل کر ابھی ہوگا، وہ تو علیحدہ رہیں، وہ اپنے جنوبی پڑوسیوں سے، بالخصوص تلکاڈ کے گنگوں اور وینگی کے مشرقی چالکیوں سے برابر جنگ میں مصروف رہے۔ چناں چہ کرشن اوّل راشٹر کوٹ (تقریباً ۷۵۷ —— ۷۷۲ء) اور دھرُوو نروپم (تقریباً ۷۷۹–۷۹۴ء)، دونوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انھوں نے مشرقی چالکیہ حکمراں وشنو وردھن چہارم (تقریباً ۷۶۴–۷۹۹ء) کو شکست دی؛ نیز گووند سوم (تقریباً ۷۹۴–۸۱۴ء) اور اموگھ ورش اوّل (تقریباً ۸۱۴–۸۷۸ء) نے کامیابی کے ساتھ وینگی کے وجے آدتیہ (تقریباً ۷۹۹–۸۴۳ء) سے شمشیر آزمائی کی۔ اموگھ ورش اوّل نے وجے آدتیہ سوم گنگ (تقریباً ۸۴۴–۸۸۸ء) سے بھی جنگ کی جیسے وینگی کے بھیم اوّل (تقریباً ۸۸۸–۹۱۸ء) کی طرح کرشن راشٹر کوٹ (تقریباً ۸۷۸–۹۱۴ء) کا

لوہا ماننا پڑا۔ فتوحات کا یہ ریکارڈ بہرحال شہوت پرست گووند چہارم نے توڑ دیا، کیوں کہ ویٹگی کے بھیم دوم (تقریباً ۹۳۴ - ۹۴۵ء) نے اس پر غلبہ حاصل کر لیا۔ کرشن سوم (تقریباً ۹۴۰ — ۹۶۸ء) کے زمانے میں راشٹر کوٹ طاقت اوج کمال پر پہنچ گئی۔ جنوب میں اس کا سب سے مشہور کارنامہ یہ تھا کہ اس نے کانچی اور تنجور پر قبضہ کر لیا اور ۹۴۹ء میں چول راجہ راجادتیہ کو تکّولم کی مشہور لڑائی میں (شمالی ارکاٹ کے ضلع میں ارکونم کے قریب) شکست دی۔ اس نے تونڈ منڈلم کو اپنی ریاست میں شامل کر لیا، لیکن چول قلمرو کے جنوبی حصے کو وہ شامل نہ کر سکا۔ اس نے پانڈیوں، کیرلوں اور سنگھل کے راجاؤں کے حوصلے پست کر دیے۔ کرشن سوم کے مرنے کے بعد راشٹر کوٹوں کا زوال شروع ہو گیا۔ سی یک ہرش پرمار نے کھوٹگ نتیہ ورش کے عہد میں مانیہ کھیٹ کی راجدھانی کو تاخت و تاراج کیا۔ آخر کار کرک دوم نے مغربی چالکیہ تیلپ کے شدید حملوں کے مقابلے میں ۹۷۳ء میں ہتھیار ڈال دیے۔ یہ نیا خاندان جس کا بانی تیلپ تھا اور جسے مورخوں نے مغربی چالکیوں کے نام سے یاد کیا ہے، گیارھویں اور بارھویں صدی میں کافی اہم طاقت بن گیا۔ اس لیے ان کے لیے تنجور کے چولوں اور مالوہ کے پرماروں سے جو جنوبی ہند کے سیاسی توازن میں کوئی اہم تبدیلی گوارا نہیں کر سکتے تھے، ٹکر لینا از بس ضروری ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ واک پتی منج پرمار (تقریباً ۹۷۴ - ۹۹۵ء) نے تیلپ (تقریباً ۹۷۳ - ۹۹۷ء) کو کم از کم چھ بار شکست دی۔ ان کامیابیوں سے اس میں اس قدر زیادہ اعتماد پیدا ہو گیا کہ ساتویں بار وہ گوداوری پار کر کے چالکیہ دیش میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ یہ اقدام تیلپ کے حق میں مفید ثابت ہوا اور واک پتی منج کو گرفتار کر کے تہ تیغ کر دیا گیا۔ ستیا شریہ کے عہد میں (تقریباً ۹۹۷ - ۱۰۰۸ء) چالکیہ مقبوضات کو راجراج اول (تقریباً ۹۸۵ - ۱۰۱۴ء) کے ماتحت چول افواہوں نے تاخت و تاراج کیا۔ حالاں کہ کچھ وقت کے لیے ستیا شریہ اس صدمہ کے بوجھ سے بالکل دب گیا، مگر بہت جلد اس نے اپنے کو سنبھال لیا۔ لیکن اس کے بھتیجے اور جانشین وکرمادتیہ پنجم (تقریباً ۱۰۰۸ - ۱۰۱۴ء) کو بھوج دیو پرمار (تقریباً ۱۰۱۰ — ۱۰۵۵ء) کے ہاتھوں ایک اور صدمہ پہنچا۔ اگلے فرماں روا جے سنگھ دوم جگ دیک مل (تقریباً ۱۰۱۶ — ۱۰۴۲ء) نے بہرحال بھوج کو بھگا دیا اور "مالوے کی جتھے بندی" کے ٹکڑے اڑ گئے۔ مزید یہ بھی کہا جاتا ہے کہ راجیندر چول اول (تقریباً ۱۰۱۲ - ۱۰۴۴ء) کے مقابلے میں مغربی چالکیہ حکمراں کا پلہ بھاری رہا۔ دوسری طرف چول دستاویزات میں دعوے اس کے برعکس ملتے ہیں۔ سومیشور اول آہومل کے عہد میں

(تقریباً ۱۰۴۲ – ۱۰۶۸ء) مغربی چالکیہ خاندان نے طاقت کی معراج حاصل کرلی۔ شمالی ہندوستان میں فتوحات حاصل کرنے کے علاوہ، جن کا ذکر ابھی آگے آئے گا، اس نے مالوہ کو تاخت وتاراج کیا اور بھوج پرمار کو فرار اختیار کرنے پر مجبور کردیا۔ لیکن جب بھوج کے جانشین جے سنگھ اول (۱۰۵۵ – ۱۰۶۰ء) نے انہل واڑ کے بھیم اول (تقریباً ۱۰۲۲ – ۱۰۶۴ء) اور داہل کے لکشمی کرن کلچوری (تقریباً ۱۰۴۱ – ۱۰۷۲ء) کے متحدہ حملے کے مقابلے کے لیے سومیشور اول سے امداد طلب کی تو وہ تمام پرانی رقابتوں کو بھول کر پرمار راجہ کو مدد دینے کے لیے فوراً تیار ہوگیا۔ متحدہ افواج جو مالوہ پر قابض تھیں انھیں نکال دیا گیا اور دو حریفوں یعنی مغربی چالکیوں اور پرماروں کی دیرینہ دشمنی دوستی میں تبدیل ہوگئی۔ ۱۰۵۲ء میں کوپم کے مقام پر چولوں سے جو لڑائی ہوئی اس میں معلوم ہوتا ہے راجادھراج اول کے مقابلے میں سومیشور اول کا پلّہ بھاری رہا، حالاں کہ چول شواہد سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ اس کے بعد وکرمادتیہ (ششم) ۱۰۷۶ء میں گدی حاصل کرنے سے پہلے اپنی دلیرانہ مہموں کے دوران چول حکمراں ویرراجیندر (تقریباً ۱۰۶۳ – ۱۰۷۰ء) سے ٹکرایا جس سے اس نے صلح کرلی اور اس صلح کو استوار کرنے کے لیے اس کی لڑکی سے شادی کرلی۔ وکرمادتیہ ششم کے دورِ حکومت کے اختتام کے قریب دوارسمدر کے ہوائسلوں نے بٹگ وشنوردھن (تقریباً ۱۱۱۰ – ۱۱۴۰ء) کے عہد حکومت میں اپنی طاقت بڑھانی شروع کردی۔ لیکن جگ دیک مل دوم (تقریباً ۱۱۳۸ – ۱۱۵۱ء) نے انھیں دبا دیا۔ جگ دیک مل نے جے ورمن پرمار اور انہل واڑ کے کمار پال (تقریباً ۱۱۴۳ – ۱۱۷۲ء) کا بھی کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اس طرح وقت کے بدلتے ہوئے سیاسی حالات میں مغربی چالکیہ طاقت ۱۱۵۷ء میں گہن میں آگئی۔ کل چوریوں نے وجل یا وجن پر غاصبانہ قبضہ کرلیا۔ لیکن تھوڑی دیر ٹمٹمانے کے بعد دیوگری کے یادووں اور دوارسمدر کے ہوائسلوں کے حملوں کے باعث یہ چراغ ۱۱۸۹ء میں پھر گل ہوگیا۔ یادووں نے کافی اہمیت حاصل کرلی اور انھوں نے مغربی چالکیہ سومیشور چہارم کے کمزور ہاتھوں سے کرشنا سے شمال کی طرف کے علاقے جھپٹ لیے۔ لیکن یادووں کو ابھی ہوائسلوں سے نمٹنا تھا، کیوں کہ بٹگ وشنوردھن (تقریباً ۱۱۱۰ – ۱۱۴۰ء) کے وقت سے جس نے چولوں، پانڈیوں، کیرلوں، جنوبی کنتڑ کے ٹلووں، اور کدمبوں وغیرہ کو نیچا دکھایا تھا۔ وہ کافی طاقت ور ہوگئے تھے۔ ۱۱۹۱ء میں جنگ چھڑ گئی جس میں لکگنڈی کے مقام پر بلال ہوائسل (تقریباً ۱۱۷۲ – ۱۲۱۵ء) کے ہاتھوں بھلم پنجم یادو مارا گیا۔ اس شکست کا بدلہ بہرحال بعد میں سنگھن یادو (تقریباً ۱۲۱۰ – ۱۲۴۷ء)

نے لیا۔ اُس نے وپر بلّال ہوائسل کو چوٹ دے کر اپنی حکومت کرشنا کے اس پار پہنچا دی۔ بارہویں صدی کے ختم کے قریب جے تُگی یادوَ (تقریباً ۱۱۹۱ - ۱۲۱۰ء) نے رُوُدَر دیو کو مار ڈالا اور گنپتی کو کاکتیہ گدی پر بٹھا دیا۔ گنپتی کے عہد میں (تقریباً ۱۱۹۹ - ۱۲۶۱ء) وارنگل کے کاکتیوں کو بھی انتہائی عروج حاصل ہوا۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے کلنگ کے چول، سیونَ (یادو)، کرناٹ، لاٹ اور ول ناڈو کے راجاؤں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ یادوؤں، ہوائسلوں، کاکتیوں، چولوں اور پانڈیوں کے درمیان خوں ریز اور مہلک لڑائیوں کا سلسلہ تیرھویں صدی میں جاری رہا۔ سوائے چولوں کے جن کی سلطنت کا خاتمہ ۱۲۶۷ء میں ہو گیا، باقی سب خاندان ملک کافور کی جنوبی مہموں کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کی نذر ہو گئے۔ ان کمزور اور آپس میں لڑنے والی ریاستوں نے جو تھوڑی بہت مقاومت کی وہ بیکار ثابت ہوئی اور ملک کافور فتوحات کرتا ہوا جزیرہ نمائے جنوب کی آخری صدحل تک پہنچ گیا۔ ۱۳۱۰ء میں اس نے پانڈیوں کی راجدھانی مدورا پر قبضہ کر لیا۔ مدورا کی تباہی نے پانڈیوں کی وفاقی قیادت کو بالکل مفلوج کر دیا۔ چیر حکمراں رَوِی ورمن کل شیکھر (حساب لگا کر ۱۲۹۹ء) اور دوسرے اراکینِ وفاق نے پانڈیوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر زور پکڑنا شروع کر دیا۔ پانڈیہ ریاست قدیم تو تھی لیکن اس کی اصل ترقی کوچَّ دَیَن رندھیر (تقریباً ابتدائے آٹھویں صدی عیسوی)، ماروَرمن راج سنگھ اول، اور نیڈُنجَ دَیَن ورگن اول (تقریباً ۷۶۵ - ۸۱۵ء) کی چولوں اور کیرلوں (چیروں) کے ساتھ لڑائیوں کے نتیجے میں آٹھویں صدی عیسوی میں شروع ہوئی۔ نویں صدی کے بیشتر حصہ میں پانڈیہ، پلووں کے ساتھ مسلسل جنگ و جدال میں مصروف رہے جنھوں نے اپراجِت ورمن کے ماتحت ورگن دوم پانڈیہ کے خلاف، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، ۸۸۰ء میں شری پرم بیم کی لڑائی میں فیصلہ کن فتح حاصل کی۔ تک بھگ اسی زمانے میں چولوں نے بھی اہمیت حاصل کر لی اور ماروَرمن راج سنگھ دوم پانڈیہ نے انھیں دبانے کی کوشش کی، لیکن پران تک اول چول (تقریباً ۹۰۷ - ۹۵۳ء) نے اُسے شکستِ فاش دی۔ چولوں کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کر لیا گیا اور اس کے بعد ۹۲۰ء سے تیرھویں صدی کے اوائل تک وہ پانڈیہ دیش پر قابض و متصرف رہے۔ پانڈیوں نے چول غلامی سے آزاد ہونے کی بے شک کوششیں کیں، خاص کر ۹۴۹ء میں تکولم کی جنگ میں، جس میں کرشن سوم راشٹرکوٹ کی فوجوں نے چولوں کو بری طرح جھنجوڑا، لیکن انھیں کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ دراصل راجیندر اول چول کے عہد میں پانڈیہ دیش نے چول سلطنت کے ایک صوبے کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ ۱۱۹۰ء میں جٹاورمن کل شیکھر کی

تخت نشینی بہر حال پانڈیوں کی تاریخ میں ایک نیا موڑ ثابت ہوئی۔ چناں چہ اس کے عہد (تقریباً ۱۱۹۰-۱۲۱۶ء) کو "پانڈیہ سلطنت کے دورِ ثانی" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تیرھویں صدی میں پانڈیہ خاندان کی عظمت منتہائے کمال پر پہنچ چکی تھی۔ مارورمن سندر پانڈیہ (تقریباً ۱۲۱۶-۱۲۳۸ء) نے راجراج سوم چول کے عہد میں (تقریباً ۱۲۱۶-۱۲۵۲ء) تنجور اور اُرئیے پُر کو جلایا اور لوٹا کھسوٹا؛ اور جٹا ورمن سندر پانڈیہ (۱۲۵۱-۱۲۷۲ء) نے چول حکومت پر آخری ضرب لگادی۔ جٹا ورمن نے ویر سومیشور ہوائسل، گنپتی کاک تیہ (تقریباً ۱۱۹۹-۱۲۶۱ء) اور چیروں کے ساتھ مقابلے میں بھی فتوحات حاصل کیں۔ اس طرح جٹا ورمن نے اپنا اقتدار بڑھاکر شمال میں کڈپہ اور نیلور تک پہنچادیا۔ آخری مشہور پانڈیہ فرماں روا مارورمن کل شیکھر کے وقت جس نے جین گونڈ سول پُرم میں ایک محل تعمیر کرایا، جس چول حکومت کا کبھی ڈنکا بجتا تھا، اب اس کا کچھ بھی باقی نہ رہا۔ ۴۰۰ سال کی طویل اور خاصی کامیاب حکومت کے بعد چول خاندان کا وہی حشر ہوا جو دنیا میں ہر ذی روح کا ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ چولوں کا وجود بحیثیت حکمراں کے بہت ماضی بعید سے پایا جاتا تھا، لیکن ان کی شاہانہ عظمت کا آغاز آدتیہ اول چول (تقریباً ۸۷۵-۹۰۷ء) کے عہد سے ہوا جس نے کونگو دیش اور تلکاڈ کو فتح کر لیا، اور ۸۹۰ء میں اپراجیت ورمن پلو کو شکست دے کر تونڈ منڈلم کو اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد پران تک اول (تقریباً ۹۰۷-۹۵۲ء) نے پلو طاقت کے تمام نشانات کو بالکل ہی دھوڈالا، اور مارورمن راج سنگھ دوم کے لنکا بھاگ جانے کے بعد پانڈیہ علاقوں پر بالادستی حاصل کرلی۔ لیکن پران تک اول کو جب کرشن سوم راشٹرکوٹ نے ۹۴۹ء میں تکولم کی مشہور لڑائی میں فرار اختیار کرنے پر مجبور کردیا تو اس کے تمام حوصلے پست ہوگئے۔ راجراج اول (تقریباً ۹۸۵-۱۰۱۴ء) نے چول شہنشاہیت کو بڑا اکساوادیا۔ اس نے چیروں کو تسخیر کر لیا، کندلور کے مقام پر ان کے جہازی بیڑے کو تباہ کردیا، اور امر بھجنگ پانڈیہ کا مزاج درست کردیا۔ راجراج اول نے ملئی ناڈو (کرگ) نولمب پاڈی اور گنگ وادی یعنی میسور کے بیشتر حصے پر قبضہ کر لیا۔ مغربی گنگوں کی ریاست چوتھی صدی عیسوی میں قائم ہوئی۔ آٹھویں اور نویں صدی میں وینگی کے مشرقی چالکیوں اور مل کھید کے راشٹرکوٹوں نے انھیں خوب ناک چنے چبوائے۔ اور ۱۰۰۴ء میں جب تلکاڈ ان کے ہاتھ سے نکل گیا تو وہ ہمیشہ کے لیے اپنی حکومت کھو بیٹھے۔ چولوں کا زور بڑھا تو مغربی چالکیوں سے ان کا تصادم ضروری ہوگیا اور حالاں کہ تیلپ (۹۷۳-۹۹۷ء) ان پر فتح حاصل کرنے کا دعوے دار ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے

اس کے بیٹے ستیہ شریہ (تقریباً ۹۹۷-۱۰۰۸ء) کو راجراج اول کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانی پڑی راجراج اول نے شکتی ورمن کے عہد میں تقریباً (۹۹۹-۱۰۱۱ء) مشرقی چالوکیوں کے علاقہ کو تاخت و تاراج کیا۔ شکتی ورمن کے جانشین وملادتیہ (تقریباً ۱۰۱۱-۱۰۱۸ء) نے بہرحال چولوں کی اطاعت قبول کرلی۔ اس طرح راجراج اول تمام صوبہ مدراس، کرگ اور میسور کے بیشتر حصے کا مالک ہوگیا۔ اس کی فوجیں بحر ہند کے جزیروں تک بھی پہنچ گئیں۔ پانڈیہ علاقے پر اس نے اپنا وائسرائے مقرر کردیا اور جزیروں پر بھی اس نے اپنا اقتدار از سر نو قائم کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کے بعد چولوں کا اقتدار جیر دیش پر اس وقت تک باقی رہا جب بارھویں صدی میں ان کا زوال شروع ہوگیا اور ویرکیرلی نے خود مختاری اختیار کرلی۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے، راجیندر اول نے شمالی ہند پر بھی چڑھائی کی اور سمندر پار فتوحات کا شرف حاصل کیا۔ راجیندر اول اور اس کے جانشینوں کے عہد میں چولوں اور مغربی چالکیوں کے درمیان پرانی دشمنی قائم رہی۔ دونوں ہی فریق اپنی دستاویزات میں حسب معمول اپنی اپنی فتح کے دعوے دار ہیں۔ چنانچہ راجیندر اول کا جے سنگھ دوم جگ دیک مل (تقریباً ۱۰۱۶-۱۰۴۲ء) سے تصادم ہوا اور راجادھیراج اول (تقریباً ۱۰۴۴-۱۰۵۲ء)، راجیندر دیو دوم (تقریباً ۱۰۵۲-۱۰۶۳ء) اور ویرراجیندر (تقریباً ۱۰۶۳-۱۰۷۰ء) نے سومیشور اول آہومل (تقریباً ۱۰۴۲-۱۰۶۸ء) کے خلاف جنگ کی۔ کہتے ہیں کہ کدل سنگم (ضلع کرنول) کی لڑائی میں مغربی چالکیوں کو ویرراجیندر کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانی پڑی جس نے وینگی کو از سر نو فتح کرکے وجے آدتیہ ہفتم (تقریباً ۱۰۶۱-۱۰۷۶ء) کے حوالہ کردیا۔ ۱۰۷۰ء میں ادھی راجندر کا انتقال ہوگیا۔ اس کے کوئی عقب نہیں تھا۔ اس لیے وینگی کا راجیندر دوم جو راجیندر اول گنگئی کونڈ کی بیٹی امنگ دیوی کے بطن سے پیدا ہوا تھا، گدی پر بیٹھا اور کلوتنگ کا لقب اختیار کیا۔ اس طرح اس نے مشرقی چالکیہ اور چول گدیوں کو ایک جگہ متحد کردیا۔ ۱۰۷۶ء تک اس نے اپنے چچا وجے آدتیہ ہفتم کو وینگی سے نکال باہر کیا اور وہاں راج کماروں کو بحیثیت وائسرائے مقرر کردیا۔ کلوتنگ اول (تقریباً ۱۰۷۰-۱۱۲۲ء) نے سرکش کیرل اور پانڈیہ سرداروں کو کچل دیا۔ مالوہ کے پرمار راجہ سے کامیاب جنگ کی اور مشرقی گنگ راجہ اننت ورمن چوڈ گنگ (تقریباً ۱۰۷۷-۱۱۴۷ء) کے خلاف دو مہمیں بھیجیں۔ پہلی مہم کی قیادت اپنے جلوس کے چھبیسویں سال سے پہلے اس نے خود کی۔ دوسری مہم ۱۱۱۲ء میں بھیجی گئی۔ کلوتنگ اول کے جانشین ناکارہ ثابت ہوئے۔ ان کے عہد حکومت میں چولوں کے حالات بہت تیزی سے بگڑنے لگے۔ دوار سمدر کے ہوائسلوں نے ترقی کرکے جنوبی ہندوستان کی سیاسیات میں نمایاں مقام حاصل کرلیا اور

لنکا، کیرل اور پانڈیہ دیش کے حکمرانوں نے جرأت کے ساتھ چول غلامی سے آزاد ہونے کی کوشش کی۔ ماروردمن سندر پانڈیہ (تقریباً ۱۲۱۶ - ۱۲۳۸ء) اور جٹاورمن سندر پانڈیہ (تقریباً ۱۲۵۱ — ۱۲۷۲ء) کے عہد میں پانڈیہ ریاست نے بھی توسیع سلطنت کی پالسی پر عمل درآمد شروع کردیا۔ اس طرح داخلی کمزوری، بغاوتوں اور پڑوسی ریاست کے حملوں نے چول سلطنت کی بالکل جان نکال دی، چول سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا اور نتیجہ میں ۱۲۶۷ء تک وہ بالکل معدوم ہوگئی۔

کہا جاتا ہے کہ قدیم ہندوستان میں جنوب کی تاریخ پر تاریکی کا پردہ اس وقت تک پڑا رہا جب تک چندر گپت موریہ، سمدر گپت یا ہرش وردھن جیسے عالی حوصلہ فرماں رواؤں نے اُسے چاک نہ کردیا۔ قرونِ اولیٰ میں حقیقت کچھ بھی رہی ہو لیکن زیر نظر دور میں جنوبی ہندوستان بہرحال بند پانی کی طرح نہیں رہا، بلکہ جنوبی ہند کے واقعات شمالی ہند کے خاص خاص دھاروں سے ہمیشہ وابستہ رہے۔ یہ بھی ہوا کہ جنوب کے راجاؤں نے شمال کے خلاف پانسے پلٹ دیے اور ان کے ناقابل تسخیر لشکروں نے شمالی ہند کو کئی بار تاخت وتاراج کیا۔ چناں چہ دھرو ڈبرو پم (تقریباً ۷۸۰ - ۷۹۴ء) نے اجین کے وتس راج پرتی ہار کو شکست دینے کے بعد اندرایدھ کے عہد میں گنگا کے دوآبہ کو تاخت وتاراج کیا اور اپنے "شاہی نشان" میں گنگا جمنا کی علامت کا اضافہ کیا۔ اسی مہم میں غالباً یہ بھی ہوا کہ "جب گوڑ راجہ (دھرم پال) گنگا اور جمنا کے درمیان بھاگ رہا تھا تو دھرو نے اس کی لکشمی کے ہنستے کھیلتے کنول اور سفید چھتریاں چھین لیں"۔ اسی طرح گووند سوم (تقریباً ۷۹۴ - ۸۱۴ء) فتوحات کرتا ہوا ہمالیہ تک پہنچ گیا اور دھرم (دھرم پال) اور چکراییدھ نے اس کی اطاعت قبول کرلی۔ اور کہتے ہیں کہ اموگھ ورش (تقریباً ۸۱۴ - ۸۷۸ء) نے انگ، ونگ، اور مگدھ کے راجاؤں پر اپنے اثرات قائم کرلیے۔ اُتر پران کے جین مصنف گن بھدر نے ایک مقام پر اشارہ کیا ہے کہ کرشن دوم (تقریباً ۸۷۸ - ۹۱۵ء) کے (جنگی) ہاتھیوں نے گنگا کا پانی پیا۔ اس شہادت سے معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ ڈاکٹر اپن۔ دیہیہ نے بھی لکھا ہے کہ غالباً بھوج کے زمانے میں اس راشٹر کوٹ حکمران نے اپنے عہد کے آخری ایام میں شمالی ہند

---

[1] اپی گرافیہ انڈکا، اٹھارہ، ص ۲۴۲، ص ۲۵۲
[2] ایضاً ص ۲۴۵، ص ۲۵۳
[3] پروسیڈنگس انڈین ہسٹری کانگرس، چھٹا اجلاس (۱۹۴۳)، ص ۱۴۳، ص ۱۴۷

میں اپنی طاقت کافی بڑھالی تھی۔ مدھیہ دیش پر اگلا بہت خوف ناک حملہ اندر سوم نتیہ ورش (تقریباً ۹۱۵-۹۱۸ء) نے کیا جو اجین[1] سے ہوتا ہوا آگے بڑھا۔ اجین اس وقت پرتی ہاروں اور راشٹر کوٹوں کے درمیان جھگڑے کی جھونپڑی بنا ہوا تھا۔ اس نے "اس دشمن شہر، یعنی مہودیہ کو ۹۱۶ء یا ۹۱۷ء میں مکمل طور پر تباہ کر دیا[2]" شک سمبت ۸۶۲ مطابق ۹۴۰ء سے کچھ قبل کرشن سوم (تقریباً ۹۴۰-۹۶۸ء) نے کمار یا یووراج کی حیثیت سے شمالی ہند میں ایک مہم کی قیادت کی۔ اس کی آمد کی خبر پاکر گرجر پرتی ہار حکمراں اس قدر دہشت زدہ ہوا کہ اپنے گڑھوں یعنی کالنجر اور چترکوٹ کی حفاظت سے بالکل مایوس ہو گیا۔ سومیشور اول آہومل دکشنا پتھ کا دوسرا فرماں روا تھا جو اپنے جنوبی پڑوسیوں سے نمٹنے کے بعد شمال کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کا لشکر چندیلوں اور کچھپ گھاتوں کی طرف سے کسی قسم کی مداخلت کے بغیر وسطِ ہند سے بہ آسانی گزر گیا۔ کہتے ہیں کہ کانیہ کبج کے راجہ نے اس کی طاقت سے ڈر کر بہت جلد غاروں کو اپنا مسکن قرار دیا[3]۔ سومیشور اول آہومل نے لکشمی کرن کلچوری کے خلاف بھی بالادستی حاصل کی۔ ہمیں مزید معلوم ہوتا ہے کہ مغربی چالکیہ راجہ، وکرما دتیہ نے بغیر کسی مزاحمت کے مِتھلا، مگدھ، انگ، ونگ اور گوڑ کو خوب لوٹا کھسوٹا۔ شمال پر آخری بڑا حملہ راجیندر اول گنگئی کونڈ (تقریباً ۱۰۱۴-۱۰۴۴ء) نے کیا جو ۱۰۲۱ء اور ۱۰۲۵ء کے مابین، کسی وقت بڑھتا ہوا گنگا تک پہنچ گیا اور اس نے اوڈرو شیہ (اڑیسہ) کو سلے ناڈو (جنوبی کوسل)، تنڈبُتی کے دھرم پال (ونڈ بھکتی، بلسور اور ضلع مدنا پور کا کچھ حصہ)، تکّن لاڈم کے رنشور (جنوبی رادھا)، ونگال دیش کے گووند چند (مشرقی بنگال)، پال حکمراں مہی پال (تقریباً ۹۹۲-۱۰۴۰ء) اور اتر لاڈم (شمالی رادھا) کو تسخیر کر لیا[4]۔ اس طرح اگرچہ جنوبی ہند کے یہ راجہ شمال کے لہلہاتے ہوئے میدانوں کو تباہ کر رہے تھے، تعجب کی بات یہ ہے کہ زیرِ نظر دور میں شمالی ہند میں ایک طاقت بھی ایسی نہ تھی جو جم کر ان کا مقابلہ کر سکتی

ہمارے اس دور میں جنوبی ہند کی تاریخ کی دوسری قابلِ ذکر خصوصیت یہ ہے کہ بعض حکمراں

---

1. ایضاً، ساتواں، ص۳۵، ص۴۳، اشلوک ۱۹
2. انڈین اینٹی کوئریز، آٹھواں، ص۱۱
3. ملاحظہ ہو ڈائنیسٹک ہسٹری آف ناردرن انڈیا، جلد ایک، ص۳۱۵
4. تنڈبُتی کے کتبے سے موازنہ کریں، ایپی گرافیہ انڈیکا، نواں، ص۲۲۹، ص۲۳۳

مضبوط بحری فوجیں رکھتے تھے اور ان کی فتوحات ملک کے اندر ہی محدود نہ تھیں بلکہ ملک کے باہر دور سمندر پار تک پھیلی ہوئی تھیں۔ نرسنگھ ورمن کے دو بحری حملوں کے علاوہ جو اس نے ساتویں صدی عیسوی کے وسط میں لنکا پر کیے، ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ پرانتک اوّل (تقریباً ۹۰۷۔ ۹۵۵ء) نے لنکا پر چڑھائی کی جہاں مانڈورمن راج سنگھ دوم پانڈیہ نے شکست کھانے کے بعد پناہ لے رکھی تھی۔ یہ حملہ بہرحال نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوا۔ راجراج اول (تقریباً ۹۸۵ - ۱۰۱۴ء) نے اس کے بعد لنکا پر حملہ کیا اور لنکا کے شمالی حصے کو اپنی سلطنت میں شامل کرکے اُسے چول سلطنت کا صوبہ بنا دیا۔ بعد ازاں اس نے "۱۲۰۰۰" کی تعداد میں سمندر کے پرانے جزیرے" فتح کیے۔ ان جزیروں کو لنکا دیپ اور مالدیپ کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ نتیجہ میں تمام لنکا کو راجیندر اول گنگئی کونڈ (تقریباً ۱۰۱۴-۱۰۴۴ء) نے ۱۰۱۷ء کے قریب اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس کے مضبوط جہازی بیڑے نے خلیج بنگال کے اس پار بھی فتوحات حاصل کیں، کیوں کہ کہا جاتا ہے کہ اس نے سنگرام وجے اوُتنگ ورمن کو شکست دی، اور کنہ اکدارم اور ہند بعید میں دوسرے مقامات فتح کیے۔ ممکن ہے کہ یہ مہم راجیندر اول کی ہوسِ ملک گیری کی تسکین کے لیے ہی نہیں بلکہ جنوبی ہندوستان اور جزیرہ نمائے ملایا کے درمیان تجارتی تعلقات کو بہتر اور مضبوط بنانے کے لیے سرکی گئی ہو۔ آخری بات یہ کہ ویر راجیندر (تقریباً ۱۰۶۳ - ۱۰۷۰ء) نے کدارم اور شری وجیہ پر چڑھائی کرکے راجیندر اول کے حملوں کی یاد تازہ کر دی؛ اس مہم کی تفصیلات بہرحال تاریکی میں ہیں۔

فصل (۳)

مذہب اور سماج

ہم نے قرونِ وسطیٰ کے ابتدائی دور میں پیش آنے والے واقعات کی ایک جھلک تاریخ کی دلکش سیر بین میں دیکھی۔ واقعہ یہ ہے کہ شخصیتوں کی کثرت اور ان کی نقل و حرکت میں سُرعت کے باعث ہمارا منظر ذرا دھندلا پڑ گیا۔ مناظر بہت تیزی سے بدلے؛ سلطنتیں ابھریں اور فنا ہو گئیں؛ خاندانوں نے عروج پایا اور پھر تاریکی کے پردے میں فنا ہو گئے۔ فوجوں اور حملوں کا تصادم پریشان کن ہو گیا۔ اس لیے مناسب ہے کہ ہم اپنی تاریخ کی عظمتوں اور پستیوں کے

بیان کو چھوڑ کر اب ذرا اس وقت کی مذہبی، سماجی، سیاسی، اقتصادی، ادبی اور فنی کیفیت کا جائزہ لیں۔ کیا یہ ہر میدان میں جمود و انحطاط کا دور تھا؟ یا ہمیں ترقی کی بھی کوئی کرن کہیں دکھائی دیتی ہے؟ بہتر ہوگا کہ ان سوالوں کا جواب حقائق کی روشنی میں دیا جائے۔ پہلی بات جو ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتی ہے یہ ہے کہ بدھ مت اب ہندوستان میں کوئی متحرک قوت نہیں رہا تھا، البتہ بعض مقامات پر اس کا وجود ضرور پایا جاتا تھا۔ یوآن چوانگ (تقریباً ۶۲۹-۶۴۵ء) کے سفرنامے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے سفر کے دوران کانچی میں "کوئی ۱۰۰ سنگھرام اور ۱۰۰۰۰ سادھو" دیکھے۔ وہ استھویر عقیدہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور مہایان فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لیے ہم بجا طور پر قیاس کر سکتے ہیں کہ پلوؔ ریاست میں بدھ مذہب یوآن چوانگ کی آمد کے بہت بعد تک باقی رہا۔ راجراج اول چول نے جو شیومت کا سچا پیرو تھا، نیگ پٹم کے بدھ دھار کو ندریں بھینٹ کیں اور کلوت تنگ اول نے بھی علی ہذا ایک دوسرے ونیلما کی امداد کی۔ یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ بدھ مت کا وجود جنوب میں پایا جاتا تھا دکن میں بدھ مذہب کے حسب ذیل مرکز تھے کم پلی (ضلع شولا پور)، ڈمبل (ضلع دھارواڑ) اور کنہیری (ضلع تھانہ)۔[۱] آٹھویں صدی کے شروع میں جب مسلمان سندھ پہنچے تو انھوں نے بدھ مذہب کے ماننے والوں کی وہاں خاصی بڑی آبادی دیکھی۔ پال خاندان کے راجاؤں نے بدھ مذہب کی باقاعدہ سرپرستی کی۔ انھوں نے بنگال اور مگدھ میں بدھ خانقاہوں کو فیاضی سے ساتھ عطیات دیے۔ بنگال اور مگدھ میں بدھ مذہب کے آثار بختیار خلجی کے حملے کے وقت تک باقی رہے۔ لیکن یہاں بدھ مذہب کی صورت کافی بدل گئی تھی۔ بدھ مت نے جو نئے تنتری طریقے اپنائے تھے ان سے اس کا پہچان میں آنا مشکل ہو گیا تھا۔ بھکشوؤں میں بہر حال تبلیغی جوش اب بھی موجود تھا۔ مثال کے طور پر اس مقام پر مشہور و معروف دیپانکر سری گیان کا ذکر کیا جا سکتا ہے جسے تبتیوں نے "آتش" کا نام دیا۔ کہا جاتا ہے کہ آتش گیارھویں صدی کے وسط میں ہندوستان کی سرحدوں کے ماورا اپنے مذہب کی روشنی پھیلانے تبت گیا تھا۔ بدھ مذہب کے برعکس جین مذہب نے معلوم ہوتا ہے ہندوستان کے بعض علاقوں میں کافی زور پکڑ لیا تھا۔ دکن میں بعض شروع کے چالکیہ راجاؤں اور امو گھ ورش اول راشٹر کوٹ

---

[۱] انڈین اینٹی کوئیریز، بارھواں، ص ۱۳۳، ص ۱۴۷

کرشن دوم اور اندر سوم جیسے راشٹر کوٹ حکمرانوں نے اسے پروان چڑھایا۔ بہت سے مغربی گنگ راجہ بھی اس کی طرف مائل تھے۔ اُدی نیت اور ڈُربی نیت نے علی الترتیب جین آچاریوں وجے کیرتی اور پوجیہ پاد کی سرپرستی کی۔ یہ دونوں ہمارے زیر نظر دور سے پہلے کی شخصیتیں ہیں اس لیے انھیں چھوڑ دیجیے۔ لیکن راج مل (تقریباً ۹۷۷ ـ ۹۸۵ء) کے عہد میں ہمیں معلوم ہے کہ اس کے وزیر اور سپہ سالار چامنڈ رائے نے جو جین مت کا سچا پیرو تھا، ۹۸۳ء میں شراون بلگول کے مقام پر گومتیشور کا مشہور و معروف مجسمہ تیار کرایا۔ عظیم بٹگ وشنو وردھن ہوائسل (تقریباً ۱۱۱۰ـ ۱۱۴۰ء) پہلے جین عقائد کو مانتا تھا لیکن آچاریہ راما نج کے زیر اثر بعد میں وِشنو مت کا پیرو ہو گیا۔ چولوں کے عہد میں جو شیو مت کے پکے ماننے والے تھے، جینی اطمینان و سکون کے ساتھ اپنے مذہبی عقاید پر قائم رہے۔ ۶۴۰ء میں "مولو کیوٹ (مل کوٹ) یا پانڈیہ دیش کا حال بیان کرتے ہوئے ہوان چوانگ نے "نرگرنتھوں سے تعلق رکھنے والے بے شمار بدعقیدہ لوگوں" کا ذکر کیا ہے[1] اسی طرح اس نے کانچی کی ریاست میں رہنے والے "بہت سے نرگرنتھوں" کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس جہت سے ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ چولا اور پانڈیہ ریاستوں میں آنے والی کئی صدیوں تک جینیوں کی کافی آبادی رہی ہوگی۔ لیکن جین مت نے کمارپال چالکیہ (تقریباً ۱۱۴۳ـ ۱۱۷۲ء) کے عہد میں سب سے زیادہ مقبولیت حاصل کرلی۔ کمارپال نے عظیم آچاریہ ہیم چندر سے درس آگہی لیا۔ یقین کیا جاتا ہے کہ ہیم چندر کی تبلیغ اور تبحر علمی کی بدولت جین مت گجرات، کاٹھیاواڑ، کچھ، راجپوتانہ اور مالوہ میں خوب پھیل گیا۔ شمال میں بہر حال چوں کہ اسے شاہی سرپرستی حاصل نہ ہو سکی اس لیے وہاں اس کا اثر بہت محدود رہا۔ کیا شمالی ہند میں اور کیا جنوبی ہند میں، برہمن مت یا پورانی ہندو مت کا زور سب سے زیادہ رہا۔ راجہ اور پرجا دونوں برہمنی دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ ان دیوتاؤں میں سرفہرست وشنو اور شیو تھے جنھیں بہت سے دوسرے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا تھا[2] دیوتاؤں کی اس فہرست میں آگے چل کر برہما، سوریہ، ونایک یا وامودر (گنیش) کمار اسکند، سوامی مہاسین یا کارتکیہ، اندر، اگنی، یم، ورن، امرت وغیرہ

---

[1] بیل، بدھسٹ رکارڈس آف دا ویسٹرن ورلڈ، جلد دوم، صفحہ ۲۲۹

[2] جیسے وشنو کے حسب ذیل نام تھے۔ واسودیو، چکردھر، گووند، نارائن، گداھر، مادھو، جناردن وغیرہ۔ شیو کے دوسرے نام یہ تھے شمبھو، ترمہادیو، مہیشور، پشوپتی، شول پانی، مہیشور، پناکن، اتری پرانتک وغیرہ۔

دیوتاؤں اور ماتا دیویوں (ماترِکوں) بھگوتی یا درگا، شری لکشمی) اور بہت سے چھوٹے چھوٹے دیوتاؤں کے نام شامل کر لیے گئے۔ ان میں سے بہت سے آج بھی مقبول ہیں اور اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جدید ہندو مت نے اسی عہد میں جنم لیا۔ پرستش کے معاملے میں دیوتاؤں کی کوئی تخصیص نہیں تھی۔ مثال کے طور پر، راشٹرکوٹ کتبے شیو اور وشنو کے نام کے منتروں سے شروع ہوتے ہیں۔ گاہڑوال راجہ سوریہ شیو، واسو دیو (وشنو) کی پرستش کرتے اور اگنی کی قربانی کے بعد دان دیا کرتے تھے۔ ایک ہی حکمراں خاندان کے افراد مختلف دیوتاؤں سے اظہارِ عقیدت کرتے تھے۔ پرتی ہار راجاؤں کی خاص طور پر یہی صورت تھی[1]۔ راجاؤں کے عقائد کسی ایک دائرے میں محدود نہیں تھے۔ ان میں وسعت پائی جاتی تھی کیوں کہ ایک کتبے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جے چندر، "برضا و رغبت اور بے انتہا شوق کے ساتھ" شری متر، نامی بدھ بھکشو کا چیلا بن گیا تھا[2]۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گووند چندر گاہڑوال اور راجراج اول چول اور کلوتنگ اول نے بدھ وہاروں کے نام گاؤں وقف کیے۔ اس طریقۂ کار نے یقیناً مختلف متقابل فرقوں کے درمیان رواداری اور ہم آہنگی پیدا کر دی۔ چناں چہ مذہبی جبر و تشدد اور فرقہ وارانہ منافرت اس وقت بہت کم پائی جاتی تھی۔ متذکرہ بالا کلوتنگ کی تو ایک مثال ضرور اس کے برعکس دکھائی دیتی ہے، جس کی ناراضگی نے عظیم ویشنو مصلح رامانج کو شری رنگم چھوڑ کر ہوائسل ریاست میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ رامانج کی واپسی اسی وقت ممکن ہو سکی جب وکرم چول نے اپنے باپ کے برعکس طریقہ اپنایا۔ بہر حال چول خاندان کے راجا اور جنوب کے حکمراں تمام مذہبی فرقوں کے ساتھ عام طور پر رواداری کا برتاؤ کرتے تھے؛ اور ویشنو الوار اور شیو نینار اپنے اپنے مذہبی عقائد کی تبلیغ میں پوری طرح آزاد تھے۔ ان مذہبی معلمین نے اپنے قول و فعل کے ذریعہ رائج الوقت مذہبی عقائد میں نئی زندگی اور تازہ روح پھونک دی۔ اس عہد میں شمالی ہند نے کمارل بھٹ، شنکر آچاریہ، رامانج، اور مدھو آچاریہ جیسی عظیم شخصیتیں پیدا کیں جنھوں نے ہندو مذہب اور فلسفہ پر اپنے اخلاقِ حسنہ اور تبحرِ علمی کی نہ مٹنے والی چھاپ چھوڑی ہے۔ آخر میں یہ بات بھی قابل

---

[1] ہسٹری آف قنوج، ص ۲۹۰

[2] انڈین ہسٹوریکل کوارٹرلی، پانچواں (۱۹۲۹)، ص ۱۲۶، اشلوک ۱۰

غور ہے کہ اس وقت معلوم ہوتا ہے ویدک یگیوں کا رواج نہیں رہا تھا۔ راشٹرکوٹ راجاؤں کے کتبوں میں بہرحال اس قسم کے حوالے ملتے ہیں کہ انھوں نے ہرنیہ گربھ اور تلادان کی رسوم انجام دیں۔ راجا دھراج اول (تقریباً ۱۰۴۴ ۔ ۱۰۵۲ء) کے عہد کے ایک چول کتبے میں آشومیدھ کی طرف صرف ایک اشارہ ملتا ہے۔ غالباً یگیوں کے مقابلے میں، جنھیں تمام تر جزویات کے ساتھ انجام دینے میں دقت بھی تھی اور طوالت بھی، اب دان (نذر) پر زیادہ زور دیا جانے لگا۔ دوسری طرف عظیم مسلم عالم البیرونی (تقریباً ۹۷۰ ۔ ۱۰۳۹ء) نے ۱۰۳۰ء میں لکھتے ہوئے ان رسموں کے متروک ہونے کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے: "رسموں کی مدت میں فرق رہتا ہے، اس طرح کہ وہ شخص جو طویل عمر پاتا ہے، ان میں سے صرف بعض انجام دے پاتا ہے؛ اور اتنی طویل عمریں ہمارے اس دور میں بہت کم ہوتی ہیں، اس لیے بہت سی رسمیں متروک ہوگئی ہیں، صرف چند باقی رہ گئی ہیں جنھیں لوگ آج کل انجام دیتے ہیں۔"[1]

سماج ذات پات (وَرن) کے بندھنوں میں اس وقت بھی اتنا ہی جکڑا ہوا تھا جتنا آج ہے۔ ابن خردازبہ جس کی وفات ۳۰۰ھ مطابق ۹۱۲ء میں ہوئی، لکھتا ہے کہ سات ذاتیں پائی جاتی تھیں ـــ (۱) سَب کُفریہ یا سَبک فَریہ، (۲) برہم، (۳) کتریہ، (۴) سُدریہ، (۵) بے سورہ، (۶) سَندَلیہ، (۷) لاہود۔ الادریسی نے بھی ان سب کا ذکر کیا ہے (آخرِ گیارھویں صدی)، لیکن آخرالذکر ذات کو اس نے "زکیہ" کہا ہے۔ اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ نمبر (۲)، (۳)، (۴)، (۵) اور (۶) سے علی الترتیب برہمن، چھتری، شودر، ویش اور چانڈال مراد ہیں، اور نمبر (۱) سے شاید سَت کشتریہ مراد ہیں۔[2] نمبر (۷) کی شناخت مشتبہ ہے۔ بہرحال، البیرونی کہتا ہے کہ شروع میں ہندو چار ذاتوں میں منقسم تھے (۱) ـــ (۱) برہمن، (۲) کشتریہ، (۳) ویشیہ، اور (۴) شودر۔ ظاہر ہے کہ البیرونی کے اس قول کی بنیاد وہ معلومات ہے جو اس نے سمرتیوں سے حاصل کی کیوں کہ یہ بات طے ہے کہ اس وقت تک ذاتوں کی تقسیم در تقسیم ہوچکی تھی اور مخلوط ذاتیں وجود میں آچکی تھیں۔ یہ بات بعد کی سمرتیوں سے بھی ثابت ہوتی ہے اور کلہن نے ۶۴ چھوٹی چھوٹی ذاتوں کا ذکر

---

[1] ساخاؤ البیرونیز انڈیا، جلد دوسری، ص۱۳۹
[2] راشٹرکوٹاز اینڈ دیر ٹائمز، ص۳۱۸، ص۳۱۹

کیا ہے۔ چھوٹی چھوٹی ذاتیں ناجائز شادیوں، موروثی پیشوں کو چھوڑنے یا نئے پیشے اختیار کرنے کے باعث وجود میں آئیں۔ ان چار خاص ذاتوں کے علاوہ البیرونی نے اچھوتوں کے آٹھ طبقوں نیز ہاڑی، ڈوم (ڈومب)، چانڈال، اور "بدھتاؤ" (ہو بہو جیسے مصنف نے لکھا ہے) کا ذکر کیا ہے۔ آخرالذکر کا شمار کسی ذات میں نہیں کیا جاتا تھا۔ ان کے سپرد گندے کام کیے گئے تھے، اور انھیں شہر یا گاؤں کے باہر رہنا پڑتا تھا۔ ہمارے اس زیر نظر دور میں یہی گویا اچھوت تھے جنھیں سماج باہر کی کوئی چیز سمجھا جاتا تھا۔ البیرونی کہتا ہے کہ چاروں ذاتوں کے لوگ شہروں اور گاؤوں میں اور اپنے رہائشی مکانات میں ایک دوسرے کے ساتھ خوب گھلے ملے رہتے تھے[1] لیکن مختلف ذات کے لوگوں کے لیے ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھانا ممنوع تھا[2]۔ اس قسم کے قیود اس کی سمجھ سے باہر تھے اور وہ بڑے افسوس کے ساتھ لکھتا ہے کہ ذات پات کے بندھن "ہندو مسلمانوں میں میل جول اور یگانگت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں[3]"۔ اس لیے سماجی اعتبار سے ہندو اور مسلمان کم از کم البیرونی کے وقت تک ایک دوسرے کے قریب نہ آسکے۔ یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ نومسلم اپنا مذہب چھوڑ کر پھر ہندو مذہب اختیار کرسکتے تھے۔ دیول جو مسلمانوں کی فتح سندھ کے بعد لکھ رہا ہے، ان لوگوں کو معافی دیتا ہے جنھوں نے گزشتہ بیس سال میں زبردستی اسلام قبول کر لیا تھا۔ اسی طرح برہ دیام نے اس مقصد سے ایسے لوگوں کے لیے کچھ پرائشچت مقرر کردیے تھے۔ البلاذری (وفات ۹۹۲-۹۹۳ء) بھی متاسف ہے کہ "اہل ہند، سوائے اہل کتہ کے سب بت پرستی کی طرف مائل ہیں[4]۔" العطبی نے بھی ایک ہندوستانی راجہ، نواسہ شاہ کا ذکر کیا ہے جس نے اسلام قبول کرلیا تھا اور بعد میں "اپنے گلے سے مذہب کی رسی کا مضبوط پھندا نکال کر پھینک دینے کے بارے میں اس نے بت پرستی کے سربراہوں سے تبادلۂ خیال کیا[5]۔"

---

[1] سخاؤ البیرونیز انڈیا، جلد ۱۔ ص۱۰۱

[2] ایضاً، ص۱۰۲

[3] ایضاً، ص۲۲

[4] ایلیٹ، ہسٹری آف انڈیا، جلد ایک، ص۱۶

[5] ایلیٹ، ہسٹری آف انڈیا، جلد ۲، ص۳۲، ص۳۳

ہندوؤں میں برہمنوں کا اقتدار مکمل طور پر تسلیم کیا جا چکا تھا۔ وہ اپنے گوتروں اور پروروں سے پہچانے جاتے تھے، حالاں کہ آج کل کی طرح خاندانی ناموں کا استعمال بھی رفتہ رفتہ رواج پاتا جا رہا تھا۔ ناموں پر صوبائی چھاپ ابھی نہیں لگی تھی۔ بہر حال ایک کتبہ میں وقف نامہ کا مصنف اپنے کو "ناگر گیا تپیہ براہمن" کہتا ہے[1]۔ دوسری ذاتوں کے لوگ بھی برہمنوں کی عزت کرتے تھے اور انھیں دان دیتے اور ان کا احترام کرتے تھے۔ المسعودی اور الادریسی نے لکھا ہے کہ برہمن گوشت سے پرہیز کرتے اور نیکی اور جفاکشی کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ ابن خرداذبہ کا بھی یہی بیان ہے کہ برہمن شراب نہیں پیتے تھے اور مسکرات سے پرہیز کرتے تھے۔ وہ یوگ کی مشق کرتے تھے[2] اور ویدوں کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ویدوں کو وہ قلم بند نہیں کرنے دیتے تھے، بلکہ انھیں زبانی یاد کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ اٹھارہ پرانوں، سمرتیوں اور سانکھیہ، نیائے ویشیشک، می مانسا وغیرہ فلسفیانہ رسالوں، رزمیہ نظموں اور دوسرے باقاعدہ علوم مثلاً قواعد، عروض، ہیئت، جیوتش، ریاضیات اور طب وغیرہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے[3] المختصر انھیں علم و فضل کا مخزن مانا جاتا تھا۔ برہمن ویدوں کی تعلیم چھتریوں کو دیتے تھے۔ "چھتری ویدوں کو خود پڑھ سکتے تھے، لیکن کسی کو پڑھا نہیں سکتے تھے، یہاں تک کہ برہمنوں کو بھی نہیں۔" ویشیوں اور شودروں کے متعلق البیرونی کہتا ہے کہ "خود پڑھنے پڑھانے کا تو ذکر ہی کیا انھیں ویدوں کو سننے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ اگر کسی ایک کے خلاف بھی یہ بات ثابت ہو جاتی تو برہمن اُسے عدالت میں پیش کر دیتے اور اُسے سزا دی جاتی اور اس کی زبان قطع کر لی جاتی تھی[4]" یہ سب تکلیف دہ امتیازات اور پابندیاں اس وقت کے سماج پر ایک بدنما داغ تھیں۔ اس وقت کے مخصوص عوام میں عوام کا جوش و خروش یقیناً سرد پڑ گیا ہوگا، اس لیے کوئی تعجب نہیں کہ مسلم حملہ آور جو آفاقی برادری کا پیغام اپنے ساتھ لائے تھے، ہندوؤں کی کثرت تعداد کے باوجود ہندوستان میں اپنے جھنڈے گاڑنے میں کامیاب ہو گئے۔

---

1. اپی گرافیہ انڈیکا، تیسرا، ص ۲۴۳
2. انڈین اینٹی کوئریز، چودھواں، ص ۱۷۴، ص ۱۸۵
3. زخاؤ البیرونیز انڈیا، جلد ایک، ص ۱۳۰، ص ۱۳۹
4. ایضاً ایک، ص ۱۲۵، دوسرا، ص ۱۳۶

ذات پات کے انتشار کو ازدواجی رشتوں میں بھی دخل تھا اور مختلف ذاتوں میں باہمی شادیوں کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔ البیرونی لکھتا ہے کہ حالاں کہ انولوم[1] شادیوں کی اجازت تھی، پھر بھی برہمن اس کے زمانے میں اپنی ذات کے باہر کسی عورت سے کبھی شادی نہیں کرتے تھے[2] اس کے برخلاف ابنِ خردازبہ مغربی ہندوستان کے بارے میں ہمیں بتاتا ہے کہ برہمن (برہمن) کشتریوں (کشتریوں) کی لڑکیوں کو زوجیت میں لے لیتے ہیں۔ تاریخ نے اس قسم کی بعض شادیوں کو اپنے دامن میں محفوظ کرلیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ راج شیکھرنے (نویں صدی کے اواخر اور دسویں صدی کے ربع اول میں) اونتی سندری نام کی ایک کشتری خاتون سے شادی کی جو چاہ مان قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی۔ اسی طرح کشمیر کے ایک راجہ سنگرام راج نے اپنی بہن کو ایک برہمن کے ساتھ بیاہ دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاہی خاندانوں میں دوسری ذات میں شادیاں ممنوع نہیں تھیں، کیوں کہ گووند چندر گاہڑوال کے متعلق ہم جانتے ہیں کہ اس نے کمار دیوی کو اپنی زوجیت میں لے لیا جو بدھ مذہب کی جوشیلی پیرو تھی۔ اس دور میں کمسنی کی شادی کا بھی رواج تھا۔ چناں چہ البیرونی کہتا ہے: "ہندو بہت کم عمر میں شادی کرتے ہیں، چناں چہ اولاد کی شادی والدین ہی کرتے ہیں[3]" بالائی درس ° پھر بھی کئی کئی بیویاں رکھتے تھے اور طلاق کو ناپسند کیا جاتا تھا۔ اگر کسی عورت کا شوہر مرجاتا تو وہ دوسری شادی نہیں کرسکتی تھی۔ اسے یا تو عمر بھر بیوہ رہنا پڑتا تھا یا ستی ہونا پڑتا تھا۔ کشمیر میں یہ رسم عام تھی۔ دکن میں اس کا رواج نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ستی کی رسم اس وقت صرف شاہی خاندانوں تک محدود تھی اور عوام میں نہیں پھیلی تھی۔ بعد میں عوام نے بھی اسے اختیار کرلیا۔ اس قیاس کے لیے بھی کافی گنجائش موجود ہے کہ پردہ کا رواج عام نہیں ہوا تھا۔ ابوزید لکھتا ہے — ہندوستان کے بہت سے راجہ جب دربار کرتے ہیں تو اپنی عورتوں کو باہر آنے دیتے ہیں۔ دیسی لوگ ہوں یا غیر ملکی، سب انھیں دیکھ سکتے ہیں اور وہ دربار میں شرکت کرتی ہیں۔ غیروں سے منہ چھپانے کے لیے وہ برقع وغیرہ استعمال نہیں کرتیں[4]۔" عورتوں کی سماجی حیثیت

---

[1] اونچی ذات والے کی نیچی ذات والے کے ساتھ شادی (مترجم)

[2] زخاؤ، البیرونیز انڈیا، جلد دو، ص۱۵۶

[3] زخاؤ، البیرونیز انڈیا، جلد دو، ص۱۵۴

[4] الیٹ، ہسٹری آف انڈیا، اول، ص۱۱

عام طور پر پست نہیں تھی۔ بعض عورتیں اپنی علمی صلاحیتوں کی وجہ سے ممتاز مقام حاصل کر لیتی تھیں۔ راج شیکھر نے شاعرہ عورتوں کا ذکر کیا ہے۔ اس کی اپنی بیوی اونتی سندری بڑی صلاحیتوں والی عورت تھی۔ کہتے ہیں کہ مَنڈن مِشر کی بیوی نے اپنی غیر معمولی قابلیت سے شنکر آچاریہ جیسی عظیم شخصیت کے چھکے چھڑا دیے تھے۔ لیلاوتی ریاضیات میں زبردست مہارت رکھتی تھی۔ ہمارے اس دور کو کشمیر کی دِدّا (تقریباً ۹۸۰-۱۰۰۳ء) اور کاکتیہ رانی، رودرآمبا (تقریباً ۱۲۶۱-۱۲۹۰ء) جیسی عظیم حکمراں خواتین کو جنم دینے کا بھی افتخار حاصل ہے۔ مغربی چالکیوں کے کتبوں میں گورنر رانیوں کے حوالے بھی ملتے ہیں۔ چناں چہ سومیشور اول آہومل کی ایک بیوی، مَیلا دیوی ۱۰۵۳ء میں بنواسی کے صوبے کی حاکم تھی۔ اسی طرح وکرمادتیہ ششم کی اگرمہشی لکشمی دیوی کے ذمے ۱۰۹۵ء میں ۱۸ اگرہاروں کی نگرانی تھی۔ اگر ہم وکرمادتیہ ششم تقریباً (۱۰۷۶-۱۱۲۶ء) کے ایک متوسل اور مِتاکشرا کے مصنف وِگیانیشور کی شہادت کو تسلیم کریں تو ماننا پڑے گا کہ سماج کے ایک ناپسندیدہ پہلو یعنی غلامی کا وجود بھی پایا جاتا تھا۔ وِگیانیشور نے پندرہ قسم کے غلاموں کا ذکر کیا ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ اپنی آزادی کس طرح خرید سکتے تھے۔ ہندوؤں میں وارانسی (بنارس)، متھرا، پُکر (پُشکر) وغیرہ جیسے مقدس مقامات (تیرتھوں) کی یاترائیں کرنے کا رواج اس وقت عام تھا۔ سال کے بعض مقررہ دنوں میں تیوہار منائے جاتے تھے اور ثواب حاصل کرنے کے خیال سے روزے (وُرت) رکھے جاتے تھے اس طرح ہمارے اس دور میں بعض ایسے رواج پائے جاتے تھے جنھوں نے ہندو سماج میں آگے چل کر کافی زور پکڑ لیا۔

فصل (۴)

انتظامِ حکومت اور اقتصادی حالت

عوام کی مذہبی اور سماجی زندگی کی ایک دھندلی سی تصویر دیکھنے کے بعد اب ہمیں اس طرزِ حکومت کا جائزہ لینا چاہیے جس کے ماتحت وہ زندگی گزارتے تھے۔ پہلی قابل ذکر بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ اس دور میں جتنی حکومتیں قائم ہوئیں وہ سب کی سب خاصی منظم تھیں۔ یہ حقیقت اس بات سے واضح ہو جاتی ہے کہ گدّی کے لیے جھگڑوں یا

تھوڑے وقفوں کے بعد پے در پے لڑائیوں کے باوجود پالوں، چولوں اور مشرقی چالکیوں کا راج لگ بھگ چار صدی تک اور پرتی ہاروں، راشٹرکوٹوں، اور مغربی چالکیوں کا راج دو صدی سے کچھ زیادہ مدت تک باقی رہا۔ اس زمانے میں آمد و رفت کے وسائل کم بھی تھے اور سست بھی، لیکن اس کے باوجود یہ بات حیرت انگیز ہے کہ ان خاندانوں نے اتنے طویل عرصے تک اس قدر دور دراز علاقوں پر اپنی حکومت جمائے رکھی۔ نظام حکومت کے تمام کل پرزے تمام حکومتوں کے ایک ہی جیسے تھے، سوائے اس کے کہ زمانے کے اعتبار سے، نیز مقامی حالات کے مطابق کہیں کہیں ان کل پرزوں کی ساخت میں تھوڑا بہت فرق آجاتا تھا۔ عہدہ داروں کے نام تو ضرور بدل جاتے تھے لیکن ان کے اختیارات و فرائض میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تھی۔ انتظامی سہولت کے لیے ریاست (راجیہ) کو پہلے کی طرح متعدد صوبوں (بھکتی، بھوگ، منڈل، یا جسے جنوب میں منڈلم کہتے تھے) میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ صوبوں کی تقسیم در تقسیم اپنی جگہ علیحدہ ہوتی تھی جو وشیہ یا بھوگ، یا جنوبی ہند میں کوٹّم یا وَل ناڈو کہلاتے تھے۔ دوسری اس سے چھوٹی انتظامی اکائی ضلع ہوتا تھا (ادھشٹھان یا پتن، جسے جنوب میں ناڈو کہتے تھے) جس میں کئی کئی گاؤں (پتّل یا اگرہار، یعنی موجودہ تحصیل جس کے لیے جنوبی ہند کے کتبوں میں کرّم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے) شامل ہوتے تھے۔ سب سے چھوٹی انتظامی اکائی گاؤں (گرام یا گرامم) ہوتا تھا۔ حکومت کا انتظام چلانے کے لیے بہت سے اعلیٰ یا ادنیٰ قسم کے صوبائی اور مقامی عہدے دار ہوتے تھے۔ بعض اوقات فوجی اور غیر فوجی افسروں میں امتیاز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس مقام پر ان تمام افسروں کی تفصیل بیان کرنا مناسب نہیں ہے اس لیے ہم صرف اس عہد کے طرز حکومت کی خاص خاص باتوں کی طرف اشارہ کریں گے۔ پہلی قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس دور میں غیر شخصی حکومتوں کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں پایا جاتا تھا۔ اس قسم کے خود اختیاری یا چند سری نظام رکھنے والے قبیلوں کی آخری جھلک ہمیں سمدرگپت کے الہ آباد والے ستونی کتبے میں دکھائی دیتی ہے۔ اب یہ چیزیں قصۂ پارینہ بن گئی تھیں اور شخصی حکومتوں کے سیلاب میں غرقاب ہو چکی تھیں۔[1] شخصی حکومت موروثی ہوتی تھی، اس میں حکمراں

---

[1] یہ بات قابل غور ہے کہ جنوبی ہندوستان کی عہد قدیم کی دستاویزات میں بھی اس قسم کی غیر شخصی حکومتوں کے حوالے کہیں نہیں ملتے۔

کے انتخاب کا سوال نہیں تھا۔ واقعتاً ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ آٹھویں صدی کے وسط میں اہل بنگال نے تمام دیش میں پھیلی ہوئی طوائف الملوکی سے تنگ آکر گوپال کو راجہ چن لیا۔ اسی طرح ۹۳۹ء میں شوز ورمن کے انتقال کے بعد برہمنوں کی ایک جماعت نے یشسکر کو کشمیر کا راجہ منتخب کرلیا۔ لیکن یہ مستثنیات ہیں اور ان سے اصول باطل نہیں ہو جاتا۔ عام طور پر سب سے بڑا بیٹا باپ کی گدی پر بیٹھتا تھا۔ باپ اپنی زندگی ہی میں بیٹے کو یو راج نامزد کرنے کی رسوم باقاعدہ انجام دیتا تھا۔ بہرحال اگر چھوٹا بیٹا زیادہ اہل ہوتا تو بڑے بیٹے کو اس کے حق سے محروم کردیا جاتا تھا، جیسا کہ اس وقت ہوا جب ڈھرو ونرو پم نے اِستمب (کمبھ) کی بجائے گووند سوم کو گدی کے لیے نامزد کیا۔ اس قسم کی ترجیحات کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ بھائیوں کے درمیان جنگ چھڑ جاتی تھی۔ بعض اوقات سوتیلے بھائی، مثلاً بھوج دوم اور مہی پال گدی کے لیے ایک دوسرے سے لڑنے لگتے تھے۔ اگر راجہ نابالغ ہوتا تو کوئی قریبی رشتہ دار ولی کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ ایسے حالات میں اکثر و بیشتر درباری ریشہ دوانیاں شروع ہو جاتی تھیں اور ملک میں گڑبڑ پھیل جاتی تھی۔ اس عہد میں شاہی خاندان کے افراد شان و شوکت کی زندگی گزارتے تھے اور ان کی استبدادیت ایک مسلّم حقیقت تھی؛ اور اگرچہ کہیں کہیں منتریوں اور اماتیوں (وزیروں اور مشیروں) کا ذکر سننے میں آتا ہے، لیکن راجہ کو مشورہ دینے اور اس کی مطلق العنانی پر پابندی لگانے کے لیے اگلے وقتوں کی طرح کوئی باقاعدہ منتری پریشد نہیں ہوتا تھا۔ دراصل ہمارے اس دور کی دستاویزات میں راجہ کے کسی نئی مہم کا آغاز کرنے سے پہلے اپنے وزیروں سے مشورہ کرنے کا ذکر بہت کم ملتا ہے۔ وزرا اپنے عہدے کو برقرار رکھنے کے لیے جو انھیں اعلیٰ نسبی کی بنیاد پر تفویض ہوتا تھا، نیز اپنے کلیتاً با اختیار آقاؤں کی خوشنودیٔ مزاج حاصل کرنے کی غرض سے ان کی ہاں میں ہاں ملانے کو عین مصلحت سمجھتے تھے۔ کلہن نے تاریخ کشمیر میں ایسی ایسی بہت سی کٹھ پتلیوں کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن ایسے وزرا کی مثالیں بھی ناپید نہیں ہیں جن کی دانشوری دیانت داری اور جاں نثاری کی بدولت راجہ ان کی عزت کرتے تھے۔ چناں چہ ایک کتبے میں یادو حکمراں اکرشن نے اپنے وزرا کو اپنی زبان اور اپنا دستِ راست کہا ہے[1]

نظامِ حکومت کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس میں جاگیردار (سامنت یا مہا سامنت)

---

[1] انڈین اینٹی کوئریز، چودھواں، ص ۱۹۰

ہوتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ان کا وجود بہت پرانے زمانے سے پایا جاتا تھا کیوں کہ فاتحین اکثر منو یا کوٹلیہ کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق مفتوحہ علاقوں کو سلطنت میں شامل نہ کرنے کی پالیسی پر عمل کرتے تھے۔ نویں صدی کے وسط میں سلیمان لکھتا ہے۔ "ہندوستان میں جب کوئی راجہ کسی پڑوسی ریاست کو فتح کرتا ہے تو اس کے انتظام کے لیے وہ ہارے ہوئے راجہ کے خاندان میں سے کسی کو تعینات کر دیتا ہے جو فاتح کی طرف سے وہاں کی حکومت کا کام چلاتا ہے۔ اہل ریاست خود اس کے علاوہ کوئی بات گوارا نہیں کرتے۔"[1] یہ بھی واقعہ ہے کہ توسیع سلطنت کی خواہش مند طاقتوں نے وقتاً فوقتاً مفتوحہ علاقوں کو سلطنت میں شامل کرنے اور ان کا انتظام شاہی خاندان کے افراد کے ساتھ کرنے کی کوششیں کیں۔ چناں چہ راشٹرکوٹوں نے گنگ واڑی کو، اور کرشن سوم کے عہد میں تونڈ منڈلم کو ضم کرنے کی کوشش کی۔ اسی طرح کیرل نے بھی کیرل اور پانڈیہ دیش کے معاملے میں یہی پالیسی اختیار کی۔ لیکن ان تمام کوششوں میں کامیابی ناپائیدار ثابت ہوئی۔ تمام جاگیردار اپنے فرماں رواکے حاضر باش تھے اور فوجی مہموں میں راجہ کی امداد کیا کرتے تھے۔ کناری کا شاعر پمپ ہمیں بتاتا ہے کہ نرسنگھ چالکیہ شمالی مہموں میں اپنے سردار اعلیٰ اندر سوم کے ہمرکاب تھا۔ اسی طرح پالوں، پرتی ہاروں اور دوسرے حکمراں خاندانوں کے کتبوں میں ایسے بے شمار جاگیرداروں کا ذکر موجود ہے جنھوں نے اپنے آقاؤں کی طرف سے ان کی لڑائیوں میں شرکت کی۔ اس مقصد کے لیے وہ اپنے یہاں تھوڑی بہت فوج بھی رکھتے تھے۔ چولوں کے پاس تو ایک بہت اچھا بری اور بحری لشکر تھا۔ لیکن دوسری بڑی بڑی طاقتیں، خاص کر شمالی ہند کی طاقتیں، خود اپنی باقاعدہ فوجوں کی طرف سے غافل ہو جاتیں اور ان کی قوت اور صلاحیت میں کمی آجاتی۔ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت ایک قسم کے جاگیردارانہ نظام کی تشکیل ہو رہی تھی جو آگے چل کر ایک لعنت بن گیا۔ اس نظام نے اقتدار اعلیٰ کو کمزور کر دیا یا کہیں بالکل ختم کر کے رکھ دیا۔

جنوبی ہندوستان کے کتبے ہمارے اس دور میں پائی جانے والی گرام سبھاؤں کے وجود اور کارکردگی پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔ پلّو کتبوں میں اگرچہ ان سبھاؤں کا ذکر ذرا بعد کے زمانے

---

[1] نئے علاقوں کو سلطنت میں شامل نہ کرنے کی پالیسی سے مرکزی حکومت میں کمزوری آتی تھی، کیوں کہ سرکش جاگیردار ہمیشہ علم بغاوت بلند کرنے کی خواہش میں رہتے تھے۔

مین آتا ہے، لیکن چولوں کے یہاں یہ سبھائیں انفرادی خصوصیت رکھتی تھیں۔ بدقسمتی سے شمالی ہند کے کتبوں میں بہرحال ان کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس مقام پر ضروری نہیں کہ جنوبی ہندوستان کی ان گرام سبھاؤں یا مہاسبھاؤں کے اختیارات و فرائض کی تفصیلات بیان کی جائیں، بس تنا کہہ دینا کافی ہے کہ اگرچہ عام نگرانی شاہی افسران کی رہتی تھی، پھر بھی گاؤں کے تمام انتظامی معاملات میں یہ سبھائیں پوری طرح با اختیار ہوتی تھیں۔ انتظام میں باقاعدگی پیدا کرنے کی غرض سے سبھا کو چھوٹی چھوٹی کئی کمیٹیوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اپنے مقام پر الگ الگ مندروں، تالابوں، اشنان گرہوں، باغوں یا کھیتوں وغیرہ کی دیکھ بھال اور اصلاح کی ذمہ دار ہوتی تھیں۔ ان جماعتوں کے چناؤ کے لیے بڑے واضح اصول مقرر تھے۔ اراکین کا انتخاب صرف ایک سال کے لیے عمل میں آتا تھا۔ رکنیت کے لیے کسی شخص کی اہلیت یا نااہلی کا تعین کرنے کی غرض سے کچھ مخصوص صلاحیتوں — مثلاً کردار، علم و فضل، سماجی حیثیت وغیرہ — کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔

امن و امان قائم رکھنا ریاست کا بنیادی فرض ہوتا ہے، چناں چہ اس قیاس کے لیے ہمارے پاس کافی گنجائش موجود ہے کہ حکمراں اپنے خارجی تعلقات میں کتنے ہی جارحانہ اقدامات کرتے ہوں، لیکن وہ اپنی ریاست کے اندر امن و امان قائم رکھنے کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ راجہ بھوج پرتی ہار کی سلطنت کے بارے میں سلیمان (۸۵۱ء) لکھتا ہے — "ہندوستان میں کوئی علاقہ ڈاکوؤں سے اس سے زیادہ محفوظ نہیں ہے۔" یہ گویا پرتی ہار راجہ کے انتظام حکومت کی انتہائی تعریف ہے کیوں کہ دو صدی پہلے جب یوآن چوانگ، ہرش کے زمانے میں اس علاقے سے گزرا تھا تو ڈاکوؤں نے اُسے کافی پریشان کیا تھا۔

ریاست عوام کی خوش حالی کا بھی خیال رکھتی تھی اور رفاہ عام کے کام انجام دیتی تھی۔ چولوں نے لمبی چوڑی شاہراہیں تعمیر کرائیں جنھوں نے فوجوں کی نقل و حرکت میں آسانیوں کے علاوہ تجارت اور رسل و رسائل میں بے پناہ سہولتیں بہم پہنچا دیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے کنوئیں کھدوائے، تالاب بنوائے اور کاویری پر عظیم الشان ڈیم تعمیر کرائے۔ نیز کاشتکاروں کی آبپاشی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے نہریں کھدوائیں۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے راجیندر اول نے بھی اپنی راجدھانی گنگئے کونڈ چول پرم کے قریب ایک مصنوعی جھیل کھدوائی جو دریائے کولیرن اور ویلر کے پانی سے بھری جاتی تھی۔ اسی طرح چندیلوں اور

پرماروں نے متعدد جھیلیں الیی تعمیر کرائیں جن پر پشتے بنائے گئے تھے جیسے مھوبا میں مدن ساگر اور دھر میں منج ساگر۔ کشمیر میں اونتی ورمن کے وزیر سُیّہ (تقریباً ۸۵۵-۸۸۳ء) نے آبپاشی کے لیے نہریں کھدوائیں، یہاں تک کہ اس نے سیلابوں کی روک تھام کے لیے دریائے وِتَسۡتَ (جہلم) کے بہاؤ کا رُخ بدل دیا اور اس طرح بڑے بڑے دلدلی علاقوں کو قابلِ کاشت بنا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کشمیر میں لوگ اقتصادی طور پر زیادہ خوش حال ہوگئے کیوں کہ چاول کی ایک کھاری جس کی قیمت پہلے ۲۰۰ دینار ہوا کرتی تھی، اب ۳۶ دینار میں ملنے لگی۔ یہ تمام رفاہِ عامہ کے کام ظاہر کرتے ہیں کہ اس دور میں حکمراں فوجی ترنگ میں محض اپنی من مانی ہی نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی بھولی بھالی رعایا کی فلاح و بہبود بھی ہمیشہ پیشِ نظر رکھتے تھے۔

حکومت کا استحکام اور افادیت ایک باقاعدہ نظامِ محصولات پر منحصر تھی۔ شمالی ہندوستان اور جنوبی ہندوستان دونوں جگہ کے کتبوں میں ہم کئی طرح کے محصولوں کا ذکر دیکھتے ہیں جن میں سے کچھ پابندی کے ساتھ، اور کچھ کبھی کبھار اتفاقیہ طور پر وصول کیے جاتے تھے۔ ان محاصل کی جامعیت غمازی کرتی ہے کہ حکومت نے آمدنی کے تصور میں آنے والے قریب قریب تمام ذرائع کو اچھی طرح کھکوڑ لیا تھا۔ ان بے شمار ٹیکسوں، چندوں اور جرمانوں کو ادا کرنے کی صلاحیت لوگوں کی اقتصادی حالت پر بالواسطہ روشنی ڈالتی ہے۔ درحقیقت مالیات کا سب سے بڑا سہارا زمین پر لگان تھا، جس میں غالباً قسمِ زمین، آبپاشی کی سہولتوں اور ریاست کی مخصوص ضروریات کے اعتبار سے کمی بیشی پائی جاتی تھی۔[1] لگان عام طور سے جنس میں ادا کیا جاتا تھا، لیکن بعض اوقات جزوی طور پر نقدی کی صورت میں بھی وصول کیا جا سکتا تھا، اور اس کے لیے قسطیں مقرر کردی جاتی تھیں۔ راجراجیشور مندر کے کتبوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تامِلکم میں لگان چاول کی صورت میں وصول کیا جاتا تھا۔ وقتاً فوقتاً بڑی احتیاط کے ساتھ زمین کی پیمائش کرائی جاتی تھی اور زمین کے تمام پٹوں کا اندراج کر لیا جاتا تھا۔ چولا ریاست میں یہ اہتمام خاص طور پر ہوتا تھا۔ ریاست کی آمدنی کا ایک ذریعہ تجارت بھی تھا۔ دور سمندر پار کے تجارتی تعلقات

---

[1] لگان کے سلسلے میں جو لفظ भाग استعمال کیا گیا ہے اس کے لغوی معنی ہرگز نہیں لینے چاہئیں۔ عملاً یہ ہوتا تھا کہ راجا اپنی رعایا کو خواہ مخواہ ستائے بغیر اتنا لگان وصول کر لیتا تھا جتنی اس کو ضرورت ہوتی؛

کے سلسلے میں چولوں کا جہازی بیڑا بہت مدد دیتا تھا۔ ریاست کی آمدنی کے دیگر ذرائع بھی تھے مثلاً — بنجر زمینیں، درخت، کانیں، نمک، زمین سے برآمد شدہ دفینے وغیرہ — ریاست کے نزدیک بیگار لینا جائز تھا۔ اقتصادی زندگی کی تنظیم، پیشوں کی بنیاد پر ہوتی تھی۔ ایک ہی پیشہ اختیار کرنے والے لوگ اپنے کاروبار میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لیے اپنی الگ الگ تجارتی انجمنیں بنا لیتے تھے۔ ہمارے اس عہد کے کتبوں میں اس قسم کی انجمنوں کے جا بجا حوالے آتے ہیں۔ ہر انجمن کا ایک چودھری ہوتا تھا اور انجمن کے اراکین مجموعی طور پر مندروں وغیرہ کو عطیات دیتے تھے۔ یہی انجمنیں بعض اوقات بنک کا کام بھی انجام دیتی تھیں اور ان کے پاس روپیہ جمع کر دیا جاتا جس پر تھوڑا بہت سود بھی ادا کیا جاتا تھا۔ اپنے اندرونی انتظام میں وہ آزاد تھیں اور ریاست ان کے معاملات میں بہت کم دخل دیتی تھیں۔ ان کے ذریعہ سماجی تنظیم تو ہوتی ہی تھی، لیکن اس کے علاوہ چوں کہ وہ قانونی پابندی کا جذبہ پیدا کرتی تھیں اس لیے ریاست کے لیے ان کا وجود انتہائی مفید تھا۔

فصل (۵)

ادب اور فن

ہمارے اس دور میں ادب کے میدان میں بھی کافی ترقی ہوئی۔ یہ ادب بہر حال معیاری نہیں تھا۔ بے شمار حکمراں ایسے تھے جو شائستہ ادب کے نہ صرف سرپرست تھے، بلکہ شعر و شاعری میں خود بھی مہارتِ تام رکھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ صاحبِ قلم بھی تھے اور صاحبِ سیف بھی چناں چہ ہرکیلیٔ ناٹک جس کے بعض اجزا اجمیر میں پائی گئی ایک پتھر کی سِل پر کندہ دستیاب ہوئے ہیں، وگرہ راج وِیسَل دیو چاہمان سے منسوب ہے۔ وَلّال سین نے دان ساگر اور ادبھوت ساگر کی تدوین کی اور اس کا جو نامکمل حصّہ تھا اُسے لکشمن سین نے مکمل کیا۔ واک پتی مُنج کو اعلیٰ درجے کے شاعر کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور بھوج پرمار اعظم مختلف موضوعات — مثلاً طب، ہیئت، مذہب، قواعد، تعمیرات، شعریات، فرہنگ نویسی، فنون وغیرہ پر تقریباً دو درجن کتابوں کا نام نہاد مصنف ہے۔ اس سے منسوب چند کتابوں کے نام ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ — آیورویدسروَسُو

راج مرگانک، ودیودھار، سمچھیہ، شبد انوشاسن، سمرانگن سوتر دھار، سرس وتی کنٹھا بھرن، نام مالکا، یکتی کل پترو، وغیرہ۔ اموگھ ورش اول راشٹرکوٹ نے کوی راج مارگ، جو کناڑی زبان میں شعریات کے موضوع پر تصنیف ہے، اور پرشنوتر مالکا لکھیں۔ آخر الذکر کو بہر حال بعض لوگوں نے شنکر آچاریہ یا وِمل نامی شخص سے منسوب کیا ہے۔ مان سولاس جس میں مختلف قسم کے موضوعات سے بحث کی گئی ہے، ۱ مغربی چالکیہ سومیشور سوم (تقریباً ۱۱۲۶۔ ۱۱۳۸ ء) کی تالیف ہے۔ مشرقی چالکیہ وشنو آدتیہ سوم گند نے ریاضیات کی توسیع و ترقی میں کد و کاوش کی۔ گنگ اور پلو فرمان رواؤں میں بھی کئی راجہ صاحب تصنیف ہوئے۔ بہر حال یہ بھی ممکن ہے کہ بعض راجاؤں کو جن کے نام اوپر دیے گئے، ان تصنیفات کے سلسلے میں ان کے درباری ادیبوں اور عالموں نے مدد دی ہو۔ راجہ، دانش وروں اور ادیبوں کی ہمت افزائی کرتے تھے جنہوں نے اپنی محنت و جاں فشانی سے اپنے زمانے کے علم و ادب کو مالا مال کر دیا۔ ذیل میں نمونے کے لیے ایک گوشوارے کے ذریعہ ان تمام تصنیفات کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔

سنسکرت

	نام صاحب تصنیف	نام تصنیف
شاعری	کوی راج	راگھو پانڈویہ
	جن سین	پارشو ابھیودیہ کاویہ
	شری ہرش	نیشدھ چرت
	منکھ	شری کنٹھ چرت
	جے دیو	گیت گووند
	دھوئیک	پون دوت
	سندھیاکر نندی	رام چرت
	بلہن	وکرمانک دیو چرت
	پدم گپت	نوساہسانک چرت
	ہیم چند	دواشریہ کاویہ
	سوم دیو	کیرتی کومدی

شاعری	نام صاحبِ تصنیف	نام تصنیف
	جیانک	پرتھوی راج وجے
	کلہن	راج ترنگنی

یہ بات قابلِ غور ہے کہ ان میں سے آخرالذکر سات کتابیں تاریخی اہمیت بھی رکھتی ہیں
۱۰۳۷ء میں کشیمندر نے برہت کتھا منجری پیش کی۔ یہ گناڈھیہ کی پیشاچی برہت کتھا کا سنسکرت نثر میں ترجمہ تھا۔ اسی کو سوم دیو نے گیارھویں صدی کے ربع سوم میں کتھا سرت ساگر کا روپ دیا۔

شعریات	نام صاحبِ تصنیف	نام تصنیف
	راج شیکھر	کاویہ می مانسا
	آنند وردھن	دھون والوک
	ممٹ	کاویہ پرکاش
	دھننجیہ	دش روپ
	دھنک	دش روپا ولوک
	بھوج	سرس وتی کنٹھ بھرن
	ہیم چندر	کاویانوشاسن
	ودیہ ناتھ	پرتاپ رودریہ
ناٹک	بھو بھوتی	مالتی مادھو، مہاویر چرت، اُتر رام چرت
	راج شیکھر	بال رامائن، بال بھارت، ودھ سال بھانجکا
	دمودر	ہنومن ناٹک
	کرشن مشر	پربودھ چندرودیہ
	سوم دیو	للت وگرہ راج
لغت	ہلایدھ	ابھی دھان رتن مالا
	ہیم چندر	ابھی دھان چنتامنی

لغت	نام صاحب تصنیف	نام تصنیف
	یادو بھٹ	ویجینتی کوش
	مہیشور	وشو پرکاش
فلسفہ	کمارل	تین حصوں میں شرح — شلوک وارتک، تنتر وارتک، اور ٹپ ٹیکا
	منڈن مشر	ومان سالو، کرمی، ودھی وویک
	واچس پتی مشر	نیائے کنک، تتو بندو، سانکھیہ تتو کومدی
	شنکر آچاریہ	اپنشدوں کی شرحیں — گیتا بھاشیہ، برہم سوتر بھاشیہ اپدیش سہسری، آتم بودھ
	رامانج	برہم سوتر پر شری بھاشیہ، گیتا بھاشیہ، ویدانت سار
	ادین	کسم انجلی
	مدھو آچاریہ	تتو سنکھیان، شار سنگرہ
	ہیم چندر	پرملن می مانسا

مندرجہ بالا کتب کے علاوہ اور بہت سی شرحیں لکھی گئیں اور مذہبی فرقوں کے ادب کی علیحدہ تخلیق ہوئی۔

ہیئت	آریہ بھٹ دوم	آریہ سدھانت
	بھوج	راج مرگانک
	بھاسکر آچاریہ (۱۱۵۰ء)	سدھانت شرومنی

پرتھو دک سوامی نے برہم گپت کی برہم (سپھٹ سدھانت) کی شرح لکھی اور چانگ دیو نے جو سنگھن یادو کے عہد کی شخصیت تھا، پٹنہ (ضلع خاندیش) میں بھاسکر آچاریہ کی سدھانت شرومنی کی تعلیم کے لیے ایک متھ قائم کیا۔

	نام صاحب تصنیف	نام تصنیف
جیوتش	بھٹوتپل	وراہ مہر کی تصانیف پر شرحیں ہورا شاستر
	ہرش کیرتی سوری	جیوتش سارودھار
	شری پتی (۱۰۳۹ء)	رتن مالا
ریاضیات	مہاویر آچاریہ (نویں صدی)	گنت سار سنگرہ
	شری دھر (ولادت ۹۹۱ء)	تری شتی
	بھاسکر آچاریہ	لیلاوتی، بیج گنت
قانون	میدھا تیتھی (نویں صدی)	منوسمرتی کی شرح
	گووند راج (گیارھویں صدی)	
	وگیانیشور (گیارھویں صدی)	متاکشرا (یاگیہ ولکیہ سمرتی کی شرح)
	لکشمی دھر	سمرتی کل پترو
	ہیمادری یا ہیمادی پنت	چترورگ چنتامنی
	ہلایدھ (بارھویں صدی)	براہمن سروسو
سیاسیات	سوم دیو	نیتی واکیامرت
	ہیم چند	لگھو ارہن نیتی
	بھوج	یکتی کل پترو
	چندیشور	نیتی رتناکر
آیوروید	واگ بھٹ	اشٹانگ سنگرہ، اشٹانگ ہردیہ سنگرہ
	مادھوکر	رگ ونشچے
	ورند	سدھ یوگ
	چکر پانی دت (۱۰۶۰ء)	چکت سار سنگرہ
	شارنگ دھر	شارنگ دھر سنہتا
موسیقی	شارنگ دھر	سنگیت رتناکر
قواعد	شکتاین (نویں صدی)	شکتاین ویاکرن
	ہیم چند	ہیم ویاکرن

قواعد	نام صاحب تصنیف	نام تصنیف
	کرم دلیشور (بارھویں صدی)	سنکشپت سار

پراکرت

واک پتی راج	گوڑ وہو
راج شیکھر	کرپور منجری
بھوج	کورم شتک
ہیم چندر	کمار پال چرت (پراکرت دواشریہ کاویہ)
	کمارکاچاریہ کتھا، پربندھ چنتامنی
سوم پربھا	کمار پال پربودھ
دھن پال	بھیس دت کہا، پائے لچھی (کوش)

کناڑی

اموگھ ورش	کوی راج مارگ
پمپ	پمپ بھارت

تامل

جے گوندن	کلنگت تپرنی
ادی یرک کنگر	شلپت دھکارم کی شرح

مندرجہ بالا فہرست محض نمونے کے لیے پیش کی گئی ہے۔ اسے مکمل ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن اس سے یہ ضرور واضح ہو گیا کہ اگرچہ اس ادب کا عہد ضخامت میں زیادہ تھا اور اس کا دائرہ بھی کافی وسیع تھا، پھر بھی زیادہ تر وہ شرحوں اور تلخیصوں وغیرہ پر مشتمل تھا اور اس میں طبعزاد عنصر کا فقدان تھا۔

اس عہد کے جو بے شمار مندر آج باقی رہ گئے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ جہاں تک فن کا تعلق ہے، یہ عہد کافی زرخیز و شاداب تھا۔ ہندوستان میں جتنی عمارتیں بھی اس وقت تک

تعمیر ہوئیں یہ مندر ان میں سب سے زیادہ نفیس و خوش نما ہیں اور ان کی تعمیر میں تنوع پایا جاتا ہے۔ اڑیسہ کے مشہور مندر، خاص کر بھوبنیشور (ضلع پوری) کے مندر "ہند آریائی" طرز کا، جو اس وقت معراجِ کمال پر پہنچ چکا تھا، بہترین نمونہ پیش کرتے ہیں۔ ہر مندر میں ایک وِمان (مینار والا سٹھ)، ایک جگ موہن (جلسہ گاہ)، اور اس کے علاوہ نٹ منڈپ (ناچ گھر)، اور بھوگ منڈپ (رسوئی) ہوتے تھے۔ آخرالذکر دو کا اضافہ غالباً بعد کے زمانے میں کیا گیا۔ اڑیسہ کے مندروں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں آرائش کا بہت خیال رکھا گیا ہے۔ آرائش میں انسانی حیوانی اور نباتی زندگی کے گوناگوں مناظر پیش کیے گئے ہیں۔ بھوبنیشور میں لنگ راج کا سٹھ (گیارھویں صدی) اس خصوصیت کا بہترین نمونہ ہے۔ ان مندروں کی ایک خصوصیت ان کے سر بہ فلک گاؤدُم کلس ہیں جن کے اکھنک میلوں دور تک تمام مناظر پہ چھائے نظر آتے ہیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کونارک کے سوریہ مندر میں غیر ثقہ مناظر کی بھرمار ہے۔ یہ ایک دل چسپ بات ضرور ہے، لیکن اس الوکھی خصوصیت کا اصل محرک کیا تھا یہ ایک زچ کرنے والا مسئلہ ہے۔ ایک دوسرا مقام جہاں اب بھی چند عظیم الشان مندر باقی ہیں بندیلکھنڈ میں کھجوراہو ہے۔ اس کے حسن کو چندیلوں نے چار چاند لگائے۔ کھجوراہو کا کندریہ مہادیو مندر (دسویں اور گیارھویں صدی) "ہند آریائی" طرز کا دوسرا بہترین نمونہ ہے۔ اس کے مجسموں اور زیب و زینت کو دیکھ کر انسان انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ اس عہد میں سرزمین کشمیر پر تعمیر کا ایک جداگانہ طرز نشو و نما پا رہا تھا جو اپنی علیحدہ خصوصیات کا حامل تھا۔ اس کا بہترین نمونہ مارتنڈ مندر ہے جسے للتا دِتیہ مُکتا پیڈ نے آٹھویں صدی کے ربع دوم کے قرب و جوار میں تعمیر کرایا۔ جین مت کے پیرو بھی عظیم معمار تھے۔ جین مندروں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کا گنبد عام طور پر ہشت پہل ہوتا ہے اور ان کے نقش و نگار میں جین دیو مالا کے مناظر پیش کیے گئے ہیں۔ شمالی ہند کے جین مندروں کا طرز "ہند آریائی" ہے اور جنوبی ہند کے مندروں کا دراوڑی۔ جینیوں کی تعمیری سرگرمیوں کا بہترین نمونہ دِل وَڑ (آبو پہاڑ) اور شتْرُنجیہ (پالتانہ) کے مشہور و معروف مندر ہیں۔ آبو پہاڑ پر تیجہ پال، اور وستوپال، وِمل اور اس کے بھائیوں کے بنوائے ہوئے جو مندر ہیں وہ خوب صورت منبت کاری اور خوش نما نقش و نگار کے لیے ممتاز ہیں۔ واتاپی (بادامی) اور پَٹ دَکل (ضلع بیجاپور) کے مندر چالکیہ یا دکنی طرز کے ہیں اور صحیح معنوں میں اس عہد سے تعلق نہیں رکھتے۔ اس طرز کے مندروں میں بڑی آراستہ پیراستہ کرسی ہوتی ہے جس میں پانچ پہلو

ہوتے ہیں اور اس کا نقشہ اکثر ستارہ جیسا ہوتا ہے۔ دکنی طرز غالباً دراوڑی طرز کا مرہون منت ہے، لیکن جیسے جیسے زمانہ گزرا، اس کی اپنی انفرادیت مسلم ہوگئی۔ اس طرز کے بہترین نمونے میسور میں بٹنگ وشنو وردھن (تقریباً ۱۱۱۰ - ۱۱۴۰ء) کے بنوائے ہوئے بیلور کے مندروں میں اور ہوائسل ایشور کے بنوائے ہوئے ہیلی بِڈ کے (بارھویں صدی کا آخر) مندروں میں پائے جاتے ہیں۔ آخرالذکر اگرچہ نا تمام ہے لیکن "شان و شوکت اور آرائش میں ہندوستان کا کوئی دوسرا مندر اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔"[۵۱] دکن کے بعض مندر پہاڑ کو کاٹ کر بنائے گئے ہیں۔ مثال کے لیے اس مقام پر ایلا پور (الورا) کے عظیم الشان شیو مندر کا ذکر کیا جاسکتا ہے جسے کرشن اول راشٹر کوٹ (تقریباً ۷۵۰ - ۷۷۲ء) نے کھدوایا۔ اسے "ہندوستان کے تعمیری دماغ کی حیرت انگیز ترنگ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پلووں نے فن کی زبردست حوصلہ افزائی کی۔ دُلو نور (جنوبی ارکاٹ کا ضلع)، پلاورم، وَلَم (ضلع چنگل پٹ) کے مندر، نیز مالّا پُرم کا دھرم راج رتھ، کانچی کا کیلاش ناتھ رتھ اور سات پگوڈا مندروں کے نمونے کا "شور" (ساحلی) مندر ان کے تعمیری ذوق اور فنی صلاحیتوں کی بہترین یادگار ہے۔ لیکن یہ مندر ہمارے زیر نظر دور سے ذرا پہلے کی تعمیر ہیں۔ پلووں کی تعمیری روایات کو چولوں نے بھی برقرار رکھا اور جنوب میں متعدد عمارتیں تعمیر کرائیں۔

دراوڑی مندروں کی پہچان یہ ہے کہ ان میں چوکھونٹے وِمان، منڈپ اور گوپُرم پائے جاتے ہیں، ہالوں میں بڑے بڑے ستون ہیں، اور آرائش کے لیے روایتی شیر (یالی)، کھنیاں (بریکٹ) اور مرکب ستون استعمال کیے گئے ہیں۔[۵۲] بعد کے زمانے کی عمارتوں میں درمیانی مینار بہت بلندی پر بنے ہوئے منقش گوپُرم (پھاٹکوں) کے مقابلے میں ماند پڑ گئے ہیں۔ تنجور کا شیو مندر دراوڑی فن تعمیر کی بہترین مثال ہے۔ اسے راجراج اول (تقریباً ۹۸۵-۱۰۱۴ء) نے تعمیر کرایا تھا، جو اسی کے نام پر آج تک "راج راجیشور" کہلاتا ہے۔ اس کا بلند وِمان یا مینار ۸۲ مربع فٹ کی کرسی سے پے در پے تیرہ منزلوں میں اوپر اٹھتا ہے۔ اس پر بہت بڑے ٹھوس پتھر کا تاج ہے جس کی اونچائی ۲۵ فٹ اور وزن ۸۰ ٹن ہے۔ ظاہر ہے اسے اپنی جگہ نصب کرنے میں کس قدر محنت کی گئی ہوگی اور انجینیروں نے کتنی قابلیت

---

۵۱ اینٹی کوئٹیز آف انڈیا، صفحہ ۲۴۴، صفحہ ۲۴۵

۵۲ ایضاً، صفحہ ۲۴۲

صرف کی ہوگی، اس کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ دیگر قابلِ ذکر چول مندروں میں تنجور، کل ہستی اور گنگئی کونڈ چول پرم کے مندر ہیں۔ چولوں نے سانچے میں ڈھالنے کے فن کی بھی حوصلہ افزائی کی۔ ان کے زمانے میں پتھر اور دھات کے مجسموں میں شان، لطافت اور وقار پایا جاتا ہے۔ اس طرح ہمارے ملک کی سب سے خوب صورت یادگاریں جو دست بردِ زمانہ سے محفوظ رہ گئی ہیں ہمارے اسی دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کے معماروں کی کاری گری واقعی قابلِ داد ہے۔

فرہنگ مصطلحات

Abacus.	سنگ تراش
Absolutism.	مطلق العنانیت
Alderman.	میر بلدہ
Alexandrum.	سکندری
Allegory.	مجازی تمثیل
Ally.	حلیف
Anarchy.	طوائف الملوکی
Anthropology.	بشریات
Archaeological	اثری
Archives.	محافظ خانہ
Astronomy.	ہیئت
Autonomous	خود اختیار
Bardic poetry.	مغنیانہ شاعری
Bureaucracy.	عمال حکومت
Capital.	تاج
Canonical Sanction.	شرعاً جواز
Ceramic.	خزافی (کوزہ گری)
Chalcolithic.	معدنیاتی عہد
Chronology.	ترتیب وار تاریخ
Coalition	ایتلاف
Colophon.	تتمہ
Column.	کھمبہ
Confederacy.	اتحادِ سیاسی / سیاسی حصے بندی
Conterminous.	ہم سرحد
Cosmopolitan.	وسیع المشرب
Despatch Clerk.	منشی مراسلات
Despotism.	استبدادیت
Diplomacy.	حکمتِ عملی
Epigraphic.	لوحی
Era.	نظام سنوات سمبت
feudal.	جاگیری
feudatory.	جاگیر دار
fresco.	روغنی تصویر
Genius.	نابغہ
Guild.	ہم پیشہ لوگوں کی انجمن
Hegemony.	وفاقی قیادت

Heterodoxy.	آزاد خیالی
Historicity.	تاریخیت
Investiture.	سندِ تقرری
Kingdom.	ریاست
Lingua franca.	مشترک زبان
Lyrical Poetry.	غنائی شاعری
Mathematics.	ریاضیات
Metallurgy.	خام دھات کی صفائی
Neolithic.	نو حجری عہد
Nomenclature.	نظام تسمیہ
Numismatic.	مسکوکاتی
Oligarchy.	چند سری
Orthodoxy.	قدامت پرستی
Palaeolithic.	قدیم حجری عہد
Palaeography.	کتبہ خوانی
Parochial.	فرقہ پرستانہ
Parricide.	پدر کش
Pillar Edict.	ستونی فرمان
Polyandry.	چند شوئی
Poetics.	شعریات
Posthumous.	پس مرگ
Protege.	آوردہ
Queen Consort.	بادشاہ بیگم
Reaction.	ردِّ عمل
Relics.	تبرکات
Remains.	باقیات
Rock Edicts.	چٹانی فرمان
Shaft.	ڈانڈا
Strategy.	فوجی مصلحت
Stratification.	طبقاتی اجزائے ترکیبی
Tripartite.	سہ طرفہ
Vassal.	باجگزار
Versatile.	ہمہ داں
Viceroy.	نائب السلطنت / وائسرائے
Vitality.	قوتِ حیات

فہرست کتب بزبان انگریزی

(جنھیں حاشیوں میں اردو رسم خط میں لکھا گیا ہے)

Aiyangar, Dr. S. K. — Studies in Gupta History.
— Ancient India.
ڈاکٹر ایس. کے. آینگر۔ اسٹڈیز ان گپتا ہسٹری
۔ اینشینٹ انڈیا

Aiyangar, P.T.S. — The Stone Age in Ancient India.
— Bhoj Raj.
پی. ٹی. ایس. آینگر — دا اسٹون ایج ان اینشینٹ انڈیا
— بھوج راج

Allan
Allan — Cambridge Short History of India.
ایلن — کیمبرج شارٹ ہسٹری آف انڈیا
— Catalogue and Coins of the Gupta Dynasty.
— کیٹلاگ اینڈ کوائنس آف دا گپتا ڈائینسٹی

Altekar, Dr. A.S. — The Position of Women in Hindu Civilization.
ڈاکٹر اے. ایس. الٹیکر — دی پوزیشن آف وی مین ان ہندو سیویلائزیشن
— Rashtrakutas and their Times.
— راشٹراکوٹاز اینڈ دیر ٹائمس

Bader, C — Women in Ancient India.
مسز سی بیڈر — وی مین ان اینشینٹ انڈیا

Badge, E. A. W. — Life and Exploits of Alexander (Trans.)
ای۔ اے۔ ڈبلو۔ بج — لائف اینڈ اکسپولائٹس آف الگزانڈر (ترجمہ)

Banerjee, R. D. — The Palas of Bengal.
آر۔ ڈی۔ بنرجی — دی پالاز آف بنگال

— History of Orissa
— ہسٹری آف اڑیسہ

— The Haihayas of Tripura and their Monuments.
— دی ہے ہیاز آف تری پورا اینڈ دیر مانومنٹس

Barodia — History and Literature of Jainism.
بڑودیہ — ہسٹری اینڈ لٹریچر آف جینزم

Barua, K. L. — History of Assam.
کے۔ ال۔ بروا — ہسٹری آف آسام

Basak, R. G. — History of North-Eastern of India.
آر۔ جی بسک — ہسٹری آف نارتھ ایسٹرن انڈیا

Bayley — A History of Gujrat.
بیلی — اے ہسٹری آف گجرات

— A History of Fine Arts in India and Cylone.
— اے ہسٹری آف فائن آرٹس ان انڈیا اینڈ سیلون

Beal. — Life of Yuan Chwang.
بیل — لائف آف یوآن چوانگ

— Budhist Records of the Western World.
— بدھسٹ ریکارڈس آف دی ویسٹرن ورلڈ

— Travels of Fahien (Fo-Kwo-Ki)
— ٹریولس آف فاہیان (فوکوؤکی)

Bhandarkar, D.R. — Carmichael Lectures on Ancient History of India.

ڈی. آر. بھنڈارکر ـــ کارمائیکل لکچرس آن اینشینٹ ہسٹری آف انڈیا
— Ashoka.
ـــ اشوکا
— Early History of Dekhan.
ـــ ارلی ہسٹری آف ڈیکن
Brigg's Farishta — History of the Rise of Mohammadan Power.
برگس فرشتہ ـــ ہسٹری آف دی رائز آف محمڈن پاور
Chakravarti. M.M. — Chronology of the Eastern Ganga Kings of Orissa.
ایم. ایم. چکرورتی ـــ کرانولاجی آف دی ایسٹرن گنگا کنگس آف اڑیسہ
Chatterji, Dr. B.R — Indian Cultural Influence in Cambodia, India and Jawa.
ڈاکٹر بی. آر. چٹرجی ـــ انڈین کلچرل انفلوئنس ان کمبوڈیا، انڈیا اینڈ جاوا
Childe, G. — The Aryans.
جی. چائلڈ ـــ دا ایرینس
Cowell & Thomas — Harsa Charita (Transl.)
کاول اینڈ ٹامس ـــ ہرش چرتر (ترجمہ)
Cunningham — Book of Indian Eras.
کننگھم ـــ بک آف انڈین ایراز
Das. A.C. — Rig Vedic India.
اے. سی. داس ـــ رگ ویدک انڈیا
— Rig Vedic Culture.
ـــ رگ ویدک کلچر
Davids, Rhys — Budhist India.
رہس ڈے وڈس ـــ بدھسٹ انڈیا
Buddhism. بدھزم

Deb, H.K. — Udyam Vatsraj.

ایچ۔کے۔ دیب — اُدیَم وتس راج

Dikshit, N.K. — Pre-Historic civilization of Indus Valley.

ان۔کے۔ ڈِکشت — پری ہسٹارک سویلائزیشن آف دی انڈس ویلی

Dubreuil — Ancient History of the Dekkan.

ڈبریُئیل — اینشینٹ ہسٹری آف دی دکن

— Town Planning in Ancient India.

— ٹاؤن پلاننگ ان اینشینٹ انڈیا

— The Aryanization of India.

— دا ایریانائزیشن آف انڈیا

Dutta, B.C. Town Planning in Ancient India.

بی۔سی۔دتّ — ٹاؤن پلاننگ ان اینشینٹ انڈیا

Dutta, N.K. The Aryanization of India.

این۔کے۔دتّ — دا ایریانائزیشن آف انڈیا

Elliot and Dowson — History of India.

ایلیٹ اینڈ ڈوسن — ہسٹری آف انڈیا

Fleet — Corpus Inscriptionum Indicarum.

فلیٹ — کارپس انسکرپشنم اِنڈِکارم

Gaitis, Sir E. — History of Assam.

سر ای۔ گیتی — ہسٹری آف اسام

Ganguly, M.M. — Orissa and her Remains.

ایم۔ ایم۔ گنگولی — اڑیسہ اینڈ ہر ریمینس

— History of the Parmara Dynasty.

— ہسٹری آف دی پرمار ڈائنسٹی
Geiger — Mahavansa.
گیگر — مہاونش
Gopalan, R. — History of the Pallavas of Kanci.
آر۔ گوپالن — ہسٹری آف دی پلّاوز آف کانچی
Govinda Pai — Geneology and Chronology of the Vakatakas.
گووند پی — جینالاجی اینڈ کرانالاجی آف دی واکاٹکاز
— Pre-Historic Ancient and Hindu India.
— پری ہسٹارک اینشینٹ اینڈ ہندو انڈیا
Grant, H...ot — Epigraphia Indica.
ہیناٹ گرانٹ — اپی گرافیہ انڈکا
Griffiths — The Paintings of the Buddhist Caves of Ajanta.
گریفتھس — دا پینٹنگس آف دی بدھسٹ کیوز آف اجنتا
Griswold — Religion of the Rig Veda.
گرس وُلڈ — ریلجن آف دی رگ ویدا
Heras, Rev. H. — The Pallava Kings.
ریورنڈ ایچ۔ ہیراس — دی پلوا کنگس
Hira Lal — Kalchuris of Tripuri.
ہیرالال — کل چوریز آف تری پوری
Hopkins — Cambridge History of India.
ہاپ کنس — کیمبرج ہسٹری آف انڈیا
Hunter, Dr. G.R. — Script of Harappa and Mohanjodaro.
ڈاکٹر جی۔ آر۔ ہنٹر — اسکرپٹ آف ہڑپا اینڈ موہنجوداڑو
Indra — Status of Women in Ancient India.
اندر — اسٹیٹس آف ویمن ان اینشینٹ انڈیا

Jaini, Jagmandar Lal — Outlines of Jainism.
جینی جگمندلال — آوٹ لائنس آف جینزم

Jayaswal, K.P. — Hindu Polity.
کے۔ پی۔ جیسوال — ہندو پالٹی

Keith, A.B. — Buddhist Philosophy in India and Ceylon
اے۔ بی۔ کیتھ — بُدھسٹ فلاسوفی ان انڈیا اینڈ سیلون

— A History of Sanskrit Literature.
— اے ہسٹری آف سنسکرت لٹریچر

Kern, J.H.C. — Manual of Indian Buddhism.
جے۔ ایچ۔ سی۔ کرن — مینول آف انڈین بُدھزم

Konow, S. — Corpus Inscriptionum Indicarum.
ایس۔ کونوٹ — کارپس انسکرپشنم انڈکارم

Lachmidhar — The Home of the Aryans.
لچھمی دھر — دا ہوم آف دی ایرینس

Landan, P. — Nepal.
پی۔ لینڈن — نیپال

Law. B.C — Ancient Mid Indian Ksatrya Tribes.
بی۔ سی۔ لاء — اینشینٹ مڈ انڈین کشاتریہ ٹرائبس

— Ksatrya Clans in Buddhist India.
— کشاتریہ کلانس بدھسٹ انڈیا

Logam, A.C. — Old Chipped Stones of India.
اے۔ سی۔ لوگم — اولڈ چپڈ اسٹونس آف انڈیا

Luard, C.E. and Lele, K.K. — Parmaras of Dhar and Malwa.
سی۔ ای۔ لوَرڈ اینڈ کے۔ کے۔ لی — پرمارز آف دھر اینڈ مالوہ

Macdonell, A.A. — A History of Sanskrit Literature.

اے۔اے۔میکڈونل ۔ اے ہسٹری آف سنسکرت لٹریچر
Mackey, Dr. — The Indus Civilization.
ڈاکٹر میکے ۔ دا انڈس سویلائزیشن
Marphail — Asoka.
مارفیل ۔ اشوکا
Majumdar, R.C. — Early History of Bengal.
آر۔سی۔مجمدار ۔ ارلی ہسٹری آف بنگال
— Corporate Life in Ancient India.
۔ کارپوریٹ لائف ان اینشینٹ انڈیا
— Ancient Indian Colonies In the Far East.
۔ اینشینٹ انڈین کالونیز ان دا فار ایسٹ
Marshal, Sir John. — Mohenjodaro.
سر جان مارشل ۔ موہنجو ڈارو
— Mohenjodaro and Indus Civilization.
۔ موہنجوڈارو اینڈ انڈس سویلائزیشن
Mazumdar, B.C. — Orissa in The Making.
بی۔سی۔مزمدار ۔ اڑیسہ ان دا میکنگ
M' Crindle — Ancient India, Its Invasion by Alexander the Great.
ایم۔کرنڈل ۔ اینشینٹ انڈیا، اِٹس اِن ویژن بائی الیگزانڈر دا گریٹ
— Megasthenes and Arrian.
۔ میگستھنیز اینڈ ایرین
— Ancient India as Described by Megasthenes & Arrian.
۔ اینشینٹ انڈیا ایز ڈسکرائبڈ بائی میگستھنیز اینڈ ایرین
— Ancient India as Described in Classical Literature.
۔ اینشینٹ انڈیا ایز ڈسکرائبڈ ان کلاسیکل لٹریچر

Minakshi, C.—Administration and Social Life under the Pallavas.

سی مناکشی۔ ایڈمنسٹریشن اینڈ سوشل لائف انڈر دی پلواز

Mitra, Panchanan — Pre-Historic India.

پنچانن مترا — پری ہسٹارک انڈیا

Mitra, R.L. — The Antiquities of Orissa.

آر۔ ایل۔ مترا — دا اینٹی کوئٹیز آف اڑلیسہ

Mookerji, Dr. R.K. — Hindu Civilization.

ڈاکٹر آر۔ کے۔ مکرجی — ہندو سویلائزیشن

— Local Government in Ancient India.

— لوکل گورنمنٹ ان اینشینٹ انڈیا

— Ashoka.

— اشوکا

— The Fundamental Unity of India

— دا فنڈامینٹل یونٹی آف انڈیا

Moraes, G.M. — The Kadamba Kula.

جی۔ ایم۔ موریز — دا کدمب کل

Ojha, G.H. — M.M. Prachina Lipi.

جی۔ ایچ۔ اوجھا (قلمی مسودہ) پراچین لپی

Oldenburg, H. — Buddha.

ایچ۔ اولڈن برگ — بدھا

Radhakrishnan, Sir S. — Indian Philosophy.

سر ایس۔ رادھا کرشنن — انڈین فلاسوفی

Rangacharya, V. — Pre-Musalman India.

وی۔ رنگا چاریہ — پری مسلمان انڈیا

Rao, M.V.K. — The Gangas of Talkad.

ایم۔ وی۔ کے راؤ ۔۔ دا گنگاز آف تلکاڈ
Rapson, E. J. — Catalogue of the Coins of the Andhra Dynasty, the Western Ksatraps.
ای۔ جے۔ ریپسن ۔۔ کیٹلاگ آف دا کوائنس آف دی آندھرا ڈائینسٹی، دا ویسٹرن شترپس
— The Cambridge History of India.
۔ دا کیمبرج ہسٹری آف انڈیا
Raverty — Notes on Afghanistan.
رے ورٹی ۔۔ نوٹس آن افغانستان
Rawlinson — Bactria.
رالنسن ۔۔ بیکٹریا
Raychaudhri — Political History of Ancient India.
رائے چودھری ۔۔ پولٹیکل ہسٹری آف اینشینٹ انڈیا
Ray, H. C. — Dynastic History of North India.
ایچ۔ سی۔ رے ۔۔ ڈائینسٹک ہسٹری آف نارتھ انڈیا
Ray, N. — The Maitrakas of Valabhi.
این۔ رے ۔۔ دا میترکاز آف ولبھی
Reu, B. N. — Raja Bhoj.
بی۔ این۔ ریو ۔۔ راجہ بھوج
Rice, Lewis — Epigraphia Carnatica.
لیوس رائس ۔۔ اپی گرافیہ کرناٹکا
Sachau — Alberuni's India.
سچاؤ (زخاؤ) ۔۔ البیرنی ز انڈیا
Sankalia, M. D. — The University of Nalanda.
ایم۔ ڈی۔ سنکلیہ ۔۔ دا یونیورسٹی آف نالندا
Sarkar, G. M. — Early History of Bengal.

جی۔ایم۔سرکار — ارلی ہسٹری آف بنگال

Shah — Jainism in Northern India.

شاہ — جینزم اِن ناردرن انڈیا

Shashi, K.A. Nilkanta. — The Cholas.

کے۔اے۔نیل کانتا شاستری — دا چولاز

— Studies in Chola History and Administration.

— اسٹڈیز ان چولا ہسٹری اینڈ منسٹریشن

— The Pandayan Kingdom.

— دی پانڈین کنگڈم

Shashi, Shama. — Kautilya's Arthshastra.

شاما شاستری — کوٹلیاز ارتھ شاستر

Smith, V. — Ashoka.

وی۔اسمتھ — اشوکا

— Pala Dynasity of Bengal.

— پالا ڈائنیسٹی آف بنگال

— Early History of India.

— ارلی ہسٹری آف انڈیا

Stein, Sir Aurel — Kalhana's Rajatarangini.

سر آریل اسٹین — کلہنس راج ترنگنی

Stevenson, Mrs. S. — The Heart of Jainism.

مسز ایس۔اسٹیونسن — دا ہارٹ آف جینزم

Subramaniam, K.R. — Buddhist Remains in Andhra and the History of Andhra between 225 and 610 A.D.

کے۔آر۔سبرامانیم — بدھسٹ ریمنس اِن آندھرا اینڈ دی ہسٹری آف آندھرا بٹوین ۲۲۵ اینڈ ۶۱۰ اے۔ڈی۔

Tarn — The Greeks in Bactria and India.
ٹارن — دا گریکس ان بیکٹریا اینڈ انڈیا
Taylor, Dr. Isaac — The Origin of the Aryans.
ڈاکٹر آئزک ٹیلر — دا اوریجن آف دی ایرینس
Thomas, E. — The Life of Buddha.
ای۔ ٹامس — دی لائف آف بدھا
Tilak, B. G. — Arctic Homes in the Vedas.
بی۔ جی۔ تلک — آرکٹک ہوم اِن دا ویداز
Tripathi, R. S. — History of Kannauj.
آر۔ ایس۔ ترپاٹھی — ہسٹری آف قنوج
Tod — Annals and Antiquities of Rajasthan.
ٹاڈ — اینلس اینڈ اینٹی کوئیٹیز آف راجستھان
Upadhyaya — Women in Rig Veda.
اُپادھیائے — وی مین ان رگ وید
Vats, M. S. — Excavations at Harappa.
ایم۔ ایس۔ وٹس — ایکسکیویشنس ایٹ ہڑپا
Woddel, L. A. — The Indo Sumerian Seals Desiphered.
ایل۔ اے۔ واڈل — دا انڈو سمیرین سیلس ڈی سائیفرڈ
Wales, H. G. Q. — Towards Angkor
ایچ۔ جی۔ کیو۔ ویلیز — ٹوورڈس انگ کور
Watters, Thomas — Yuan Chwang Travels (Si-Yu-Ki)
ٹامس ویٹرس — یوآن چوانگ ٹریولس (سی یو کی)
Wilson, H. H. — Hindu Theatre (Trans.)
ایچ۔ ایچ۔ ولسن — ہندو تھیٹر (ترجمہ)
Wright, D. — History of Nepal. ڈی۔ رائٹ — ہسٹری آف نیپال

کتابیات

Annals of the Bhandarkar Research Institute.
اینلس آف دی بھنڈارکر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

Antiquities of India. اینٹی کوئٹیز آف انڈیا

Bombay Gazeteer بامبے گزیٹیر

Catalogue of Pre-Historic Antiquities in the Govt. Museum.
کٹیلاگ آف پری ہسٹارک اینٹی کوئٹیز ان دی گورنمنٹ میوزیم

Historical Inscriptions of Southern India.
ہسٹاریکل انسکرپشنس آف سدرن انڈیا

Imperial Gazeteer of India. امپیریل گزیٹیر آف انڈیا

Malvyaji Commemoration Volume. مالویہ جی کمیوریشن والیوم

Maxims میکزمس

New India Antiquaries نیو انڈیا اینٹی کوویریز

Notes on the Ages Distibution of Pre-Historic Antiquities
نوٹس آن دا ایجز، ڈسٹری بیوشن آف انڈین پری ہسٹارک اینٹی کوئٹیز

Numismatic Society.
نیومس میٹک سوسائٹی

Oxford History of India.
آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا

Publication of the Greater Indian Society.
پبلیکشنس آف دا گریٹر انڈین سوسائٹی

Proceedings of the Indian History Congress.

پروسیڈنگس آف دا انڈین ہسٹری کانگریس

Proceedings of the First Oriental Conference.

پروسیڈنگس آف دی فرسٹ اورینٹل کانفرنس

Proceedings of The Asiatic Society of Bengal.

پروسیڈنگس آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال

Sir Ausotosh Mookerji Silver Jubilee Volume.

سر آشوتوش مکر جی سلور جبلی والیوم

South Indian Paleography

ساؤتھ انڈین پیلوگریفی

South Indian Inscriptions.

ساؤتھ انڈین انسکرپشنز

The Age of Maha Bharata.

دا ایج آف مہابھارت

رپورٹیں

Archaelogical Survey of Annual Report.

آرکیلاجیکل سروے آف اینول رپورٹ

Archaelogical Survey of India.

آرکیلا جکل سروے آف انڈیا

Archaelogical Survey of India Report.

آرکیلا جکل سروے آف انڈیا رپورٹ

Archaelogical Survey of South India.

آرکیلا جیکل سروے آف ساؤتھ انڈیا

Progress Report of the Archaelogial Survey Eastern Circle.

پراگرس رپورٹ آف دی آرکیلا جکل سروے، ایسٹرن سرکل

Report of the Archaelogial Survey of Western India.
رپورٹ آف دی آرکیالاجکل سروے آف ویسٹرن انڈیا۔

مجلے

Asiatic Journal and Monthly Ragistor for British and Foreign India, China and Australia.
ایشیاٹک جرنل اینڈ منتھلی رجسٹر فار برٹش اینڈ فارن انڈیا، چائنا اینڈ آسٹریلیا۔

Journal Asiatique.
جرنل ایشیاٹیک

Journal of Asiatic Society of Bengal.
جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال

Journal of Bihar and Orissa Research Society.
جرنل آف بہار اینڈ اڑلیسہ ریسرچ سوسائٹی

Journal of Department of letters, Calcutta University.
جرنل آف ڈپارٹمنٹ آف لٹرس، کلکتہ یونیورسٹی

Journal of Indian History.
جرنل آف انڈین ہسٹری

Journal of Numismatic Society of India.
جرنل آف نیومس میٹک سوسائٹی آف انڈیا

Journal of Royal Asiatic Society.
جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی

Journal of U.P. Historical Society
جرنل آف یوپی ہسٹارکل سوسائٹی

Indian History Quarterly.
انڈین ہسٹری کوارٹرلی

Nagpur University Journal.

ناگپور یونیورسٹی جرنل

The Orien Poona

دا اورین پونا

ہماری مطبوعات

آندھی میں چراغ	خواجہ غلام السیدین	73/-
ابوالکلام آزاد۔شخصیت،سیاست پیغام	پروفیسر رشید الدین خاں	21/-
ابوالکلام آزاد۔ایک ہمہ گیر شخصیت	پروفیسر رشید الدین خاں	58/-
اترپردیش کے لوک گیت	اظہر علی فاروقی	120/-
اردو ادب کی تنقیدی تاریخ (دوسری طباعت)	احتشام حسین	70/-
اردو کے ابتدائی ادبی معرکے (ابتدا سے عہد مرزا و میر تک)	ڈاکٹر محمد یعقوب عامر	22/-
اردو کے ادبی معرکے (انشاء سے غالب تک) ترمیم و اضافے کے ساتھ (دوسرا ایڈیشن)	ڈاکٹر محمد یعقوب عامر	30/-
اردو کی کہانی	احتشام حسین	21/-
اردو لغت نگاری کا تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر مسعود ہاشمی	30/-
ارنیسٹ ہمنگوے (حیات و فن کا تنقیدی مطالعہ) (دوسری طباعت)	ڈاکٹر سلامت اللہ خاں	8/40
امریکی ادب کا مختصر جائزہ	ڈاکٹر سلامت اللہ خاں	زیر طبع
انتخاب غزلیات میر	ڈاکٹر حامدی کاشمیری	15/-
انتخاب کلام حسرت	ڈاکٹر فضل امام	9/-
اردو زبان کی تدریس	معین الدین	40/-
انشاء کا ترکی روزنامچہ	سید محمد نعیم الدین	4/50

انیس کے سلام	علی جواد زیدی	60/-
انیس کے مرثیے اوّل (دوسری طباعت)	صالحہ عابد حسین	36/-
انیس کے مرثیے دوم (دوسری طباعت)	صالحہ عابد حسین	40/-
برنارڈشا	عبدالمغنی	35/-
بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقاء	پروفیسر اختر اورینوی	18/-
بیسویں صدی میں اردو ناول	ڈاکٹر یوسف سرمست	58/-
پشکن (دوسری طباعت)	ظ۔ انصاری	زیر طبع
پھول بن	ابن نشاطی	زیر طبع
تذکرہ علمائے بلخ	صفی الدین واعظ / مترجم پروفیسر نذیر احمد	12/-
تالستائے	ڈاکٹر محمد یٰسین	زیر طبع
جنت سنگار	پروفیسر سیدہ جعفر	180/-
جوش ملیح آبادی شخصیت اور فن	ظفر محمود	38/-
چکبست	رام لال نابھوی	18/-
چخف (دوسری طباعت)	ظ۔ انصاری	10/-
حیات جاوید (تیسری طباعت)	الطاف حسین حالی	48/-
خسرو شناسی (دوسری طباعت)	ظ۔ انصاری / ابوالفیض سحر	24/-
دانتے	زیڈ۔ اے۔ عثمانی	8/25
دستنبو (غالب)	(مترجم) پروفیسر خواجہ احمد فاروقی	12/-
درس بلاغت (تیسری طباعت)	قومی اردو کونسل	47/-
قدیم اردو نظم (حصہ اول)	ڈاکٹر فہمیدہ بیگم	40/-
دکن میں اردو	پروفیسر نصیر الدین ہاشمی	42/-
دکنی ہندو اور اردو	پروفیسر نصیر الدین ہاشمی	15/50
دکنی نثر کا انتخاب	پروفیسر سیّدہ جعفر	45/-

دکن میں مرثیہ اور اعزاداری	ڈاکٹر رشید موسوی	17/-
دیوان آبرو	پروفیسر محمد حسن	25/-
دیوان حسرت عظیم آبادی	ڈاکٹر اسماء سعیدی	زیر طبع
ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا حیات اور کارنامے	ڈاکٹر کبیر احمد جائسی	12/-
ڈاکٹر ذاکر حسین شخصیت و معار	مرتبہ: ڈاکٹر فہمیدہ بیگم	70/-
ذوق و جستجو	پروفیسر خواجہ احمد فاروقی	34/-
رہبر اخبار نویسی	سید اقبال قادری	62/-
رباعیات انیس	مرتب: علی جواد زیدی	85/-
زندگانی بے نظیر	سید محمد عبدالغفور شہباز / سید محمد حسنین	19/-
سب رس کے حروف (صرفی مطالعہ)	آصفہ بیگم	9/50
سخنوران گجرات	سید ظہیر الدین مدنی	17/-
شعریات (دوسری طباعت)	ارسطو / شمس الرحمٰن فاروقی	62/-
شعر شور انگیز (اوّل)	شمس الرحمٰن فاروقی	150/-
شعر شور انگیز (دوم)	شمس الرحمٰن فاروقی	130/-
شعر شور انگیز (سوم)	شمس الرحمٰن فاروقی	150/-
شعر شور انگیز (چہارم)	شمس الرحمٰن فاروقی	170/-
صحیفہ خوش نویساں	مولوی احترام الدین احمد شاغل عثمانی	12/-
عربی ادب کی تاریخ (اوّل) (تیسری طباعت)	ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی	20/-
عربی ادب کی تاریخ (دوم)	ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی	26/-
عربی ادب کی تاریخ (سوم)	ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی	55/-
غزل اور غزل کی تعلیم (دوسری طباعت)	ڈاکٹر اختر انصاری	18/-
فسانۂ آزاد (جلد اوّل)	رتن ناتھ سرشار / امیر حسن نورانی	100/-
فسانۂ آزاد (جلد دوم)	رتن ناتھ سرشار / امیر حسن نورانی	65/-